تاریخ اسلام

عہد جاہلیت سے عہد نبوی تک

پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی

Marfat.com

Marfat.com

199490
DATA ENTERED

تاریخ اسلام

عہد جاہلیت سے عہد نبوی تک

پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی

فیکٹ پبلیکیشنز
14/B علی پلازہ سیکنڈ فلور ٹیمپل روڈ لاہور فون: 042-6374538
Web site: www.factpublications.com
Emai: factpublications@fact.com.pk

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اس کتاب کا کوئی حصہ ناشر کی پیشگی اجازت کے بغیر شائع کرنے کی اجازت نہیں ، ماسوائے تبصرہ کے، جس کے ساتھ مصنف، پبلشر، مترجم، کتاب کا نام اور صفحہ نمبر تحریر کرنا ضروری ہے۔

297.9
355
95293

کتاب : تاریخ اسلام (عہد جاہلیت سے عہد نبوی تک)

مصنف : پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی

ایڈیٹر : وسیم شیخ

کمپوزنگ : محمد حبیب

ڈیزائن : محمد اعظم

سن اشاعت : اگست 2008ء

قانونی مشیر : تیموری لاء ایسوی ایٹس

13 فین روڈ لاہور فون 042-7323202

قیمت : Rs: 200/

FACT PUBLICATION is a department of the Fact group of publications. Its objective to promote creative work by book publishing. The group proude on supremacy in all fields, vast readership, credibility and symbol of positive journalism. If you Want to read group others Publications, click on www.fact.com.pk

Marfat.com

فہرست

	صفحہ نمبر
❑ ترتیب	
❑ عرض اولیں	5
❑ مقدمہ	9
❑ جاہلی عرب	19
❑ قدیم عرب سلطنتیں	29
❑ عربوں کا قبائلی، سماجی، اقتصادی اور سیاسی نظام	37
❑ مکہ اور قریش کا خاص مقام	50
❑ جاہلی تمدن	59
❑ عہد نبوی کی حیات طیبہ کا اولین دور	66
❑ مکی حیات طیبہ کا دوسرا دور	77
❑ بعثت نبوی	87
❑ مخالفت حق	99

Marfat.com

❑ حیات نبوی کا دوسرا دور	116
❑ اسلامی معاشرہ اور ریاست کی تشکیل	125
❑ اسلام اور اسلامی ریاست کا عروج	137
❑ اسلامی ریاست کا نظامِ حکومت	149
❑ فوجی اور مالی تنظیم	158
❑ مذہبی نظام	168
❑ اسلامی معاشرہ اور سماجی اصلاحات	173
❑ اسلام اور اسلامی شریعت کی تکمیل	185
❑ حیات طیبہ کے آخری برس	193
❑ ازواج مطہرات	195
❑ سیرت طیبہ پر ایک مجموعی نظر	200

Marfat.com

عرض اولیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَخُلَفَائِہٖ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

اسلام تاریخ اور اسلامی تہذیب پر الگ الگ ہزار ہا کتابیں لکھی گئی ہیں۔ لکھنے والے دو طرف کے ہیں: مسلم مورخین ومؤلفین جو اسلامی تاریخ وتہذیب کو بالعموم واقعات وحوادث کی کھتونی سمجھتے ہیں اور اسی حیثیت سے ان کو زمانی ترتیب کے ساتھ پیش کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہوجاتے ہیں۔وہ واقعات وحادثات کا تجزیہ وتحلیل نہیں کرتے اور نہ عہد زیر قلم کی بازیافت کی کوشش کرتے ہیں۔ان کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ جدید تاریخ نویسی کے اصولوں سے ناواقف ہوتے ہیں اور بالعموم تاریخ داں ہوتے ہی نہیں۔ دوسری قسم غیر مسلم مؤرخین کی ہے جن میں جدید مشرقی اہل علم اور مستشرقین دونوں شامل ہیں ان میں سے بیشتر اسلامی تہذیب وتمدن کے اصل مآخذ سے واقف نہیں ہوتے اور متعدد تاریخ نویسی کے اصولوں سے بھی نابلد ہوتے ہیں مگر ان کا اصل المیہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسلامی تاریخ وتہذیب کو اپنی متعصبانہ عینک اور اپنی دینی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس میں ان کے تہذیب شعور وزاویہ نگاہ کا بھی خاصا دخل ہوتا ہے لہٰذا اگر وہ اسلامی تہذیب وتاریخ کو دانستہ مسخ نہیں بھی کرتے تو بھی ان کی نگاہ اس کے سیاہ پہلو پر ہی ٹکتی ہے، وہ تاریخ مسخ کرتے ہیں۔

ان کتابوں کی تدریس وتعلیم اور مطالعہ سے قارئین بالخصوص طلبہ کے سامنے اسلامی تاریخ

Marfat.com

اور اسلامی تہذیب کا بڑا محدود اور مسخ شدہ تصور پیدا ہوتا ہے، مسلم تحریروں سے وہ واقعات اور ''اخبار'' سے واقف ہو جاتے ہیں لیکن تاریخی شعور اور تہذیبی ادراک سے محروم رہتے ہیں۔ غیر مسلم نگارشات سے معلومات کے حصول کے باوجود زاویہ نگاہ کج ہوتا ہے اور اپنے تاریخ اور تہذیبی سرمایہ پر افتخار و اعتماد کے بجائے شرم و تنفر کا احساس پیدا ہوتا ہے جو احساس کمتری کو جنم دے کر میدان حیات میں بے عمل بناتا ہے۔

تاریخ و تہذیب اسلامی کے چالیس سالہ مطالعہ اور پچیس سالہ تدریس و تعلیم کے تجربات کے دوران یہ حقیقت برابر روشن ہوتی اور مضطرب کرتی رہی کہ طلباء اور قارئین کے ہاتھ میں کوئی کتاب پورے اعتماد کے ساتھ نہیں دی جاسکتی کہ کسی میں دین کا زیاں تھا تو کسی میں علم کا۔ مدتوں یہ احساس بھی بے چین کرتا رہا کہ اپنے فہم و شعور اور تجربات کی روشنی میں اسلامی تاریخ اور تہذیب پر ایک جامع درسی کتاب لکھی جائے تاکہ وقت کی ضرورت، علم کا تقاضا اور دین کا مطالبہ پورا ہو۔ کئی برس بیشتر ایسے درسی سلسلہ کی ایک کتاب لکھ بھی ڈالی مگر وہ خاصی ضخیم ہوگئی۔ متعدد بزرگوں، خیر خواہوں، دوستوں، رفیقوں اور شاگردوں نے مسلسل اصرار کیا کہ ایک مختصر جامع سلسلہ تاریخ اسلامی تیار کر کے جلد از جلد پیش کیا جائے۔

اس کتاب میں کوشش یہ کی گئی ہے کہ اسلامی اور آفاقی نقطہ نظر سے تاریخ و تہذیب کا مطالعہ کیا جائے اور مختلف ادوار میں اس کا ارتقائی عمل بھی دکھایا جائے۔ مختلف ادوار میں تاریخ و تہذیب کو محض آسانی اور شناخت کی خاطر تقسیم کیا گیا ہے ورنہ تاریخی عمل اور تہذیبی ارتقاء کسی حد بندی کو قبول نہیں کرتا۔ اس کا تسلسل جاری رہتا ہے خواہ نظر آئے یا نہ آئے۔ اسلامی اور آفاقی نقطہ نظر کی تشریح میں جلدی سے یہ عرض کر دوں کہ اس سے مراد وہ حدیث نبوی ہے جس کا مفہوم ہے کہ حکمت مرد مومن کا گم شدہ سرمایہ ہے وہ جہاں بھی ملے مرد مومن ہی اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔

ان کتابوں کی تالیف میں سکول و کالجز اور یونیورسٹیز کے طلباء کے علاوہ عام قارئین اور عام مسلم اور غیر مسلم قارئین کی درسی اور علمی ضرورتوں کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس کتاب میں پوری کوشش کی گئی ہے کہ ان سب کو صحیح معلومات اور صحیح زاویہ نگاہ سے آگاہ کیا جائے۔ اس کوشش میں کہاں تک کامیابی یا ناکامی ہوئی ہے اس سے قارئین کرام، طلبائے عزیز، اساتذہ

Marfat.com

عظام اور ماہرین تاریخ زیادہ واقف ہوں گے۔ان سب سے التماس ہے کہ معلومات کی غلطیوں اور تعبیر کی خامیوں سے راقم کو آگاہ کریں تا کہ ان کی اصلاح اپنے قلب ونظر میں بھی کرلوں اور آئندہ طباعتوں کے اوراق وصفحات گم کردہ راہ میں بھی۔

یہ میرا فرض ہے اور سعادت بھی کہ اس سلسلہ درس کی تیاری میں تمام معاون افراد اور اداروں کا شکریہ ادا کروں۔ میرے مرحوم والدین .....الحاج انعام علی صدیقی اور بی بی تسلیم صاحبہ.....کا احسان مرنے کے بعد بھی قائم ودائم رہے گا کہ انھوں ۔نے اپنے خون جگر میں بیکراں الفت ومحبت کی شیر وشکر ملا کر اس حقیر مؤلف کی تعلیم وتربیت فرمائی۔ان کا احسان نہ ہوتا تو کندۂ ناتراش رہ جاتا۔موجودہ کاوش بھی انھیں کے حسنات میں ہی شمار کرنی چاہے اور میں اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ اس کو ان کیلئے توشہ مغفرت بنائے۔

احباب ورفقائے کار اور دوسرے محسنوں کی فہرست کافی طویل ہے۔سب کا عمومی شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن برادر مکرم محمد اعظم قاسمی اور برادر عزیز ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی ، ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، ڈاکٹر منظور عالم چیئر مین آئی ، او، ایس کا خصوصی شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے مخلصانہ تبصروں اور محبت آگیں مشوروں سے اس سلسلہ درس کو مفید تر بنانے میں بہت مدد ملی۔میں اپنی رفیق حیات شمس النساء یاسمین اور اپنے سعادت مند بچوں .....زینت، رخسانہ احمد مبین، احمد معین، احمد امین اور خالد اسمعیل .....کے احسان کا اعتراف کروں جو وہ اپنی بیکراں خدمت، بے پناہ محبت اور بے غرض عقیدت کی صورت میں مجھ پر مسلسل کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو دونوں جہانوں کی سعادتوں سے نوازا۔

اور سب سے آخر میں اور سب سے اول بھی میں اپنے مہربان منعم حقیقی .....اللہ تعالی.....کی جناب میں سجدۂ شکر بجالاتا ہوں کہ اسی نے حیات مستعار کی نعمتوں سے نوازا اور اسی سے امید بھی ہے اور دعا بھی کہ وہ آخرت کی سعادتوں سے بھی نوازے۔

محمد یٰسین مظہر صدیقی

Marfat.com

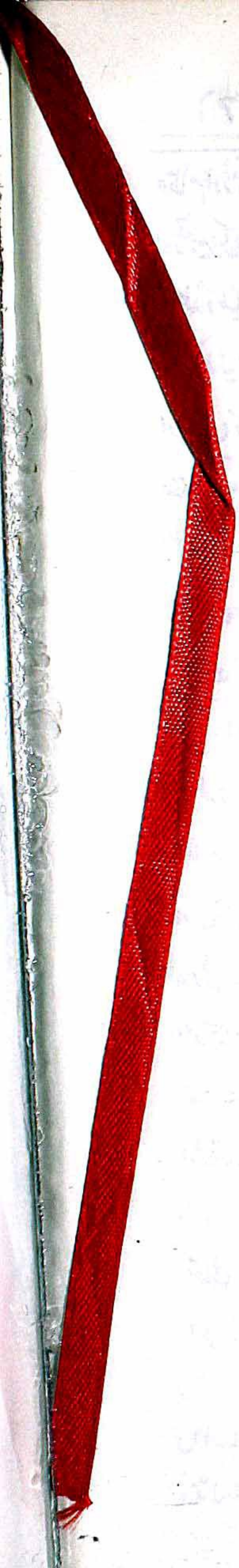

Marfat.com

مقدمہ

تاریخ تہذیب اسلامی

یہ کتاب اسلامی تاریخ اور اسلامی تہذیب سے بحث کرتی ہے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام، تاریخ، اسلامی تہذیب وتمدن کے تصورات کو خوب سمجھ لیا جائے۔ کیوں کہ بہت سے ذہنوں میں یا تو یہ تصورات واضح نہیں ہیں یا ان کے بارے میں لاعلمی اور اسلام مخالف تحریروں کی بنا پر کئی شبہات اور الجھنیں ہیں۔

اسلام:

اسلام کے معنی ہیں اللہ کی مرضی کے آگے سر جھکا دینا اور پوری طرح اپنے آپؐ کو اس کے سپرد کر دینا۔ اللہ تعالی کی یہ مرضی اس کے احکام پر چلنے سے حاصل ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان اور ساری کائنات کو پیدا کیا اور ان کی مادی ضرورتیں پوری کیں۔ اسی طرح اس نے انسانوں کی روحانی ضرورتیں پوری کرنے کیلئے ہر زمانے اور ہر قوم میں اپنے رسول بھی بھیجے۔ بعض رسولوں کے ساتھ اس نے کتابیں بھی نازل کی ہیں۔ اللہ کے رسول اور اس کی کتابیں لوگوں کو اللہ کی مرضی اور اس کے احکام بتاتے رہے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ اسلام کی تاریخ دنیا میں اللہ کے پہلے رسول کی آمد سے شروع ہوتی ہے۔ یہ پہلے رسول حضرت آدم علیہ السلام تھے جو پہلے انسان بھی تھے۔ انہیں سے پوری انسانی نسل چلی جو آدمی کہلائی۔ جب جب اللہ تعالے کے احکام بھلا دیئے گئے اور انسان گمراہی میں پڑے اللہ تعالی نے اپنی رحمت وکرم سے ان کی ہدایت کیلئے رسول بھیجے۔ ایک روایت کے مطابق ان

Marfat.com

رسولوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔

ہمارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں۔آپؐ اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید لائے۔اس میں بہت سے رسولوں کا ذکر ہے۔ان میں حضرت نوح، حضرت ادریس، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت شعیب، حضرت لوط، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم اسلام بہت اہم اور یہ سب اسلام کے رسول تھے اور اپنے اپنے زمانہ میں اپنی اپنی قوم کے لئے اسلام کا پیغام لائے تھے۔قرآن مجید میں ان کے دین کو اسلام اور ان کو مسلم کہا گیا ہے۔قرآن مجید ہی میں یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی دین ہے اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے گا وہ اللہ کو قبول نہ ہوگا۔اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے پاس سے جتنے رسول آئے وہ سب اسلام ہی کے رسول تھے۔پھر عقلی اور منطقی طور سے بھی یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے۔جب اللہ واحد (اکیلا) ہے تو اس کے بھیجے ہوئے تمام رسول ایک ہی پیغام اور ایک ہی دین لے کر آئے اور وہ دین اسلام ہے۔

آخری رسول صلی اللہ عیلہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے تمام رسول ایک خاص زمانے اور ایک خاص قوم کی ہدایت کے لئے آئے تھے۔ایسا بھی ہوا کہ ایک وقت میں دو رسول ایک ہی جگہ ہوئے یا دو مختلف مقامات پر، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہیا اسلام دونوں مصر میں فرعون اور بنو اسرائیل کی ہدایت کیلئے بھیجے گئے تھے۔یا حضرات ابراہیم اور حضرت لوط علیہما اسلام دو الگ الگ قوموں کے لیے حضرت موسیٰ کے ایک اور معاصر رسول حضرت شعیب علیہ اسلام تھے جو اپنی قوم کے رسول تھے۔ظاہر ہے کہ وہ جو اسلام لائے تھے وہ ان کی قوم کیلئے تو کافی تھا مگر اپنی جگہ مکمل نہ تھا۔وہ ان کے زمانے اور ان کی قوم کیلئے تھا مگر ہر زمانے اور ہر قوم کے لیے نہ تھا۔

دراصل معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی تخلیق میں اور اس کی ہر چیز میں تدریجی ارتقا (درجہ بدرجہ ترقی) کا اصول رکھا ہے اور وہ رسالت کے ادارہ میں بھی جاری وساری ہے۔ انسانی فہم وشعور آہستہ آہستہ ترقی کرتا رہا ہے وہ رسالت کے ادارے بلکہ پورے دین دھیرے

Marfat.com

دھیرے ہی سمجھ سکتا ہے۔اس لیے رفتہ رفتہ ہر زمانے میں انسانی ذہن کو اس کے معیار کے مطابق تیار کیا جاتا رہا اور جب وہ اس منزل پر پہنچ گیا کہ دین کو پوری طرح سمجھ سکے تو اسلام کو مکمل کر دیا گیا اور اللہ کے آخری رسول کو اس کی آخری کتاب لے کر اس دنیا میں بھیجا گیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو اپنی حدیث میں یوں سمجھایا ہے کہ تمام رسول دین کی عمارت تعمیر کرتے رہے۔اس میں ایک اینٹ کی جگہ بچ رہی تھی۔آپؐ نے وہ آخری اینٹ لگا کر عمارت پوری کر دی۔قرآن مجید نے اس کو یوں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالی کے فرمان کے مطابق میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا کہ اب اس کے بعد کوئی اور دین قابل قبول نہیں۔جب دین کی تکمیل ہو گئی اور اللہ تعالےٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کر لیا تو ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین (آخری رسول) قرار دیئے گئے کہ آپؐ کے بعد قیامت تک کوئی رسول اور نبی نہ آئے گا۔لہٰذا آپؐ آپؐ کا لایا ہوا دین اسلام مکمل ہونے کے ساتھ آفاقی اور ابدی یعنی ہر زمانے کے لیے اور تمام انسانوں کیلئے ہے۔

دین اسلام کے کئی پہلو ہیں:ایک کا تعلق عقیدہ سے ہے اور بنیادی عقیدہ توحید ہے یعنی اللہ تعالےٰ کو ایک الہ و معبود ماننا اور اس کے سوا کسی کہ الہ و معبود تسلیم نہ کرنا۔اسی کے ساتھ دوا اور اہم ترین عقیدت جڑے ہوئے ہیں:اس کے تمام رسولوں پر ایمان رکھنا اور آخرت کو ماننا۔یہ تین بنیادی عقائد اسلام ہیں اور ان کے ضمنی عقیدے بھی ہیں جیسے فرشتوں، کتابوں، تقدیر اور جنت و جہنم وغیرہ پر ایمان رکھنا۔

دوسرا پہلو عبادت ہے اور اس میں بنیادی طور سے چار ارکان اسلام شامل ہیں یعنی صلوٰۃ (نماز) صوم (روزہ رمضان) زکوٰۃ اور حج۔

تیسرا پہلو معاملات سے متعلق ہے یعنی مسلمانوں کا مسلمانوں اور دوسرے انسانوں سے کیسا تعلق ہو اور اسی کے ساتھ اخلاق بھی شامل ہے۔انسانی تعلقات کا باب بہت وسیع ہے۔اس میں سیاست، معاشرت، معاش و اقتصاد غرضیکہ مسلم کا ہر قول و فعل آجاتا ہے۔اسلامی قانون شریعت اسی کے مجموعہ کا نام ہے۔اسی کی تکمیل دین اسلام کی تکمیل کہلائی ہے۔ظاہر ہے کہ وہ

Marfat.com

ناقابل تبدیلی ہے اور قیامت تک کیلئے قائم اور جاری رہنے کیلئے آیا ہے۔

تاریخ:

تاریخ کی تعریف وقت اور مقام کے لحاظ سے بدلتی رہی۔ اس لیے اس پر مورخوں کا اختلافات نظر آتا ہے۔ لیکن یہ اختلافات دراصل تدریجی ارتقاء کے اصول کے تحت تاریخ کے نظریہ کا ارتقاء ہے پہلے یہ سمجھا جاتا تھا اور آج بھی بعض لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ واقعات کو بیان کرنے کا نام تاریخ ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر واقعہ تاریخ نہیں بناتا۔ صرف وہ واقعات تاریخ بناتے یا تاریخ کا حصہ ہوتے ہیں جو اہم ہوتے ہیں اور انسانی زندگی کو کسی نہ کسی طرح متاثر کرتے ہیں۔ خواہ وہ منفی طور سے اسے خراب کریں خواہ مثبت طور سے اس کو بنائیں اور سنواریں۔ اب تک ایسے اہم واقعات کو تاریخ سمجھا اور بیان کیا جاتا رہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ تاریخ کے واقعات تو ہیں مگر تاریخ نہیں۔ مدت تک مسلمانوں نے بھی واقعات کی کھتونی کو تاریخ سمجھا اور اب بھی اکثر مشرقی لوگ یا غیر تاریخ داں یہی سمجھتے ہیں۔

درحقیقت تاریخ نام ہے زمانہ اور ماحول کے حوالہ سے انسان کے مطالعہ کا۔ ایک خاص زمانہ میں انسانوں کے ایک خاص گروہ یا گروہوں نے اپنے ماحول میں کارنامے یا سیاہ کرتوت انجام دیئے اور انہوں نے انسانی زندگی کی گاڑی کو آگے بڑھایا یا پیچھے ڈھکیلا۔ انسانی زندگی کے اس آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کو تاریخ کہا جاتا ہے۔ محض تاریخی واقعات کو بیان کردینا تاریخ نہیں ہے بلکہ ان تاریخی واقعات کی بنیاد پر اس زمانہ اور ماحوال کے انسانی معاشرہ کی بازیافت کرنا یا اس کی صحیح تصویر کشی کرنا تاریخ ہے۔

انسانی سماج کی یہ تصویر کشی یا بازیافت اس طرح ہوتی ہے کہ مؤرخ یا تاریخ داں تاریخی واقعات کو بیان کرتے وقت ان کے اسباب کا پتہ لگائے جو تاریخ بناتے ہیں اور ان کے اثرات کا تجزیہ کرے جو پوری انسانی زندگی پر یا اس کے ایک سماج و معاشرہ پر اثر انداز ہو کر اس کو ایک خاص سمت میں لگا دیتے ہیں۔ لہٰذا مؤرخ کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ تاریخی واقعات جمع کرے، پھر ان کو سچ یا جھوٹ کے ترازوں میں تولے، جھوٹے واقعات کو چھوڑ دے اور صرف سچے

Marfat.com

واقعات کو لے لے۔ان سچے واقعات کے اسباب کا پتہ لگائے کہ وہ کیوں اور کیسے پیش آئے اوران اسباب کا پتہ لگاتے وقت اس کے ذہن میں یہ بات واضح رہے کہ وہ سچائی اورصرف سچائی کی تلاش میں نکلا ہے اوران کوسچائی، ایمان داری اور عملی معروضیت کے ساتھ پیش کرنا ہے۔پھران واقعات کی بناپر وہ اس سماج اور معاشرہ کی تصویر پیش کرے۔

معروضیت کا مطلب یہ ہے کہ تاریخ واقعات کے تجزیہ کے بعد جوتصویر ابھرتی اور جو انسانی زندگی نظر آتی ہے اسے پیش کرے۔ نہ کہ پہلے سے سوچے سمجھے منصوبہ یا اپنے خیال وعقیدہ کے مطابق واقعات تلاش کرے۔اپنی پسند کی تصویر بنائے۔تاریخی واقعات کے تجزیہ میں سب سے مشکل مقام یہیں آتا ہے کہ واقعات کی بتائی ہوئی تصویر پیش کرے یا اپنے عقیدہ، مذہب، تصور، خیال یا منصوبہ کے مطابق اس کو بنائے۔ظاہر ہے کہ اصل تاریخ پیش کرنے میں وہ سچا ہوگا اوراپنی پسند وناپسند کے مطابق پیش کرنے میں وہ جھوٹا ہوگا۔

اسلامی تاریخ:

اسلامی نظریہ تاریخ اور غیر اسلامی تصور تاریخ میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ غیر مسلم مؤرخیں تاریخی واقعات کوغیر جانبدار مانتے ہیں کہ وہ نہ اس طرف جبکہ مسلم مورخین کے نزدیک تمام تاریخی واقعات حق اورسچائی کے طرفدار ہوتے ہیں یایوں کہا جاسکتا ہے کہ ان میں حق وسچائی پر گواہی چھپی ہوتی ہے۔

دوسرا اہم فرق یہ ہے کہ غیر اسلامی تاریخ داں صرف تاریخی واقعات ہی کوتاریخ بنانے یا بگاڑنے والا مانتے ہیں جب کہ اسلامی تاریخ نگاری کا ایک اصول یہ ہے کہ بلاشک اسباب وعلل تاریخی واقعات بناتے ہیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی کا چھپا ہوا ہاتھ اورارادہ بھی ہمیشہ کارفرمارہتا ہے اوروہ بہت سے اسباب وعوامل کی نفی کردیتا ہے۔قرآن مجید اوررسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی آیات واحادیث میں اس ہمیشہ جاری وساری رہنے والے چھپے ہوئے ارادہ الٰہی کا ذکر ملتا ہے۔ورنہ کیا وجہ ہے کہ بہت سے ظاہری اسباب کا نتیجہ الٹا ہوتا ہے۔یا بہت سے واقعات کے اسباب کا پتہ نہیں چلتا۔ظاہر ہے کہ انسانی ہاتھ کے بنائے ہوئے تارخی واقعات

Marfat.com

کے علاوہ کچھ بلکہ بہت سے "قدرتی اسباب ہوتے ہیں اور ان قدرتی اسباب میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ارادہ کام کر رہا ہوتا ہے۔

مشہور مسلم مورخ ابن خلدون (۸۰۸.....۷۳۲ھ/۱۴۰۶.....۱۳۳۲) نے اپنا جو فلسفہ تاریخ پیش کیا ہے اس میں یہی قرآنی / اسلامی فلسفہ تاریخ نمایاں ہے۔ اس کے نزدیک ٹھوس واقعات تاریخ کا "ظاہر" ہیں۔ اُن کے پیچھے تاریخ کا "باطن" چھپا ہوا ہے۔ ظاہری واقعات باطنی واقعات سے مل کر تاریخ بناتے ہیں اور ان دونوں کا جب تک ملا کر مطالعہ نہ کیا جائے صحیح تاریخ کا پتہ نہیں چلتا۔ باطنی واقعات دراصل تاریخ کے اصولوں پر مبنی ہیں اور یہ اصول اللہ کے بنائے ہوئے ہیں اور اس کی مشیت کے تابع ہیں۔

اسلامی تاریخ کا ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ اس کا مطالعہ کس مقصد سے کیا جائے قرآن مجید اور دوسرے اسلامی مآخذ بتاتے ہیں کہ تاریخ کا مطالعہ عبرت و نصیحت کے لیے کرنا چاہئے اس کا مطلب یہ ہے کہ تاریخی واقعات سے انسان کو سبق لے کر اپنی پوری زندگی سنوارنی چاہئے۔ معاشرہ اور سماج کیلئے بھی یہی لازم ہے کہ وہ اللہ کی باغی قوموں کے طرز حیات اور طریقہ کو اپنائے تا کہ اس کو دونوں جہانوں میں بھلائی اور کامیابی عطا ہو۔ وہ صرف دنیا میں کامیاب ہونے کی تمنا نہ کرے بلکہ قرآنی دعا کے مطابق دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی اور نیکی کی آرزو کرے اور اسی کے لئے کوشش کرے۔

اسلامی تاریخ کے کچھ بنیادی تصورات اور نظریات ہیں جو غیر اسلامی تاریخ میں بالعموم نہیں پائے جاتے۔

اول یہ کہ اسلامی تاریخ کا تصور عقیدہ اور دین سے جڑا ہوا ہے بلکہ ابتدائی دور کی تاریخ سراسر دین کی تاریخ ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو اپنے دین اسلام کو جاننے اور سمجھنے کیلئے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنا لازمی ہے۔ اسی طرح وہ اسلامی تہذیب و تمدن کی پہچان اور شناخت کے لئے لازمی ہے۔

غیر اسلامی تاریخ دوسرے معاملہ میں شرکت رکھتی ہے کہ تاریخ ہر قوم و ملت کا آئینہ اور رابطہ ہے، جب تک کوئی قوم اپنی تاریخ سے واقف نہ ہو۔ اس کا رشتہ نہ صرف اس کے ماضی سے

Marfat.com

کٹ جاتا ہے بلکہ وہ زمانے کے اندھیروں میں یوں کھو جاتی ہے کہ نہ تو اسے اپنے آغاز کی خبر رہتی ہے، نہ حال کو ماضی سے روشنی ملتی ہے اور نہ مستقبل اس کی رہنمائی کے بغیر سنور سکتا ہے۔ مسلمانوں کا معاملہ اس سے بڑھ کر ہے۔ اسلامی تاریخ کے علم کے بغیر وہ نہ صرف تہذیبی خلا اور تاریخی جہالت میں جھولتے رہ جاتے ہیں بلکہ اپنے مذہب سے بے گانہ، اپنی شناخت سے ناوقف، اپنے دین سے بے خبر اور اپنے اسلام سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک طرف تو وہ اپنے شاندار ورثہ سے محروم ہوتے ہیں تو دوسری طرف غیر اسلامی اثرات ان پر اس شدومد سے چھا جاتے ہیں کہ دوسری تہذیبوں سے مرعوب اور دوسرے مذہبوں سے خائف ہو جاتے ہیں، ناواقفیت اور دوسرے اثرات کے تحت وہ اپنی تاریخ اور اپنی تہذیب سے شرمندہ بھی رہتے ہیں اور پھر ان کی پوری زندگی خجالت وشرمساری اور دوسروں کی کاسہ لیسی یا نقالی میں گذرتی ہے۔ ان کا مذہب اور دین صرف چند رسوم کا مجموعہ بن کر رہ جاتا ہے ظاہر ہے کہ اس سے زندگی میں صرف منفی رویہ پیدا ہوتا ہے اور اقدام وحرکیت ختم ہو جاتی ہے۔

دوسرے یہ کہ اسلامی تاریخ پوری تہذیب اسلامی کا احاطہ کرتی ہے اس لیے وہ مختلف علوم وفنون کی جامع رابطہ کی کڑی ہے۔ اپنا مطالعہ کرنے والے کو ان تمام علوم وفنون اور ان کے ارتقاء سے واقف کراتی ہے جو مسلمانوں کا دین ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ مختلف علوم وفنون کے درمیان ربط کا کام دیتی ہے۔ قرآن قرآنی علوم، حدیث، فقہ، کلام، فلسفہ، سائنس، طب غرضیکہ تمام وفنون کی تاریخ بیان کر کے ان کے درمیان پائے جانے والے ربط کو اجاگر کرتی ہے۔ مزید یہ کہ وہ سماجی ارتقاء معاشی اداروں اور تہذیبی اقدار بھی واضح کرتی ہے۔

تیسرے یہ کہ مسلم ومومن کو قدم قدم پر اللہ تعالی کی یاد دلاتی رہتی ہے۔ اسے بتاتی رہتی ہے کہ کن کن چیزوں سے بچنا چاہئے اور کن کن چیزوں پر عمل کرنا چاہئے تا کہ دنیا کی ترقی اور آخرت کی بھلائی دونوں مل سکیں۔ اب یہ حقیقت تاریخی واقعات کی روشنی میں تسلیم کی جاتی ہے کہ مسلم دنیا نے جب بھی مادی اور روحانی ترقی کی تو ان کے ہاتھ میں اسلام کا چراغ ہدایت تھا۔ جب تک وہ صحیح اسلامی تعلیمات .....قرآن وحدیث.....کو مضبوطی سے تھامے رہے، انہوں نے دینا میں ہر طرح کی ترقی کی۔ یہاں تک کہ ان کے برابر کوئی قوم نہ رہی اور جب سے انہوں

Marfat.com

نے اسلام کی تعلیمات کو نظر انداز کیا، وہ زوال کے اندھیروں اور ذلت کی رسوائیوں میں برابر گرتے جارہے ہیں۔

چوتھے یہ کہ تاریخ اسلامی کو اسلام کی استقامت اور ترقی کیلئے کام کرنا چاہیئے۔اس کے ذریعہ اسلام کا دفاع کرنا چاہئے کہ یہی تقاضا وہ مسلمانوں سے کرتی ہے۔

پانچویں اسلامی تاریخ آفاقی اور بین الاقوامی رجحانات رکھتی ہے۔ وہ مختلف لسانی جغرافیائی، گروہی، مسلکی طبقات واقوام میں اتحاد وہم آہنگی پیدا کرتی اور پوری نوع انسانی کو ایک رشتہ وحدت میں پروتی ہے جب کہ دوسری تاریخ ان کو مختلف اکائیوں میں تقسیم کرتی ہے۔

اسلامی تاریخ کے بعض اور نظریات وتصورات بھی ہیں جن سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔آخر میں اس سوال کا جواب کہ ہم اسلامی تاریخ کا مطالعہ کس عہد سے کریں ہماری تعریف کے مطابق تو اس کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہونا چاہیئے مگر صحیح تاریخی واقعات اور مصادر کی کمی کی وجہ سے ہم آخری رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے اس کا آغاز کرتے ہیں۔ اس میں ابتدائی اسلامی تاریخ کے بنیادی نکات بھی آجاتے ہیں۔ چوں کہ تمام اسلامی ادوار میں تاریخ، اسلام کے محور پر گھومتی ہے، اس لیے وہ اسلامی تاریخ کہلاتی ہے۔ بغیر اسلام کے نہ تو انسان مسلمان ہے اور نہ تاریخ اسلامی ہے۔

تہذیب وتمدن:

تہذیب وتمدن یا ثقافت کی تعریفوں اور ان میں اختلافات سے الجھے بغیر سیدھے سادے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب کوئی انسانی گروہ یا معاشرہ وسماج مذہبی معاشرتی، اقتصادی، سیاسی، علمی، عقلی اور اخلاقی میدانوں میں ترقی کا ایک خاص درجہ حاصل کرلیتا ہے تو اسی کو اس کی تہذیب یا ثقافت کہتے ہیں۔ دراصل سماجی معاشرت اور مجموعی طرز زندگی کو تہذیب وتمدن کہنا چاہیئے۔ اس موضوع کے مطالعہ کے دو اہم پہلو ہیں :اول کسی قوم یا سماج کا نصب العین یا آدرش جیسے انگریزی میں آئیڈیالوجی کہتے ہیں اور دوم مقامی رسوم درواج اور روایات۔

اسلامی معاشرہ کا آدرش ظاہر ہے کہ اسلام ہے۔ اسلام کا مذہبی آدرش اللہ تعالیٰ کا اس

Marfat.com

کے بندوں سے براہ راست تعلق جوڑنا ہے اور یہ تعلق سچے دل سے کلمہ طیبہ کے اقرار اور اس پر خلوص کے ساتھ عمل سے ہوتا ہے۔ یعنی اللہ تعالی کی توحید کا اقرار و یقین کرنا اور حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم کو اس کا آخری رسول و پیغمبر ماننا اور سمجھنا۔ ان دونوں کا عملی مظاہرہ اسلام کے ارکان اور دوسرے تمام احکام اور تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔ معاشرتی یا سماجی لحاظ سے اسلام ایک ایسا نظام قائم کرنا چاہتا ہے جس کی بنیاد مسلمانوں کی اخوت اور احترام پر قائم ہو جس میں اجتماعی عدل وانصاف ہو اور فرد اور ہر گروہ کے بنیادی اور قانونی حقوق کا احترام کیا جائے۔ جہاں ذات برادری، رنگ و نسل، علاقہ و محلّہ اور دوسری تعصب والی تقسیموں کی بنیاد پر کسی کے خلاف امتیاز وسلوک نہ برتا جائے۔

اقتصادی لحاظ سے اسلام دولت کی منصفانہ تقسیم چاہتا ہے۔ وہ امیر و غریب کے فرق کو کم سے کم کرنا چاہتا ہے۔ ان کے تمام طبقات کو ختم کر کے مکمل معاشی مساوات کا تصور قانون اسلام کے خلاف ہے۔ کیوں کہ قرآن صاف کہتا ہے کہ اللہ انسانوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کرتا ہے۔ البتہ وہ امیروں اور مالداروں کے مال میں غریبوں کا حق مقرر کرتا ہے۔

سیاسی اعتبار سے اسلام ایک حقیقی فلاحی ریاست قائم کرنا چاہتا ہے جہاں ہر فرد ہر طبقہ اور ہر گروہ کے حقوق کا خیال رکھا جائے اور سب کو قانون کی نظر میں برابر سمجھا جائے۔ اسلام کی نظر میں کوئی شخص بھی حاکم اعلی سے لے کر معمولی مزدور تک قانون سے بالاتر نہیں ہے۔

علمی اسلامی آدرش رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث شریف میں یوں بیان ہوا ہے کہ حکمت و دانائی کی بات مسلمان کی میراث ہے، اسے جہاں پائے وہ اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ دوسری حدیث میں بتایا گیا کہ علم حاصل کرنا ہر مومن کا فرض ہے۔ اس لیے علمی اور فنی ترقی اسلام کا لازمی تقاضا اور مطالبہ ہے۔ اسلام عقل کے استعمال کے خلاف نہیں بلکہ غور و فکر اور تدبر کو تو قرآن مجید کی آیات تک کے بارے میں ضروری قرار دیا ہے، مگر وہ عقل کو وحی الٰہی یعنی قرآن وحدیث کے ماتحت اور اس کے دائرۂ کار میں استعمال کرنے کا حکم دیتا ہے تا کہ تنہا عقل گمراہی نہ پھیلائے۔ وہ اخلاقی لحاظ سے مسلمانوں کو اس بلند ترین مقام پر پہونچانا چاہتا ہے جہاں ہر کام کی بنیاد تقویٰ (اللہ کے خیال، اس کی محبت اور اس کے خوف) پر ہو۔ نہ صرف

Marfat.com

مسلمان بلکہ تمام شہری اچھے اخلاق والے ہوں۔ اسلامی آدرشوں نے اصول وفروغ وضع کردیئے ہیں۔ انھیں کی روشنی میں اسلامی سماج کے تمام رسوم ورواج اور روایات کو گردش کرنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ کھانے پینے پہننے اوڑھنے، لیٹنے بیٹھنے، شادی بیاہ، میلے ٹھلے، تیوہار وتقریب، جلسہ وجلوس وغیرہ کے مقامی رسوم ورواج ہوتے ہیں۔ اسلام ان تمام رسوم ورواج اور روایات کو ختم نہیں کرتا بلکہ ان کی اصلاح کر کے ان کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھال لیتا ہے، اگر ان اسلامی اصولوں کے خلاف کوئی چیز نہیں تو ان کو اسی طرح قبول کر لیتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے جاہلی رسوم ورواج کو یکسر غارت نہیں کیا تھا بلکہ ان کی اچھی چیز جوں کی توح قبول کر لی تھیں اور برے پہلوؤں کی اصلاح کر دی تھی۔

انھیں دونوں پہلوؤں کے مجموعہ سے زندگی کا جو چلن ابھرتا ہے وہ اسلامی تہذیب ہے۔

Marfat.com

جاہلی عرب

اسلام کی تکمیل اور اس کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کی کارگزاریوں کا علاقہ عرب نام کا ملک ہے۔ اسی بنا پر اسے اسلام کا گہوارہ اور وطن بھی کہا جاتا ہے، وہاں اسلام کا قبلہ وکعبہ اور بہت سے دوسرے اہم آثار ومراکز ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اس ملک کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرلیں۔

عرب کی وجہ تسمیہ:

عرب نام کے بارے میں دو رائیں ہیں: ایک یہ کہ عرب کے معنی صحرا اور ریگستان کے ہیں۔ اس لیے اس ملک کا یہ نام پڑا اور یہاں کے باشندوں نے بھی اپنا یہی نام قرار دیا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ عرب کے معنی ہیں۔ سب سے زیادہ فصیح وبلیغ بولنے والے، چوں کہ یہاں کے رہنے والے زبان کو سب سے زیادہ فصیح وبلیغ سمجھتے تھے اور خود کو سب سے عمدہ زبان بولنے والا، اس لیے ان کا ملک اور وہ خود بھی عرب کہلائے۔ باقی لوگوں کو انہوں نے عجم کہا یعنی بے زبان وگونگے۔ دوسری رائے زیادہ صحیح نہیں ہے بلکہ پہلی رائے ہی صحیح ہے۔

عربی زبان ولغت کے اعتبار سے اور بعض دوسرے دلائل کے سبب بھی عرب لفظ سے جتنے دوسرے الفاظ بنتے ہیں ان میں صحرا یا ریگستان کا مفہوم ضرور پایا جاتا ہے۔ دوسرے عجم کے صحیح معنی نامعلوم یا غریب واجنبی کے ہیں۔ چوں کہ عرب دوسرے ملکوں کو نہیں جانتے تھے اس لیے ان کا یہ

Marfat.com

نام رکھا۔ پھر عربی زبان کی موجودہ شکل نسبتاً نئی ہے اور کافی بعد میں ترقی کے اس درجہ پر پہنچی ہے۔ اسلام سے چند صدیوں قبل ان کی زبان اتنی ترقی یافتہ نہ تھی عرب اس وقت بھی تھے۔

عرب کا جغرافیہ:

جغرافیائی حالات کا انسان، انسانی تاریخ وتہذیب اور اس کے ارتقاء کے عمل پر بہت اثر پڑتا ہے۔ اس لیے عرب کا مختصر جغرافیہ جاننا ضروری ہے۔

دنیا کے نقشہ پر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب براعظم ایشیا کے جنوبی مغربی کنارے پر واقع ہے اس کو مغرب میں بحراحمر (RED SEA) افریقہ کے براعظم سے علیٰحدہ کرتا ہے افریقہ کے ایک ملک حبشہ (ABYSSINIA) سے عربوں کے پرانے تعلقات تھے جو اولین مسلمانوں کے بھی بہت کام آئے۔ حبشہ سے جانب شمال بحراحمر کے شمالی سرے پر خلیج عقبہ کے سامنے افریقہ کا ایک اہم ترین ملک مصر (EGYPT) ہے۔ ایشیا میں ملک عرب کے مغرب میں صرف بحراحمر ہے۔

عرب کے شمال میں ملک شام ہے جو اس وقت بازنطینی سلطنت (-EMPIRE BYZANTINE) کا ایک حصہ تھا۔ شمال کے شمال میں ترکی کا علاقہ ہے جو اس زمانے میں بازنطینی سلطنت کا مرکز ہے۔

شام کے مشرق اور عرب کے شمال مشرق میں عراق کا ملک ہے جو اس زمانے کی سب سے بڑی سلطنت ایران کی ساسانی سلطنت (SASSANID EMPIRE) کے ماتحت تھا۔ عرب کے مشرق میں عراق سے ملا ہوا ایران ہے۔ اس کے شمال میں ترکستان یا وسطی ایشا (CEMTRAL ASIA) کا علاقہ ہے جس کی سرحدیں چین کی سلطنت سے جاملتی ہیں۔

ایران کے جنوب مشرقی خلیج فارس (PERSIAN GULF) ہے اور عرب کے اس مشرقی حصہ میں ایران سے ملا ہوا علاقہ بحرین ہے اور اس سے جانب جنوب میں بالترتیب عمان اور ہجر کی چھوٹی چھوٹی بادشاہتیں تھیں۔ عرب کے بالکل جنوب میں بحر ہند (INDIAN OCEAN) ہے۔ اور عرب کی چھوٹی پٹی میں ہجر سے ملا ہوا حضر موت کا وسیع علاقہ ہے۔

Marfat.com

اور بالکل جنوب مغرب میں بحراحمر کے کنارے کے قریب مشہور ملک یمن ہے۔

بحراحمر کے سمندری راستے سے جنوب میں بحر ہند میں ہو کر لوگ سیدھے جنوب میں چلتے تو ہندوستان کے مغربی ساحل اور لنکا وغیرہ تک جانے اور جنوب میں مشرق کی طرف مڑتے تو خلیج فارس میں واقع جزیزوں اور ایران کے مغربی ساحل پر پہنچتے۔

بحراحمر میں سیدھے شمال میں چلتے تو مشرق میں عرب کا مغرب ساحل اور اس کے بندرگاہ پڑتے تھے۔ یہ پورا علاقہ حجاز کہلاتا ہے۔ مغرب میں افریقہ کا مشرقی ساحل اور اس کے سمندری شہر آتے تھے اور آخر میں مصر پہنچ جاتے اور وہاں سے یوروپ کو جاتے تھے۔ عرب کا ملک چوں کہ تین طرف سے سمندر یا پانی سے گھرا ہوا ہے۔ اس لیے عرب اپنے ملک کو جزیرۃ العرب کہتے ہیں گو کہ یہ جزیرہ نمائے عرب (Arbian Pormisula) ہے۔

عرب کی جغرافیائی تقسیم:

ملک عرب کی زمین کو جغرافیائی یا طبعی ساخت کے اعتبار سے کئی حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے مگر مطالعہ کی آسانی کی خاطر ہم اس کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ **ریگستان یا صحرا** (DESERT) عرب کا بیشتر علاقہ ریگستان ہے۔ اس کے دو بڑے حصے ہیں۔ ایک ''ربع الخالی'' کے نام سے جانا جاتا ہے، جو ملک کے جنوبی وسطی حصے میں ہے۔ اور وہ جنوبی پٹی جس میں ہجر، حضر موت اور یمن وغیرہ ہے کو عرب کے مرکزی وسطی علاقے نجد سے الگ کرتا ہے۔

دوسرا نجد کے علاقے میں شمال کی طرف ''النفوذ'' نامی ریگستان ہے۔ ان دونوں ریگستانوں کو ایک سرخ ریتیلی مٹی الگ کرتی ہے جو الدھنا کہلاتی ہے۔ ان کے علاوہ بیچ بیچ میں جا بجا ریتیلے علاقے اور پٹیاں بھری ہوئی ہیں۔ اس طرح بیشتر علاقہ ریگستانی ہے۔

موسم کے اعتبار سے ان کے دو حصے ہیں۔ ایک گرمائی علاقہ (SUMMER ZONE) اور دوسرا سرمائی علاقہ (WINTER ZONE)۔ گرمائی علاقہ میں پانی اور سبزہ موسم گرما میں ہی ہوتا ہے اور سرمائی علاقہ میں پانی اور سبزہ صرف سردی کے موسم میں ہوتا ہے۔

Marfat.com

گرمی میں خالی ہوتا ہے۔

انسانی زندگی پر اس کا اثر یہ پڑا کہ صحرائی یا بدوی جنہیں عام طور سے بدو (BED-OUIN) کہا جاتا ہے۔اپنی زندگی پانی اور سبزہ کے حصول کے لئے سال کے دونوں موسموں میں الگ الگ ان دونوں علاقوں میں گزارنے پر مجبور ہوتے تھے۔

۲۔پہاڑی علاقہ :(HILLY REGIONS)

پورے عرب میں چھوٹے اور متوسط درجہ کے پہاڑی سلسلے بکھرے ہوئے ہیں۔ان میں سب سے مشہور پہاڑ اور پہاڑی سلسلے یہ ہیں: سب سے لمبا سلسلہ جبل السراۃ ہے جو دکھن میں یمن سے شروع ہوکر شام تک چلا گیا ہے۔یمن کے پہاڑ اس کے نام سے معروف ہیں۔مغربی ساحلی پٹی جو غور اور تمامہ کہلاتی ہے۔ جبال الحجاز کا حصہ ہے۔مکہ مکرمہ کا شہر ایسے ہی ایک پہاڑی علاقہ میں واقع ہے۔

پہاڑوں پر زندگی ناممکن ہے البتہ پہاڑوں میں میدان پائے جاتے ہیں اور وہاں پانی اور سبزہ کافی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ان پہاڑی میدانوں میں زندگی گذارنا نسبتاً آسان ہے جیسے طائف کا شہر اور علاقہ ایسے ہی پہاڑی میدان میں واقع ہے۔ان میں زمین زرخیز ہے اور ان میں سونے اور چاندی کی کانیں بھی پائی جاتی ہیں جن سے یہ دونوں معدن نکالی جاتی ہیں۔

۳۔نخلستان:(OASIS)

ریگستان یا ریتیلے علاقوں کے بیچ میں جو سرسبز وشاداب علاقہ یا پٹی ہوتی ہے اسے نخلستان کہتے ہیں۔یہاں پانی کی فراہمی کے سبب سبزہ اور چارہ موجود ہوتا ہے اور انسانی زندگی آسانی سے گزرتی ہے۔عرب کے مشہور نخلستانوں میں مدینہ، خیبر، فدک، وادی القریٰ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔یہاں کاشت کاری اور کھجور کی باغبانی خوب ہوتی ہے۔

۴۔میدانی علاقے:(PLAINS)

عرب میں بہت کم ہیں۔ان میں سب سے اہم یمامہ کا علاقہ ہے جو عراق کے جنوب میں واقع ہے اور کافی زرخیز ہے۔اس میں کافی اناج جیسے گیہوں وغیرہ پیدا ہوتا ہے اور پورے عرب

۹۵۲۶۳

Marfat.com

کومہیا کیا جاتا ہے۔ مکہ کے قریش اسی کے غلہ پر بڑی حدتک انحصار کرتے تھے۔ نجد، یمن وغیرہ میں کافی میدان ہیں۔

عرب کے جغرافیائی حالات کا انسانی زندگی پر بہت گہرا اور مختلف اثر ہوا۔ عرب کے دونوں بڑے ریگستانوں میں اتنی سخت گرمی پڑتی ہے اور ''لو'' یا بادسموم کے ایسے شدید تھپیڑے لگتے ہیں کہ وہاں جینا دشوار ہے۔ اس لیے وہاں آبادی بہت کم ہے۔ البتہ دوسرے ریگستانی علاقوں میں جہاں موسم اتنا سخت نہیں ہوتا انسانی آبادی پائی جاتی رہی ہے مگر پانی کی موسمی فراہمی کے سبب وہاں کی زندگی خانہ بدوش ہے۔ یعنی مستقل گردش میں رہتی ہے۔ موسم سرما کے علاقوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ اور گرمی کے موسم گرمائی علاقوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ اور گرمی کے موسم میں گرمائی علاقوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ لوگ مارے مارے پھرتے ہیں۔ یہی حال بعض میدانی علاقوں میں ہوتا ہے جہاں پانی نہیں ملتا۔ یہ آبادی بدو (اہل البادیۃ) کہلاتی ہے۔

پہاڑی میدانوں اور خاص کر نخلستانوں میں چوں کہ پانی اور کھانا نسبتاً آسانی سے ملتا ہے اس لیے وہاں مستقل آبادی ہوتی ہے جو ایک جگہ جم کر رہتی ہے۔ یہ لوگ شہری یا مہذب (اہل الحضارۃ) کہلاتے ہیں۔

اگرچہ عرب ہونے کے ناطے ان کی بنیادی خصوصیات یکساں ہیں۔ تاہم جغرافیائی اختلافات نے ان کے سماجی، اقتصادی اوتہذیبی زندگی میں کافی فرق پیدا کردیا ہے۔

عرب کے باشندے: (سامی قوم)

عرب قوم کے سامی اقوام (SEMETIC) یا بنو سام کا ایک جزو سمجھا جاتا ہے۔ مورخین اور علمائے انساب (GENEALOGIST) کا اس معاملہ پر اختلافات ہے کہ یہ نسلی (RACIAL) تقسیم ہے یا لسانی (LINGUISTIC)

نسلی نظریہ:

قدیم علماء اور مورخین یہ مانتے آئے ہیں کہ عرب سام کی اولاد ہیں جو حضرت نوح علیہ

Marfat.com

اسلام کے فرزند تھے۔اس نسلی نظریہ کے مطابق انسانی آبادی حضرت نوح علیہ السلام کے تین فرزندوں سام، حام اور دریافت سے چلی۔

لسانی نظریہ:

جب کہ جدید علماء اور ماہرین کا خیال ہے کہ عرب لوگوں کو سامی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سامی زبان .....عربی..... بولتے ہیں۔ ماہرین لسانیات کے نظریہ کے مطابق سامی زبانوں کے خاندان میں عربی سب سے جدید اور ترقی یافتہ زبان ہے۔اس لسانی خاندان میں جو اہم ترین زبانیں شامل ہیں وہ یہ ہیں۔۱۔اشوری،۲۔ہیبلونی،۳۔عبرانی،۴۔آرامی،۵۔عربی اور۶۔حبشی۔

لسانی نظریہ کے دلائل:

لسانی بنیاد پر سامی قوم کی تشکیل وترقی کا نظریہ انیسویں صدی میں پیدا ہوا۔اس طرح کے کئی اسباب وبنیادیں ہیں: اول یہ کہ سامی زبانوں کا مطالعہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ سب آپس میں ملتی جلتی ہیں اور یکساں خصوصیات اور تشکیلی عناصر رکھتی ہیں۔

دوم یہ کہ جب ان زبانوں کے بولنے والوں کے تمام سماجی اداروں یعنی رسوم وروایات، مذہبی عقائد، اور جسمانی خدوخال کا گہرا تجزیہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ آپس میں بہت مشابہ ہیں۔اس سے یہ معلوم ہوا کہ لسانی مماثلت دراصل ان کی قدیم رشتہ داری کی وجہ سے ہے۔

ان کی یکسانیت کے اہم اوصاف یہ ہیں کہ ان تمام زبانوں کے بولنے والوں میں گہرا مذہبی جذبہ پایا جاتا ہے۔ان کا تصور وخیال بہت واضح ہوتا ہے ان سب میں نمایاں انفرادیت ہوتی ہے اور بہت واضح حساسیت ملتی ہے۔

اس بنا پر یہ نتیجہ نکالا گیا کہ ہیبلونی، اشوری، کنعدانی، اموری، آرامی۔فونیقی یہودی، عرب اور حبشی کسی زمانے میں ایک ہی خطہ میں رہتے ہوں گے اور ایک ہی قوم ہوں گے۔

سامی قوم کا اصلی وطن:

سامی نسلوں کے اصلی وطن کے بارے میں مؤرخین کے درمیان اختلافات رہا ہے جس

Marfat.com

کے سبب ان کے تین اہم نظریات ہیں:

اوّل وہ لوگ ہیں جو سامی اور لوگوں کے درمیان وسیع لسانی رشتہ داری کی بنا پر خیال کرتے ہیں کہ ان کا اصلی وطن مشرقی افریقہ تھا۔

دوم وہ مؤرخین ہیں جو تورات وانجیل کی آیات سے متاثر ہو کر یہ سمجھتے ہیں کہ جزیرۂ عراق (MESOPOTAMIA) ان کا اصلی وطن تھا۔

سوم سب سے مقبول و پسندیدہ نظریہ ہے کہ جزیرۂ عرب سامی لوگوں کا اصل وطن تھا اور اس میں بھی سب سے پہلے جنوبی عرب کا ساحلی علاقہ۔

ان تینوں میں آخری نظریہ آج کل زیادہ مقبول اور صحیح سمجھا جاتا ہے۔ کیوں کہ پہلے دو نظریات میں خاصا جھول ہے۔ جزیرۂ عراق کو سامی وطن اصلی ماننے میں یہ قباحت ہے کہ اس میں پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دریاؤں کے کنارے کھیتی باڑی کرنے والے لوگوں نے اپنا علاقہ چھوڑ کر بدویانہ زندگی اور صحرا اختیار کر لیا۔ یہ تہذیبی ترقی کے اصول کے خلاف ہے کیوں کہ پہلے منظم زندگی بدری تہذیب ہوتی ہے پھر وہ ترقی کر کے کاشتکاری پر مبنی تہذیب ملتی ہے۔ دوسرے نظریہ میں بھی بہت سے مسائل ہیں۔ اس بنا پر آخری نظریہ سب سے زیادہ صحیح سمجھا جاتا ہے۔

سامی لوگوں کا پھیلاؤ:

جزیرۂ نمائے عرب میں رہنے اور سکونت کے لائق اس کے ساحلی مقامات یا پٹیاں ہیں۔ خاص کر جنوبی پٹی جو زیادہ چوڑی ہے۔ وہاں ایک خاص حد تک ہی آبادی رہ سکتی ہے جب آبادی ایک خاص حد سے آگے بڑھی اور اس کے وسائل آبادی کی ضروریات پوری نہ کر سکے تو فاضل آبادی نے دوسرے قابل رہائش علاقوں کا رخ کیا۔ ایک طرف سمندر سے اور دوسری طرف صحرا سے گھرے ہوئے ہونے کے سبب لوگ صرف مغربی پٹی کے ذریعہ ہی دوسرے علاقوں کو جا سکتے تھے اور بالآخر ایسا ہی ہوا۔ اس راستے پر وہ شمالی عرب کے قابل رہائش علاقوں سینا کی پٹی اور مصر کے دریائے نیل کی وادی وغیرہ تک مختلف اوقات میں پھیل گئے۔ سامی آبادی نے مختلف اوقات اور زمانوں میں شمالی کی جانب مختلف ہجرتیں کیں یا نقل وطن کیا:

Marfat.com

(۱) ۳۵۰۰ق م میں ان کا پہلا نقل وطن ہوا۔ وہ شمالی مغربی پٹی یا مشرقی افریقہ کے راستے مصر کی حامی قوم پر جا پڑے اور ان سے مل کر تاریخ کی وہ مصری قوم بنائی جو سامی اور حامی مخلوط قوم ہے۔ مصری تہذیب نے انسان کو کئی چیزیں دیں۔ ان میں پتھروں پر مبنی فن تعمیر اور شمسی تقویم ہے۔

(۲) اسی زمانے میں جنوبی عرب کے سامیوں نے ایک اور نقل مکانی کی۔ انہوں نے شمالی علاقوں کیلئے مشرقی راہ اختیار کی اور دریائے فرات و دریائے دجلہ کی وادی میں جا بسے جہاں پہلے سے ایک زیادہ متمدن قوم سومیری آباد تھی۔ سامیوں نے سومیری قوم سے مستقل رہائش خاص کر مکانات بنا کر رہنے کا سلیقہ سیکھا اور اس سے زیادہ کھیتی باڑی اور لکھنے کے فن سیکھے۔ سومیری قوم سامی لوگ تھے۔ ان دونوں قوموں کی نسل سے بیبلونی قوم پیدا ہوئی جس نے مصریوں کے ساتھ مل کر انسانی تہذیب کی ایک اہم بنیاد رکھی۔ انہوں نے فن تعمیر میں محراب (ARCH) اور صندوق نما چھتوں (VAULF) کا گر سکھایا۔ اور ساتھ ہی پہیوں والی گاڑی اور تولنے کے باٹ بنائے اور ناپنے کا طریقہ سکھایا۔

(۳) حضرت عیسیٰ کی ولادت سے تین ہزار قبل سامیوں کا دوسرا نقل وطن ہوا۔ جس نے ہلال اخضر نامی وادیوں کے اموری لوگوں کو جنم دیا۔ اموریوں میں کنعانی اور ساحلوں کے یونانی فونیقی شامل تھے۔ ان فونیقیوں نے دنیا میں پہلی بار لکھنے کیلئے حروف تہجی کے نظام کو ایجاد کیا جس میں ہر حرف یا آواز کے بائیس نشانات تھے۔ یہ دنیا کی عظیم ترین ایجاد سمجھی جاتی ہے جس نے انسانی تہذیب کو خاص ترقی سے ہم کنار کیا۔

(۴) ۱۵۰۰ق م اور ۶۰۰ق م کے درمیان عبرانی لوگ جنوبی شام اور فسلطین پہنچے جب کہ آرامی یا شامی لوگ شمال میں جا بسے تھے۔ عبرانیوں نے دنیا میں پہلی بار توحید الٰہی کا واضح عقیدہ اور حقیقت پیش کی اور یہی عقیدہ توحید اسلام، عیسائیت اور تمام آسمانی مذاہب میں مشترک ہے۔

(۵) ۵۰۰ق م کے قریب نبطیوں (NABATAENS) نے جزیرۂ سینا کے مشرق میں اپنی سلطنت قائم کرلی اور شاندار عمارتیں تعمیر کیں جن میں اب بھی بہت سی بطرا (PETRA) میں موجود ہیں۔ یہ ان کی تہذیب وتمدن کے عروج کا زمانہ تھا۔

Marfat.com

(٦)ساتویں صدی عیسوں میں سامیوں کا آخری نقل وطن اسلام کے پرچم تلے ہوا جب انہوں نے زرخیز ہلال کے علاقے، اعراق وشام فلسطین اور مصر کے فتح کر کے ایک عالمی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ بعد میں اس ریاست کے مغرب میں واقع شمالی افریقہ اور اندلس اور مغرب میں موجودہ ایران وترکستان اور پورے ایشیا پر قبضہ کرلیا۔ جزیرۃ العرب کو سامی نسل کا اصل علاقہ قرار دینے والے مورخین اور ماہرین لسانیات اس آخری سامی ہجرت کو اپنے نظریہ کا سب سے بڑا ثبوت بتاتے ہیں کیوں کہ یہ ہجرت تاریخ کی پوری روشنی میں ہوئی ہے۔

بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ عربوں میں سامی خصوصیات، جسمانی اور ذہنی دونوں کمال درجہ پر پائی جاتی ہیں پھران کے بعد یہودیوں میں ملتی ہیں لیکن عربوں کا مقابلہ کوئی اور نہیں کرسکتا۔

دوسری اہم حقیقت یہ ہے کہ سامیوں کی یہ ہجرتیں تقریباً ایک ہزار سال کے وقفہ سے ہوتی رہیں۔ جب ان کی آبادی نقطہ اعتدال سے بڑھ جاتی تھی تو فاضل آبادی کو دوسرے علاقوں میں کھانا پانی اور دوسری سہولیات کی تلاش میں جانا پڑتا تھا ان کے نقل وطن کی صورت یہ ہوتی تھی کہ پہلے کچھ لوگ روانہ ہوتے، دوسرے ان کے پیچھے پیچھے جاتے اور پھر خاصی بڑی تعداد میں لوگ وطن سے نکل جاتے۔

اس نقل مکانی کی ایک اور خصوصیات یہ تھی کہ بدوی طرز زندگی اور مویشی پالنے والے لوگ اپنی خانہ بدوش زندگی سے ترقی کر کے مستقل رہائش کی تہذیب اپنا لیتے اور مستقل تہذیب والے مقیم لوگ بن جاتے۔ ہجرت کر کے جانے والے جاتے رہے۔ لیکن اصل باشندے اپنے گھروں میں ہی مقیم رہے اور بعد میں انہوں نے ہی اسلامی تاریخ بنائی اور اسلامی تہذیب قائم کر کے پوری دنیا میں روشنی پھیلائی۔

عربوں کی نسلی تقسیم:

دوسری طرف عربوں کی نسلی تقسیم کرنے والے کہتے ہیں کہ ان کی تین نسلیں ہیں:

اول۔ عرب بائدہ:

جو ملک کے اصل باشندے تھے اور اسلام کی آمد سے قبل .....صدیوں پہلے .....ناپید

Marfat.com

ہو چکے تھے ان کو بنو آرام یا آرامی قوم کہا جاتا ہے۔ان میں عاد (اول اور دوم) معین کے عمالقہ، ثمود، طسم وجدلیس، شام وشمالی حجاز کے عمالقہ مشہور نسلیں تھیں۔ان کے علاوہ عبیل، عبد ضخم اور جرہم وغیرہ بھی دوسری نسلیں شامل تھیں۔ان میں سے عاد وثمود کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

دوم۔عرب عاربہ:

جو (قحطان کی اولاد) کہلاتے ہیں اور عرب بائدہ کے بعد وہی عرب کے اصلی باشندے تھے۔ان کا اصل وطن جنوبی عرب کا علاقہ.....یمن، حضر موت وغیرہ.....تھا جہاں سے وہ نقل وطن کر کے وسطی اور شمالی عرب کے علاقوں میں آ کر مدتوں پہلے بس گئے تھے۔ان میں اہم ترین لوگ مدینہ منورہ کے انصار تھے۔ان کے دونوں عرب قبیلے.....اوس وخزرج.....جنوبی عرب کے قبیلے اور قحطانی تھے۔مدینہ کے بعض یہودی قبیلے بھی جنوبی عرب کے تھے۔قدیم زمانہ میں قوم سبا سب سے زیادہ متمدن عرب عاربہ تھے۔عرب قبیلوں میں حمیر، کہلان اور تبع بھی ان ہی سے متعلق تھے۔

سوم۔عرب مستعربہ:

جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اکبر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں تھے اور بنو عدنان کہلاتے تھے۔مغربی ساحلی پٹی.....حجاز.....کے علاقوں اور شہروں میں ان کی اہم بستیاں تھیں۔ہمارے رسول اکرم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ قریش اسی نسل سے تھا۔

Marfat.com

قدیم عرب سلطنتیں

جنوبی عرب خاص کر اور شمال کے زرخیز ہلال کے علاقوں میں بالعموم سامی نسل کے لوگ سب سے پہلے تہذیب سے آشنا ہوئے۔ انہوں نے غیر معمولی ترقی کی۔ اور اپنے اپنے علاقوں میں کئی چھوٹی بڑی سلطنتیں قائم کیں جن میں سے پانچ جنوبی عرب میں اور پانچ شمالی کے جزیرۂ سینا اور اس کے جوار میں تھیں۔

جنوبی عرب کی سلطنتیں :

سلطنت سبا:

قوم سبا کا وطن جزیرۃ العرب مغربی کونہ تھا جہاں آج یمن کا ملک اوعدن کا شہر ہے۔ اس علاقہ کی سرسبزی، سمندر سے اس کی قربت، ہندوستان کے راستے پر فوجی اور تجارتی لحاظ اسے اہمیت حاصل تھی۔ قوم سبا کی محنت وتجارت نے ان کو تہذیب وتمدن کے عروج پر پہنچا دیا۔ ان کے علاقے میں بہت سے مسالے اور خوشبوئیات پیدا ہوتی تھیں جو نہ صرف قیمتی تجارتی چیزیں تھیں بلکہ مذہبی زندگی میں بھی ان کی اہمیت تھی بین الاقوامی تجارت کے ناکہ پر ہونے کے سبب قوم سبا کو مختلف ملکو سے قیمتی اور نادر چیزیں ملتی تھیں۔ جیسے خلیج فارس سے موتی جواہرات، ہندوستان سے کپڑے اور تلواریں، چین سے ریشم، حبشہ سے غلام، ہاتھی دانت کی چیزیں، سونا اور دوسری اشیاء یہ قیمتی سامان تجارت ان کے ذریعہ ہی مغربی ملکوں میں پہنچتا تھا۔

Marfat.com

قوم سباما ہر تجارت پیشہ ہونے کے علاوہ بحری راستوں اور سمندروں سے بھی خوب واقف تھی اوران اسباب سے وہ جنوب وشمال دونوں علاقوں سے بین الاقوامی تعلقات رکھتی تھی

ان اسباب سے قوم سبا نے تاریخ عرب میں پہلی سلطنت قائم کی۔ یہ سلطنت ۷۵۰ ق م سے ۱۱۵ ق م تک قائم رہی۔ شروع میں یہ مذہبی سلطنت تھی جس پر مذہبی سردار (پروہت) حکومت کرتا تھا اوراس کا لقب مکرب تھا۔ان کے کئی بادشاہوں نے اس دوران راج کیا۔اپنے عروج کے زمانے میں سبا کے حکمرانوں نے قرب وجوار کے تمام علاقوں پر بلکہ پورے جنوبی عرب پر قبضہ کرلیا۔انہوں نے اپنی معاصر اور پڑوسی سلطنت معان کے علاقے چھین کران کواپنا باج گذار بننے پر مجبور کردیا تھا۔ شہر مارب کے مغرب میں ایک دن کی مسافت پر ان کا دارالحکومت ''سرواح'' تھا۔

دارالسلطنت کی سب سے اہم عمارت ان کا مندر تھا جوالمقہ یعنی چاند دیونا کا مندر تھا ان کے پرانے کتبات سے ان کے مختلف حکمرانوں کے نام معلوم ہوتے ہیں اوران کی عمارتوں او کارگزاریوں کا پتہ چلتا ہے۔

۶۱۰ ق م سے سلطنت سبا کا دوسرا دور شروع ہوا جو کئی صدیوں تک جاری رہا۔اس دوران سب سے بڑا انقلاب یہ آیا کہ ان کا حکمراں مذہبی اختیارات اور مقام سے محروم ہوگیا اور خالص دیناوی بادشاہ بن گیا۔ سرواح کی جگہ صنعاء شہر اس کا صدر مقام یا پایہ تخت بن گیا۔ صنعاء بین الاقوامی تجارتی شاہراہوں کے سنگم پر واقع تھا۔ دوسرا اہم شہر مارب تھا جو دراصل اپنے بن کی وجہ سے مشہور تھا اور جس کی سد مارب کہا جاتا تھا ویسے مارب شہر میں تین قلعے تھے۔ ''سد مارب'' کچا مٹی کا بند تھا اور وہ اپنے زمانے کا عظیم ترین بند تھا اور اہم انجینر ی شاہکار سمجھا جاتا تھا۔ وہ کئی بار بنا اور کئی بار پانی کے سیلاب سے ٹوٹا۔ اس کے قدیم ترین حصے ساتویں صدی قبل مسیح کے تھے۔اس کے بعض کتبات سے مغلوم ہوتا ہے کہ اس کے بنانے والے سمہلے نیوف (SUMHU,ALAY YANOF)اور اس کا فرزند یثمر YATH,AMER تھے۔ ان کی مرمت کا کام پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں کیا گیا تھا

Marfat.com

سلطنت معان:

سلطنت سبا کی ہم زمانہ اور پڑوسی تھی۔ وہ یمن کے اندرونی علاقہ میں پروان چڑھی جس کو جوف الیمن کہا جاتا ہے اور اپنی ترقی کے زمانہ میں جنوبی عرب کے بیشتر علاقوں پر قابض تھی۔ اس کا صدر مقام قرناؤ تھا جو جوف یمن کے وسط میں واقع تھا، جہاں آج جدید شہر معین پایا جاتا ہے۔ وہ صنعاً کے شمال مشرق میں ہے۔

ان کا مذہبی صدر مقام یثیل (YATHIL) بھی جوف یمن میں تھا جو آج کل براقیش کہلاتا ہے اور وہ مارب کے شمال مشرق میں ہے۔

سلطنت معان کے لوگ وہی زبان بولتے تھے جو قوم سبا بولتی تھی بس معمولی لہجے کا فرق تھا

سلطنت قطبان:

جنوبی عرب کی تیسری بڑی سلطنت تھی۔ ان کا علاقہ عدن کے مشرق میں واقع تھا۔ ان کا صدر مقام تمنع تھا جو اب کہلان کہلاتا ہے۔ یہ سلطنت ۴۰۰ سنہ اور ۴۵۰ سنہ ق م میں موجود تھی اور صرف پچاس سال زندہ رہ سکی۔ اس پر کبھی معان کی سلطنت کا اور کبھی سلطنت سبا کا قبضہ ہوتا رہا۔

سلطنت حضرموت:

اپنے موجودہ نام کے علاقہ میں موجود ہے۔ اور اس کا صدر مقام شبوہ تھا جو سبوتہ کہلاتا تھا۔ یہ سلطنت پانچویں صدی قبل مسیح سے پہلے سے پہلی صدی عیسوی کے آخر تک جاری رہی۔ سلطنت قطبان کی مانند وہ کبھی سلطنت سبا کی اور کبھی سلطنت معان کی محکوم رہی۔ قدیم عرب ان سلطنتوں کے بارے میں کچھ نہ جانتے تھے۔

سلطنت حمیر یا حمیری سلطنت:

سنہ ۱۱۵ ق م سے یہ پورا علاقہ حمیر قبیلہ کی سلطنت کا ماتحت بن گیا۔ یہ لوگ جنوب مغرب کے علاقے کے رہنے والے تھے۔ ان کی تہذیب کو حمیری کہا جاتا ہے۔ اگر چہ ان کا شاہی خطاب یا لقب شاہ سبا اور ذو ریدان برقرار رہا۔ ریدان ہی بعد میں قطبان کے نام سے معروف ہوئے۔

Marfat.com

یہ پہلی حمیری سلطنت کی ابتدا تھی جو تقریباً ۳۰۰ء تک جاری رہی۔

حمیری قوم سبا کے قریبی رشتہ دار یا اولاد تھے اور اپنی نسل وقوم کے نئے نمائندے وہ سبا اور معان دونوں کی تہذیب وتجارت کے وارث بنے تھے۔ ان کی زبان بھی وہی تھی۔ ان کے کتبات سے اندازہ ہوتا ہے کہ زراعت میں انھوں نے کافی ترقی کی تھی کیوں کہ ان کے تعمیر کردہ بندوں۔ کنوؤں اور نالیوں کا بہت ذکر ملتا ہے۔ ظفار حمیری سلطنت کا دارالحکومت تھا جس نے سب کے مارب اور معان کے قرناؤ کی جگہ لے لی تھی۔

اس دور کا ایک اہم واقعہ عرب پر روم کا حملہ ہے۔ اور دوسرا واقعہ یمن وحضرموت کے عربوں کا حبشہ میں کش سلطنت کا قائم کرنا ہے۔ یہ سلطنت اکسوم کے نام سے معروف ہے۔ اس کے قیام کے بعد سامی عربوں اور مقامی نیگروں میں نسلی اختلاط ہوا۔ حمیری سلاطین نے بدوی عرب قبیلوں کے حملوں سے بچنے کیلئے کئی مضبوط قلعے بھی تعمیر کیے تھے۔ جن میں غمدان کا قلعہ بہت مشہور تھا۔ وہ بیس منزلہ عظیم الشان قلعہ تھا۔

حمیری سلاطین نے سونے چاندی اور تانبے کے سکے بھی چلائے تھے جن پر ان کی تصاویر ہوتی تھیں اور دوسری ''الو'' یا ''بیل'' کی شبیہہ ہوتی تھی۔ حمیری سماج قدیم قبائلی نظام، ذات پات کے طریقہ اور جاگیردارانہ اشرافیہ کی ملی جلی خصوصیات رکھتا تھا۔ جس میں بادشاہت بھی شامل تھی۔ حمیری سلطنت کے ہاتھوں میں جب تک تجارت رہی وہ قوت کے مالک رہے لیکن بعد میں ان کو دوسری قوموں کے لئے جگہ خالی کرنا پڑی۔

۳۰۰ء میں دوسری حمیری سلطنت قائم ہوئی جو تہامہ کے علاقہ تک وسیع تھی۔ اس دوران ۳۴۰ء تا ۳۷۸ء میں حبشی حملہ کے نتیجہ میں ایک حبشی حکومت قائم رہی۔ پھر حمیریوں نے اپنی سلطنت دوبارہ قائم کرلی جو ۵۲۵ء تک جاری رہی۔ کتبات سے اس دور کے نو حمیری بادشاہوں کے نام معلوم ہیں جو تبع کہلاتے تھے۔ ان میں شمر یرعش اور ابوکریب اسعد کامل بہت مشہور تھے۔ وہ عظیم فاتح بھی تھے۔ موخرالذکر نے یہودیت اختیار کرلی تھی۔

شمالی عرب، کی سلطنتیں:

Marfat.com

جنوبی عرب کی بعض سلطنتوں کی مانند شمال میں بھی کچھ بادشاہتیں عرب قبیلوں نے قائم کرلی تھیں:

نبطی سلطنت:

ان میں سب سے اہم تھی۔ اس کی سب سے بڑی طاقت تجارت تھی۔ بلکہ یہ تمام سلطنتیں تجارت ہی کے بل بوتے پر قائم تھیں اور وہ اپنے آغاز یا ترقی دونوں کے کسی مرحلہ میں بھی فوجی طاقت نہیں رہی تھیں نبطی سلطنت سب سے پہلے قائم ہوئی تھی۔

چھٹی صدی قبل مسیح میں نبطی یا الانباط اردن کے علاقے سے آکر ادومی (EDOMITES) کے علاقے میں آبسے اور پھر ان سے بطراء (PETRA) چھین لیا۔ رفتہ رفتہ نبطیوں نے اپنے دارالحکومت کے اردگرد کے علاقوں پر قبضہ جمالیا۔ ان کا صدر مقام ایک سطح مرتفع پر واقع تھا جو تین ہزار فیٹ بلند تھی۔ چوتھی صدی قبل مسیح خاتمہ سے لے کر چار سو سال تک ان کا دارالحکومت سلطنت سبا اور بحر روم کے درمیان ہونے والی تجارت کا سب سے اہم مرکز بنا رہا۔ وہ پہلی صدی عیسوی میں دولت مندی اور خوشحالی کے اوج کمال پر پہنچا۔

نبطیوں نے اتنی طاقت پیدا کرلی تھی کہ غیر ملکی حملہ آوروں کے معتدد حملوں کو پسپا کردیا پہلے وہ یونانی سلطنت کے زیر اثر تھے پھر وہ رومیوں کے حلیف بن گئے۔ بادشاہ حارثہ (۶۲-۸۷ ق م) نے پہلی بار سکے جاری کئے۔ رومی شہنشاہ جولیس سیزر نے نبطی حکمراں مالک سے فوجی مدد مانگی تھی۔ نبطی عربی زبان بولتے تھے لیکن ان کا رسم خط آرامی تھا۔ کیوں کہ آرامی ان کی تجارتی زبان ہونے کے علاوہ علمی زبان بھی سمجھی جاتی تھی۔

نبطی لوگ بت پرست تھے اور ان کی سب سے بڑی دیوی ذوالشریٰ تھی۔ رفتہ رفتہ ان کی تجارتی شاہراہ مشرق کی جانب ہٹتی گئی اور اسی کے ساتھ پٹرا کی نبطی سلطنت کا زوال شروع ہوگیا۔ جب کہ تجارتی شاہراہ کے قریب آنے کے سبب پامیریا نے ترقی کی ۱۰۵ء میں رومی سلطنت نے پٹرا پر قبضہ کر کے اس کا خاتمہ کردیا۔

پامیریا یا تدمور کی سلطنت:

Marfat.com

بادیۃ الشام (شامی صحرا) کے درمیان میں ایک عظیم الشان نخلستان تھا جو تدمور یا پامیریا کہلاتا تھا۔ ہندوستان اور جنوبی ایشیا سے تجارتی شاہراہ کے مشرق میں ہٹنے کے سبب اس کی ترقی اور عروج شروع ہوا۔ نبطیوں کی مانند یہ لوگ بھی عمارت سازی کے فن میں طاق تھے اور انہوں نے اپنے عہد عروج میں شاندار عمارتیں بنائی تھیں۔

دو حریف سلطنتوں پارتھیا اور روم کے درمیان واقع ہونے کے سبب پامیریا کو اپنی حفاظت کے لیے ان دونوں کے ساتھ اپنے تعلقات کو متوازن بنانے اور غیر جانبداری کی پالیسی اپنانے کی ضرورت تھی۔ تازہ پانی کی کافی فراہمی کے سبب تجارتی کارواں اس کے علاقے سے ہو کر گزرنے لگے اور مشرقی اور مغربی دونوں علاقوں کی تجارت کے درمیان واقع ہونے کی بنا پر وہ ترقی کرتی گئی۔

پہلی صدی قبل مسیح سے پہلے ہی پامیریا تجارتی مرکز بن گیا تھا۔ پھر جلد ہی وہ رومی سلطنت کے زیر اثر آ گیا۔ ۱۳۰ء اور ۲۷۰ء کے درمیان پامیریا کی خوش حالی اور طاقت عروج پر تھی اس کی بین الاقوامی تجارت اس زمانے میں چین کی سرحدوں تک جا پہنچی تھی۔ اور وہ پٹرا کی صحیح جانشین بن گئی تھی مگر ملکہ زینوبا کے عہد میں ۲۷۲ء کے عہد میں رومیوں نے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ہمیشہ کے لیے اس کو ختم کر دیا۔ پامیری تہذیب صحیح معنوں میں یونانی شامی اور پارستھی اور ایرانی تہذیبوں کا سنگھم تھی۔

سلطنت کندہ:

نجد میں قبیلہ کندہ کی ایک نسبتاً معمولی سلطنت قائم ہوئی۔ یہ قبیلہ بھی جنوبی عرب کا تھا۔ اس کو عرب قبیلہ بنو اسد اور ایران کی ساسانی حکومت کا تعاون حاصل تھا۔ بنو اسد نے ہی اس سلطنت کا خاتمہ کیا اس کا آخری بادشاہ مشہور عرب امرؤ القیس کا باپ حجر تھا۔ بعد میں بنو کندہ نے دومتہ الجندل کے علاقہ میں سلطنت قائم کی۔ دومتہ الجندل ہی اس کا پائیہ تھا۔ اس کا آخری حکمراں اکیدر بن عبدالملک تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی ریاست کا باجگذار بن گیا تھا۔ بعد میں وہ اسلامی ریاست میں مدغم ہو گئی۔ اس کے دوسرے حصہ پر بنو کلب کا قبضہ تھا۔ جو

Marfat.com

عہد نبوی میں مسلمان ہو گیا۔

غسانی سلطنت:

غسانی اگرچہ شمال میں شامی سرحدوں کے پاس آ کر بس گئے تھے لیکن وہ جنوبی عرب کے ایک قبیلہ کے لوگ تھے۔ ان کا پیش رو اور جد امجد یمن سے بھاگ کر حوران اور بلقاء چلا گیا۔ یہ تیسری صدی عیسوی میں مارب کے بند ٹوٹنے کے بعد کا واقعہ ہے۔ جفنہ بن عمرو کو اس سلطنت کا بانی سمجھا جاتا ہے۔

غسانیوں نے شام میں عرب حکومت کا خاتمہ کیا اور اس کی جگہ اپنی سلطنت قائم کی وہ دمشق کے جنوب مشرق میں واقع شہر مارب اور دمشق کی تجارتی شاہراہ پر واقع تھی دھیرے دھیرے غسانی تہذیب وتمدن کے لحاظ سے شامی اور مذہب کے لحاظ سے عیسائی ہو گئے۔ وہ عربی زبان کے ساتھ شام کی آرامی زبان بولنے لگے۔

پانچویں صدی عیسوی کے اواخر میں غسانی حکمراں بازنطینی سلطنت کے زیر اثر آ گئے اور بدوی قبائل کے خلاف ایک دیوار بن گئے۔ ان کا صدر مقام کچھ مدت کے بعد شہر جابیہ بن گیا۔ غسانی سلطنت اپنی حریف لخمی سلطنت کی مانند چھٹی صدی عیسوی میں عروج پر پہنچی۔ اس صدی میں حارث بن جبلہ غسانی (۶۹ ۔ ۵۲۹ء) اور منذر سوم لخمی نے عرب تاریخ میں نام پیدا کیا۔ حارث غسانی نے زیادہ تر رومیوں / بازنطینیوں کے لیے جنگیں لڑیں۔ اس کا فرزند منذر اس کا جانشین بنا پھر النعمان حکمراں ہوا۔ بعد میں سیاسی انتشار پیدا ہوا۔ پہلے ایرانی شاہ خسرو پرویز نے اور پھر اسلام نے ان کی طاقت توڑ دی۔ بالآخر خلافت فاروقی میں یہ سلطنت اسلامی ریاست کا حصہ بن گئی۔

لخمی سلطنت:

یمنی قبیلہ تنوخ کی ایک شاخ بنولخم نے دریائے فرات کے مغربی زرخیز علاقے میں سکونت اختیار کی۔ وہ رفتہ رفتہ اس پورے علاقے کے مالک بن گئے۔ حیرہ پہلے خیموں کا شہر تھا جو بعد میں باقاعدہ شہر اور ان کی راجدھانی بن گیا۔ غسانیوں کے برخلاف لخمی سلطنت ایران کی ساسانی

Marfat.com

سلطنت کی ماتحت و باجگذار تھی۔ ان کی زیادہ تر آبادی عیسائی بن گئی تھی۔ روایت کے مطابق مالک بن فہم ازدی اس سلطنت کا بانی تھا لیکن اصل بانی عمرو بن عدی تھا۔ یہ سلطنت تیسری صدی عیسوی کے اواخر میں قائم ہوئی اس کے کم وبیش بیس حکمراں ہوئے جن میں امرو القیس بہت مشہور ہوا اور پھر اس کا جانشین نعمان جس نے ۸ا ـ ۴۰۰ء میں حکومت کی۔ بلا شبہ وہ عظیم حکمراں تھا۔ شاعروں کا سرپرست اور عظیم معمار تھا نعمان کے فرزند منذر کے عہد میں حیرہ کی لخمی سلطنت اپنے عروج پر تھی۔ جس نے چوالیس سال حکومت کی نعمان سوم (۶۰۲ ـ ۵۸۰ء) کے عہد میں حیرہ کی سلطنت کا خاتمہ ہوا اور حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت کے دوران اس پر اسلامی قبضہ ہو گیا۔

Marfat.com

عربوں کا قبائلی، سماجی، اقتصادی اور سیاسی نظام

قبائلی تنظیم:

عربوں کا سماج قبائلی تھا یعنی عرب کے تمام باشندے بہت سے قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اور وہ سب ایک دوسرے کے خون کے رشتہ دار تھے۔ قبائلی نظام خون کے رشتہ پر مبنی تھا۔ باپ کی طرف سے سلسلہ چلتا تھا اس لیے پدری (PATERNAL) نظام تھا جو ماں کے قبیلہ ہمیشہ اچھے تعلقات رکھتا تھا۔ ہر بڑا قبیلہ اپنے تمام معاملات میں آزاد و خود مختار تھا۔ عام طور سے بڑے قبیلہ کی آبادی پانچ چھ ہزار انسانوں پر مشتمل ہوتی تھی۔

بعض بڑے قبیلے آٹھ دس ہزار تک آبادی والے تھے جیسے قریش، ہوازن اور غطفان وغیرہ متوسط درجہ کے قبیلہ کی آبادی تین چار ہزار اور چھوٹا قبیلہ بالعمول پانچ سو سے پندرہ سو افراد کی آبادی پر مشتمل ہوتا تھا۔

بعض دوسرے قدیم سماجوں کی مانند قبائلی نظام میں بھی طاقت و سماجی عزت کا دارو مدار تعداد یا عددی قوت پر ہوتا تھا۔ جتنی زیادہ تعداد اتنی ہی طاقت اور اتنی ہی سماجی عزت۔ اس لیے ہر قبیلہ اپنی تعداد زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کے دو طریقے تھے۔ اول قدرتی (NATURAL) اور دوسرا مصنوعی (ARTIFCIAL)۔

قدرتی طریقہ یہ تھا کہ ایک مرد بیک وقت کئی کئی عورتوں سے شادی کر لیتا تھا اس کو تعدداز دواج (POLYGAMY) کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اکثر حالات میں ان میں

Marfat.com

سے ہر شخص کی بہت ساری اولادیں ہوتی تھیں۔اس کے علاوہ عربوں میں باندیاں / کنیزیں رکھنے کا رواج (CONCUBINAGE) بھی عام تھا۔یعنی ایک مرد کئی کئی عورتوں کو بطور غلام بازار سے خرید لیتا تھا یا جنگی قیدیوں میں سے عرتوں کو لے کر رکھ لیتا تھا اور ان سے اپنی بیویوں کی طرف تعلقات رکھتا تھا۔ان سے بھی اولادیں ہوتی تھیں۔اس طرح آبادی میں دوگنا چوگنا اضافہ ہوتا تھا۔

مصنوعی رشتے تین قسم کے تھے اور ان کی بنیاد خون کے رشتہ پر نہیں ہوتی تھی بلکہ معاہدہ، دوستی اور تعلق پر تھی۔

اول: حِلْف کا رشتہ: دو یا دو سے زیادہ افراد یا قبیلے ایک دوسرے کے ساتھ دوستی اور باہمی تعاون کا معاہدہ مساوات یا برابری کی سطح پر کر لیتے تھے تو ان کا تعلق حلف کا ہوتا تھا اور وہ ایک دوسرے کے حلیف (جمع خُلَفَاء) کہلاتے تھے جیسے قبیلہ قریش اور قبیلہ کنانہ ایک دوسرے کے حلیف تھے۔یا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی / قریشی نے ابو مرثد غنوی / قیس عیلان کے ساتھ حِلْف کا معاہدہ کیا تھا اور دونوں فرد ایک دوسرے کے حلیف تھے۔

دوم :ولا ء کا رشتہ : عام طور سے ایک کمزور فرد یا قبیلہ ایک طاقتور فرد یا قبیلہ سے دوستی اور تعاون کا معاہدہ کرتا تھا یا کمزور طاقتور کے سایہ میں آجاتے تھے اس کو ولاء کا رشتہ کہتے تھے اور کمزور فرد یا قبیلہ، سرپرست فرد یا قبیلہ کا مولی (جمع موالی) کہلاتے تھے عام طور سے اسے لوگ اپنے قبیلہ یا علاقہ سے کٹ کر کہیں اور جا بستے تھے تو ان کو یہ رشتہ قائم کرنا ضروری ہوتا تھا۔ ورنہ ان کی حفاظت کی ضمانت نہیں دی جا سکتی تھی۔

یہ رشتہ آزاد افراد اور قبیلے بھی کرتے تھے اور آزاد ہونے کے بعد غلام بھی۔غلام عام طور سے اپنے پرانے آقا سے ہی یہ رشتے استوار کر لیتے تھے۔جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کلبی آپؐ کے مولی تھے۔اسی طرح اور بہت سے آپؐ کے موالی تھے۔حضرت سلمان فارسی آزادی کے بعد آپؐ کے مولی بنے تھے۔جب کہ حضرت خباب بن الارت تمیمی آزاد فرد تھے مگر حضرت عتبہ بن غزوان کے مولی تھے اور خود حضرت عتبہ

Marfat.com

قریش کے خاندان بنونوفل کے حلیف تھے۔ بنوامیہ کے موالی کافی مشہور خاندان تھے جیسے قبیلہ اسد اخزیمہ کے خاندان بنوغنم بن دودان وغیرہ۔

سوم: جوار کا رشتہ: جو عارضی ہوتا تھا، اس کے معنی پڑوس کے ہیں اگر کمزور کسی طاقت ور شخص کی پناہ میں عارضی طور پر آجاتا تھا جو جار (پڑوسی = جمع جیران) کہلاتا تھا۔ عبدالمطلب بن ہاشم قریشی نے ایک یہودی تاجر کو اپنا ''جار'' بنالیا تھا۔ طائف کے سفر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچازاد خاندان بنونوفل کے سردار مطعم بن عدی کی جوار لی تھی۔ جب کہ حضرت ابوبکر صدیق نے احابیش کے سردار ابن الدغنہ کی عارضی جوار قبول کی تھی۔ عام طور سے یہ جوار دوسرے خاندان یا قبیلہ کے فرد کو دی جاتی تھی جب کہ اس فرد کا خاندان اس کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لیتا تھا۔

ان تمام مصنوعی رشتوں کے ذریعہ جو لوگ کسی قبیلہ سے تعلق قائم کرتے تھے۔ وہ اسی کے افراد وارکان شمار ہوتے تھے۔ خواہ حنیف ہوں یا مولی یا جار۔ ان مصنوعی رشتہ داروں کو ہر حال میں اپنے سرپرست قبیلوں کا ساتھ دینا پڑتا تھا۔ جنگ و امن دونوں صورتوں میں اس طرح قبیلوں کی عددی قوت میں اضافہ ہوتا تھا۔ دوسری طرف سرپرست قبیلے، خاندان یا افراد اپنے حلفاء موالی اور جیران کی حمایت وحفاظت کرتے تھے۔

قبیلہ کی بناوٹ:

عرب کی قبائلی تنظیم میں سب سے بڑی اکائی (UNIT) ہوتی تھی جب کہ سب سے چھوٹی اکائی شخص / فرد ہوتا تھا۔ چند افراد جو خون کے رشتہ دار ہوں وہ ایک گھرانہ / خاندان (FAMILY) بناتے تھے۔ ایسے کئی قریبی خاندان مل کر ایک خانوادہ / حَی (CLAN) بناتے تھے۔ اور کئی رشتہ دار حی / خانوادے مل کر ایک قبیلہ (TRIBE) بناتے تھے۔ چھوٹے اور متوسط قبیلے عام طور سے ایک ہی علاقہ میں رہتے بستے تھے۔ جب کہ بڑے قبیلے مختلف علاقوں میں اپنی تعداد کی کثرت کے سبب جا بستے تھے۔

قبیلے کی بناوٹ کے دو طریقے تھے: نیچے سے اوپر چلیں تو افراد، خاندانوں اور خانوادوں

Marfat.com

اور قبیلہ اور قبیلہ کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور قبیلہ بڑے سے بڑا ہوتا جاتا ہے۔ لیکن جب یہ قبیلہ بہت بڑا ہو جاتا اور ایک سماجی / قبائلی اکائی کی طرح کام نہ کر سکتا تو اس کے خانوادے قبیلے بن جاتے اور یہ سلسلہ نیچے تک چلا جاتا۔ مثال کے طور پر قریشی کا قبیلہ کافی زمانے پہلے ایک خاندان تھا اور فہر بن مالک کے زمانے تک بنو فہر کہلاتا رہا۔ پھر اس کے خاندانوں، خانوادوں کے افراد کی تعداد بڑھتی گئی تا آنکہ وہ قبیلہ بن گیا جس کے دس بارہ بڑے بڑے خانوادے تھے پھر یہ خانوادے اتنے بڑے ہو گئے کہ خود قبیلے بن گئے۔

ہر خاندان اور ہر خانوادہ کے سردار ہوتے تھے۔ جو عمر، تجربہ اور اپنے اوصاف کی بنا پر چنے جاتے تھے۔ ان کے عہد کا مورثی ہوتا ضروری نہیں تھا مگر اکثر ہوتا تھا۔ قبیلہ کا کوئی سردار انہیں میں سے ہوتا تھا مگر وہ قبیلے کے سارے کام دوسرے تمام سرداروں کے مشورہ سے کرتا تھا۔

اقتصادی نظام:

عربوں کی پوری زندگی جغرافیائی حالات سے متاثر ہوئی تھی لہٰذا ان کو دو بڑے اور متماز حصوں میں بانٹ دیا تھا۔ ایک دیہی / صحرائی آبادی تھی جو بدوی یا بدو (اہل البداوہ) کہلاتی تھی اور دوسری شہری یا مہذب آبادی جو اہل الحضارۃ کے نام سے جانی جاتی تھی۔ ان دونوں کا اقتصادی نظام ان کے سماجی نظام کی طرح کافی مختلف تھا۔

بدو زیادہ تر ریگستانی علاقوں کے باشندے تھے۔ اس لیے وہ خانہ بدوش (MIGRATORY) تھے اور کسی ایک جگہ جم کر نہیں رہتے تھے وہ موسم سرما میں سرمائی خطہ کے مختلف علاقوں میں پانی، کھانے اور چارے کی تلاش میں مارے مارے پھرا کرتے تھے اسی طرح گرمی میں گرمائی خطوں میں۔

ان کا سب سے بڑا سہارا اور معاشی ذریعہ جانور پالنا (STOCK BREEDING) تھا۔ جن میں بھیڑ بکری اور اونٹ خاص ہوتے تھے۔ اونٹ تو ان کے بہت کام آتا تھا وہ اس کا دودھ پیتے، بالوں سے اون پاتے، جن سے کپڑے کمبل اور خیمے بناتے۔ وہ ان کی سواری کا جانور بھی تھا۔ وہ پانی بھی فراہم کرتا تھا اور کبھی کبھی گوشت بھی دیتا تھا۔

Marfat.com

ویسے ان کی زیادہ تر غذا جانوروں کا دودھ تھا۔ گوشت بھی وہ کھاتے تھے لیکن کم۔ اناج بالکل نہیں کھاتے تھے۔ کھجوریں کبھی کبھی ان کو قافلوں، کاروانوں یا شہروں یا نخلستانوں سے مل جاتی تھیں۔

ریوڑ پالنے کے سوا ان کا دوسرا پیشہ لوٹ مار کرنا تھا جس کو ''رزیہ'' کہتے تھے۔ وہ ان کی سماجی روایات میں برا نہیں بلکہ قابل فخر سمجھا جاتا تھا چنانچہ وہ اکثر کاروانوں اور بستیوں کو لوٹ لیتے تھے۔ کبھی کبھی آپس میں بھی لڑ پڑتے تھے۔ قیدی عورتوں، بچوں اور مردوں کے بدلے میں وہ فدیہ (RANSOM) میں ضرورت کی چیزیں طلب کرتے اور پاتے تھے یا ان کو غلام بنا کر بازاروں میں بیچ دیتے تھے۔

صرف چار مقدس مہینوں .....رجب، ذوقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ..... میں امن رہتا تھا کہ وہ ان میں لوٹ مار نہیں کرتے تھے لیکن ''نسی'' کے قاعدے کے تحت وہ ان مقدس مہینوں کو ادلتے بدلتے رہتے تھے۔ لوٹ مار سے بچنے کیلئے متمدن عرب بدوی قبیلوں سے دوستی کے معاہدے کر لیتے تھے اس کے بدلے میں وہ ان کے کاروانوں کو اپنے علاقوں سے بحفاظت گذرنے دیتے تھے اور عوض میں ضررت کی چیزیں پاتے تھے۔

بدو عربوں کا رہن سہن بڑا سیدھا سادا تھا۔ وہ عام طور سے کمبلوں یا چمڑوں کے بنے ہوئے خیموں میں رہتے ھتے۔ ان کا لباس موٹے اون یا کمبل کا بنا ہوا ہوتا تھا۔ برتن لکڑی کے ہوتے تھے اور وہ بھی معمولی۔ جانوروں کے لیے وہ پانی برسات کے گڑھوں سے حاصل کرتے تھے یا برساتی نالوں سے پاتے تھے۔ اونٹ ان کے جانوروں کے لیے پانی اپنے پیٹ میں رکھتا تھا جسے وہ وقت ضرورت حاصل کر لیتے تھے۔ بارش کے پانی کو وہ چھوٹے چھوٹے تالابوں میں جمع کر لیا کرتے تھے۔ ریگستانوں میں عام طور سے معمولی جھاڑ، خاص کر جھاؤ ہوتی تھی یا معمولی گھاس اور کانٹے دار جھاڑیاں وہ ان کے جانوروں کے چارے کے کام آتی تھیں۔

شہری آبادی: (اہل الحضارۃ)

بدو قبائل کے برعکس شہری متمدن قبائل مستقل طور سے نخلستانوں، دیہاتوں، شہروں وادیوں اور پہاڑوں میدانوں میں رہتے تھے اور نسبتاً مہذب تھے۔ اس کا بینادی سبب پانی،

Marfat.com

کھانے اور بعض دوسری بنیادی چیزوں کی نسبتاً آسان فراہمی تھی۔ ان کا قبائلی نظام بدوّں کی مانند تھا۔ البتہ ان کی سماجی اور خاص کر اقتصادی اور سیاسی زندگی میں کافی فرق تھا۔

شہری اقتصادی نظام:

مستقل سکونت کی تہذیب کی پہلی دین یہ تھی کہ شہری قبائل نے اپنی روزی روٹی کمانے کے ڈھنگ سیکھ لیے تھے اور وہ وبنیادی طور سے چار تھے :(۱)تجارت (۲)زراعت (۳)حرفت (۴)مزدوری۔

جاہلی تجارت:

بعثت نبوی سے کئی صدیاں پہلے عربوں نے تجارت کا فن سیکھا۔ پہلے وہ مقامی تجارت کرتے تھے اور اس کا زیادہ تر انحصار چیزوں کے تبادلہ کے نظام (BARTER SYSTEM)پر تھا یعنی چیز دے کر چیز لینا۔ یہ نظام سکوّں (CURRENCY)کے نظام کے نہ ہونے کی وجہ سے چلا تھا اور سکہ نظام کے آنے کے بعد بھی چلتا رہا کیوں کہ سکے آسانی سے دستیاب نہ تھے اور نہ عرب میں ڈھالے جاتے تھے۔

شروع میں خوانچہ فروشی (VENDING) یعنی محلّہ محلّہ گھوم گھوم کر چیزیں بیچنے کا رواج رہا پھر بازاروں کا سلسلہ شروع ہوا جو ہفتہ میں ایک دو یا تین دن لگتے تھے اور بڑے شہروں میں روزانہ لگتے تھے۔ اس کے بعد مستقل دوکانوں کا سلسلہ قائم ہوا۔ یہ مقامی تجارت کے طریقے تھے۔

ملک کے مختلف حصوں میں بازار لگنے کا سلسلہ شروع ہوا تو تاجروں نے ان میں جانا شروع کیا۔ اس کا آغاز اور ارتقاء دارصل حج کے دنوں میں مکہ مکرمہ اور اس کے آس پاس کے علاقے میں بازاروں کے لگنے سے ہوا۔ پھر تو یہ بازار سال بھر ملک کے مختلف علاقوں میں لگنے لگے۔ وہ سال کے شروع میں ماہ محرم سے ایک مقام پر لگنے شروع ہوتے۔ پندرہ بیس دن جاری رہنے کے بعد بازار دوسرے مقام پر منتقل ہوجاتا۔ پھر تیسرے مقام پر یہ سلسلہ سال بھر جاری رہتا۔ یہ بازار ترتیب وار یہ تھے: دومتہ الجندل، المشقر (ہجر میں) صحار (عمان میں) دبا (عمان

Marfat.com

میں)، الشحر (مہرہ میں)، عدن، الراتبہ (حضرت موت میں) جعاشہ، عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز (مکہ کے قریب) منیٰ، مزدلفہ، عرفات (دوران حج) نطاۃ (خیبر میں) حجر (یمامہ میں)۔

رفتہ رفتہ ان بازاروں میں سے سرحدی بازاروں میں پڑوسی ملکوں کے تاجر بھی حصہ لینے لگے اور اس طرح بین الاقوامی تجارت (INTER-NATIONAL TRADE) کی بنیاد پڑی۔ اسی کے ساتھ عرب تاجروں نے بھی بین الاقوامی منڈیوں میں جانا شروع کر دیا۔ یمن وغیرہ کی جنوبی بادشاہتوں اور شمالی بادشاہتوں کے تاجروں نے کافی پہلے بین الاقوامی تجارت میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا جب کہ مرکزی وسطی عرب کے تاجروں نے پانچویں چھٹی صدی عیسوں میں اس کا آغاز کیا اور مکہ کے قریشی تاجروں نے شام عراق، ایران اور حبشہ وغیرہ سے تجارتی تعلقات قائم کر لیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد نے خاص کر اس تجارت کو فروغ دیا۔

بین الاقوامی تجارت کی دو شاہراہیں تھیں: ایک مغربی شاہراہ (WESTERN ROUT) جو مکہ کو جنوب میں یمن سے اور اس کے ذریعہ ہندوستان اور لنکا وغیرہ سے ملاتی تھی اور شمال میں شام اور اس سے اوپر کے علاقوں سے جوڑتی تھی دوسری مشرقی شاہراہ (EASTERN ROUTE) جو مغرب میں حبشہ سے شروع ہو کر مشرق میں بحذ کے راستے عراق اور ایران وغیرہ پر ختم ہوتی تھی۔ اس بین الاقوامی تجارت کی اہم ترین شاہراہ مغربی تھی۔ اس تجارت سے خوشحالی آئی اور بعض برائیاں بھی۔ ان میں سودی تجارت سب سے اہم تھی۔

زراعت:

عرب کے اکثر علاقوں میں تجارت تو ممکن بھی تھی اور دستور بھی لیکن زراعت مشکل تھی کیوں کہ زرخیز علاقے اور پانی کم دستیاب تھا البتہ نخلستانوں، وادیوں، میدانوں اور پہاڑی سطح مرتفع پر کاشتکاری ہوتی تھی اور کھجور کے علاوہ متعدد پھل، سبزیاں اور اناج اگائے جاتے تھے۔ مکہ مکرمہ کے قریب طائف کے شہر اور علاقے میں اچھی خاصی زراعت ہوتی تھی۔ وہاں کھجور اور انگور کے کافی اور بڑے بڑے باغات تھے۔ ان کے علاوہ غلہ، سبزیاں اور پھل پیدا ہوتے تھے۔

مدینہ منورہ میں یہود اور عرب دونوں کے باغات تھے جن میں زیادہ تر کھجور پیدا ہوتی تھی

Marfat.com

کچھ پھل اور سبزیاں بھی کاشت کی جاتی تھیں۔ شہر کے اردگرد کا علاقہ "حرہ" زرخیز لاوا کی مٹی سے بنا ہوا تھا۔ اس لیے وہاں اناج خاص کر جوار اور جو کی خاصی پیداوار ہوتی تھی۔

خیبر، فدک، تیماء اور وادی القریٰ میں یہودیوں کے بڑے بڑے باغات تھے جن میں کافی مقدار میں سبزیاں اور پھل اگائے جاتے تھے۔ ان کے کھیتوں میں کافی مقدار میں جو بھی پیدا ہوتا تھا۔ ایک اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ صرف خیبر میں چالیس ہزار دسق کھجور، پانچ ہزار صاح نوی اور پندرہ ہزار صاح جو کی سالانہ پیداوار تھی۔ شمال مشرقی علاقہ یمامہ، جو بنو حنیفہ کے قبیلہ کا علاقہ تھا، گیہوں پیدا کرنے کا سب سے بڑا کھیت تھا۔ اسے عرب کا اناج گھر (GRAMERY) کہا جاتا تھا اور مکہ مدینہ کو زیادہ تر اسی علاقے سے گیہوں ملتا تھا۔

ان کے علاوہ بھی بعض وادیاں اور علاقے اناج وغیرہ کی پیداوار کے لیے مشہور تھے جنوبی عرب میں یمن وغیرہ میں علاقہ کے اناج کے علاوہ خوشبودار لکڑی، پھل اور سبزیاں پیدا کی جاتی تھیں۔

صنعت وحرفت:

اگرچہ دستکاری کم تھی لیکن بعض دستکاریاں مقامی ضرورت کے علاوہ برآمد کے لیے بھی کافی تھیں۔ ہر شہر، گاؤں اور دیہات میں مقامی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے چھوٹے موٹے دستکار تھے۔ ان میں لوہار، موچی، بڑھئی، اسلحہ ساز، چمڑے کے دستکار، روغن گر، شراب ساز وغیرہ شامل ہیں۔

مکہ مکرمہ میں لوہاری، شراب سازی اور بعض اور دستکاریاں مشہور تھیں۔ مدینہ منورہ کے قبیلہ بنو قینقاع کے یہودی سناری میں شہرت رکھتے تھے اور اسلحہ سازی بھی کرتے تھے۔

طائف کی دو صنعتیں چمڑا سازی اور شراب سازی اتنی وسیع پیمانے پر ہوتی تھیں کہ ان کی پیداوار برآمد (EXPORT) بھی کی جاتی تھی۔ یہی حال ایلہ کی تلواروں کا تھا وہ پورے عرب میں مشہور و مستعمل تھیں۔ یمن میں عمدہ ریشمی اور سوتی کپڑے اور عطریات عربوں کے مختلف قبیلوں کے علاوہ باہر کے ملکوں میں بھی جاتے تھے۔

Marfat.com

مزدوری:

عرب آبادی کا بڑا حصہ جو دولت اور دوسرے وسائل سے محروم تھا۔ اپنے ہاتھوں کی محنت کی روٹی کھاتا تھا۔ ان میں طرح طرح کے مزدور تھے۔ بہت سے لوگ گھریلو نوکروں اور خادموں کا کام کرتے تھے وہ عام طور سے غلام اور کنیز ہوتے تھے۔ آزاد مزدوری کرنے والوں میں کچھ لوگ چرواہے بن جاتے تھے۔ عربوں کی ایک دولت مویشی پالنا تھا۔ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدوری پر مکہ کے لوگوں کی بھیڑ بکریاں اپنے لڑکپن میں چرائی تھیں۔ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی چرواہے کا پیشہ کرتے تھے۔

دیہات وشہر کے خاندان کی اچھی عورتیں نومولود بچوں کو اجرت پر دودھ پلاتی اور ان کو پالتی پوستی تھیں۔ حضرت حلیمہ سعدیہ نے ہمارے رسول اکرم ﷺ کو بچپن میں تقریباً دو سال دودھ پلایا تھا اور پھر مزید تین سال تک آپؐ کی دیکھ بھال کی تھی۔

مکہ، طائف، مدینہ اور خیبر وغیرہ کے باغات میں زرعی مزدوروں کے کام کرنے کا پتہ چلتا ہے۔ خاص کر مدینہ کے اوس وخزرج قبیلوں کے مفلس مرد، عورت اور بچے عرب اور یہودی باغات میں بطور مزدور کام کرتے تھے۔

اسی طرح بہت سے تجارتی مزدور بھی تھے جو بار برداری، جانوروں کے ہانکنے اور دوسرے کاموں کو اجرت پر کرتے تھے۔ غلاموں کو تجارت میں بھی بطور مزدور لگایا جاتا تھا۔

مزدوروں میں مرد، عورت اور بچے سبھی شامل تھے۔ عربی تاریخ میں ان کو عام طور سے عمال ایدیہم (اپنے ہاتھوں سے کام کرنے والے) کہا جاتا ہے۔ ان کی مزدوری بہت معمولی ہوتی تھی اور عام طور سے ان کی ضروریات کیلئے کافی نہیں ہوتی تھی۔

سماجی زندگی:

بدو قبائل کے مقابلہ میں شہری قبیلوں کی سماجی زندگی زیادہ مہذب ومتمدن تھی۔ اس میں ان کے اقتصادی نظام کی لائی ہوئی خوش حالی کو دخل تھا۔ تجارت، حرفت اور زراعت کے سبب ان کے پاس کافی دولت جمع ہوگئی تھی اور بعض بعض تو بہت دولت مند تھے۔ کئی لوگ تو سودی

Marfat.com

کاروبار کرنے لگے تھے۔ان میں مکہ، مدینہ اور طائف وغیرہ کے عرب اور یہودی تاجر دونوں لگے ہوئے تھے۔اس خوش حالی کے سبب ان کا معیار زندگی کافی بلند ہو گیا تھا۔

وہ کچے پکے مکانات میں رہتے تھے جو بڑے اور کشادہ ہوتے تھے۔امیر لوگوں کے مکانات دو منزلہ تک ہوتے تھے۔اوسط درجہ اور غریب لوگوں کے کچے اور چھوٹے۔

ان کی غذا میں دودھ، مکھن، گوشت اناج، کھجور وغیرہ شامل تھیں۔ امیر لوگ گیہوں استعمال کرتے تھے۔جب کہ دوسرے طبقہ کے لوگ جو اور مکا وغیرہ پر گذارا کرتے تھے

اسی طرح امیروں کا لباس عمدہ سوتی اور ریشمی کپڑے کا ہوتا تھا اور دوسرے لوگ موٹے کھردرے کھدر یا اونی کمبل کا بنا ہوا لباس استعمال کرتے تھے۔

ان کے گھروں میں ضرورت اور آسائش کی کافی چیزیں ہوتی تھیں۔ چارپائی یا تخت (سریر) اور گدے، تکیے، لحاف اور کمبل سونے کیلئے ہوتے تھے۔کھانے کے کئی برتن ہوتے تھے اور پکانے کیلئے بھی۔ وہ پتھر، لکڑی اور دھات کے بنے ہوتے تھے۔ گھروں میں دروازے ہوتے تھے جن پر پردے لٹکائے جاتے تھے۔رات میں روشنی کے لئے چراغ جلاتے تھے۔

سواری کیلئے عام جانور اونٹ تھا لیکن ان کے علاوہ خچر، گدھا اور گھوڑا بھی استعمال ہوتا تھا۔ان کی قیمتیں زیادہ بھی ہوتی تھیں اور کم بھی۔آمدنی کے لحاظ سے عرب سماج کے طبقات ان کا استعمال کرتے تھے۔

مشترکہ عرب روایات:

بدوی اور شہری قبیلوں میں رہن سہن کے بعض اختلافات کے باوجود ان میں بہت سی چیزیں مشترک تھیں۔ان کا قبائلی نظام یکساں تھا۔مکہ کے علاوہ ان دونوں کا سیاسی نظام بھی ایک جیسا تھا۔سب سے اہم ان دونوں میں وہ عرب روایات مشترک تھیں۔ جو ان کو عرب بناتی تھیں

ان میں اہم ترین ان کی عربی زبان تھی جو مقامی بولیوں میں بٹی ہونے کے باوجود بطور فصیح زبان یکساں تھی اور پورے ملک میں ایک سرے سے دوسرے تک بولی جاتی تھی۔ان میں ایک عرب نسل ہونے کا گہرا شعور تھا جو ان کو تمام لڑائی جھگڑے کے باوجود اتحاد کی لڑی میں

Marfat.com

پروئے رکھتا تھا۔ان کی قبائلی رسوم وروایات بھی مشترکہ تھیں۔

ان کے نزدیک قبائلی اتحاد سب سے اہم چیز تھی۔فرد اپنے قبیلہ کا ہر حال میں پابند رہتا تھا اور قبیلہ کی عزت وجان کے لیے اپنی آن وزندگی قربان کردیتا تھا۔ زندگی اور مال وآبرو کی حفاظت کیلئے قصاص اور دیت کی روایت اور قبیلہ کی اجتماعی ذمہ داری دوسری اہم سماجی قدر تھی۔

فیاضی وسخاوت اور مہمان نوازی عربوں کی ضرب المثل خصوصیت تھی۔ اس طرح بہادری اور شجاعت ان کا انفرادی اور اجتماعی وصف تھا۔ وفاداری، عہدو وعدہ کی پابندی اور سچ بولنا عربوں کی دوسری امتیازی خصوصیات تھیں۔ باہمی تعاون اور قبیلے والے کی حق اور ناحق میں فوری مدد کرنا ان کے خون میں تھا۔ان کے معاشرے میں امانتداری بھی ایک اہم وصف تھا۔ ایسی ہی اور بعض صفات وخصوصیات تھیں جن میں تمام عرب مشترک حصہ رکھتے تھے۔

ان اقدار وصفات کے مجموعہ کو ''مروّہ'' (اردو میں مروت) کہا جاتا تھا اور جس شخص یا قبیلہ میں یہ اقدار وصفات جتنی زیادہ پائی جاتی تھیں وہ اتنا ہی سماج میں معزز ومحرم سمجھا جاتا تھا۔مروّہ کی مقدار ہی سرداری دلاتی تھی۔عربوں کا شعور نیک وبد بھی زندہ تھا۔وہ اوصاف واقداری کی نہ صرف تعریف وتوصیف کرتے بلکہ ان کو اپنانے کی کوشش کرتے تھے اور اگرچہ خود اپنانے سے قاصر رہتے تو اوصاف وخصائص سے آراستہ افراد وطبقات کا احترام کرتے تھے۔

مشترکہ سماجی برائیاں:

سماجی اقدار عالیہ کے پہلو بہ پہلو بدو اور متمدن عربوں دونوں میں بہت سی سماجی اور اخلاقی خرابیاں بھی پیدا ہوگئی تھیں۔دولت کی بہتات اور غربت وجہالت کی لعنت نے ان میں (1) شراب نوشی عام کردی تھی۔ دوسری برائی جوئے (2) اور قمار بازی کی تھی اور اس کی بہت سی قسمیں تھیں جن میں عرب مبتلا تھے۔ یہاں تک کہ وہ بسا اوقات بیوی بچوں کو جوئے میں داؤں پر لگادیتے تھے۔

(3) بدکاری یا زناکاری اگرچہ ان کے سماج میں موجود تھی لیکن زیادہ عام نہ تھی اور شریف خاندان عام طور سے اس بچے ہوئے تھے۔اسی طرح نومولود لڑکیوں (4) کو زندہ دفن کردینے کی لعنت بعض بعض

Marfat.com

قبائل اور افراد تک محدود تھی اور عام طور سے ان میں بدوی قبائل مبتلا تھے۔ شہری قبائل بڑی حد تک اس سے محفوظ تھے مگر عورت کی عزت انکی سماج میں کم تھی اور اس کو حقوق نہیں ملتے تھے۔

شادی بیاہ میں یہ افراط تھی کہ ایک مرد جتنی بیویاں چاہتا کر سکتا تھا اور بے شمار باندیاں رکھ سکتا تھا۔ نکاح کے دو اور خراب پہلو بھی تھے جو زیادہ عام نہ تھے لیکن بہر حال تھے وہ یہ کہ اپنی سوتیلی ماں سے باپ کے مرنے کے بعد شادی کر لینا اور بیک وقت دو یا زیادہ سگی بہنوں کو نکاح میں جمع کر لینا۔ بعض اور محرمات سے بھی شادی کر لینے کا رواج تھا۔

دولت کی فراوانی اور خوف خدا کی کمی نے عربوں میں کمزور طبقات پر ظلم کرنے اور ان کی استحصال کرنے کی ریت بھی ڈال دی تھی۔ بیوہ، یتیم، بے سہارا، اجنبی اور کمزور عام طور سے ان کے ظلم وستم کا شکار ہوتے تھے۔ کھانے پینے میں حلال وحرام کا تصور نہ تھا۔ جو کچھ جی چاہتا کھا لیتے۔ مردہ جانور، کیڑے مکوڑے، درندے وغیرہ کھا جاتے تھے۔ ان کے علاوہ بھی بعض اور چھوٹی موٹی خرابیاں موجود تھیں اور دونوں عرب طبقوں میں مشترک تھیں۔

ایک اور بڑی مشترک خرابی ان کی مذہبی زندگی میں تھی۔ اگر چہ عربوں میں خاص کر متمدن قبائلی میں اللہ تعالی کا تصور موجود تھا اور دین ابراہیمی کی بعض تعلیمات جیسے روزہ، نماز اور حج کا دھندلا تصور اور ان پر عمل بھی کسی حد تک باقی تھا لیکن عام طور سے ان کی مذہبی زندگی غیر اللہ کی عبادت پر مبنی تھی۔

عربوں میں سب سے زیادہ بت پرستی کا رواج تھا۔ کہا جاتا ہے کہ قبیلہ خزاعہ کے اک سردار عمرو بن لحی نے صدیوں پہلے مکہ میں سب سے پہلے بت پرستی کو عام کیا جو وہ اپنے سفر شام کے دوران سیکھ کر آیا تھا۔ اس نے خانہ کعبہ میں ایک بت لا کر رکھ دیا۔ بعد میں وہاں ہر دن کے لئے ایک بت یعنی تین سو ساٹھ بت رکھ دیئے گئے۔ ان میں ہبل سب سے بڑا تھا اور کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔ قریش مکہ نے اس بت پرستی کو مزید رواج اور مکہ سے تمام عرب میں بت پرستی حاجیوں اور زائروں کے ذریعہ پھیل گئی۔ پھر تو ہر قبیلہ کا الگ الگ بت بن گیا۔ مدینہ کا عرب قبیلے اوس ،خرج منات کو پوجتے تھے۔ طائف کے ثقیف وغیرہ کا قومی بت لات تھا جو نخلہ کے مقام پر نصب تھا۔ غطفان قبیلے کا سب سے بڑا بت غریٰ تھا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت

Marfat.com

سے بت تھے۔

بت پرستی کے سوا وہ سور، چاند، ستاروں کی پوجا یعنی مظاہر پرستی میں بھی مبتلا تھا۔ ان کے مذہبی اوہام میں فرشتوں کا عقیدہ تو تھا مگر وہ ان کو اللہ کی بیٹیاں تصور کرتے تھے اور ان دیوی دیوتاؤں اور خداؤں کو وہ اللہ تعالیٰ سے قربت کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ یعنی وہ ان کی الوہیت مطلقہ کے پوری طرح قائل نہ تھے۔

دین ابراہیمی کے باقیات اور یہودی اور عیسائی طبقات سے تعلق کی وجہ سے وہ رسالت کے عقیدے سے بھی واقف تھے مگر یہ تصور ناقص تھا۔ معاد و آخرت کا تصور ان کے یہاں بالکل ختم ہو چکا تھا۔ ان میں سے بعض قبیلوں میں دہریت والحاد بھی پایا جاتا تھا کہ اسی زمانے کی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔

دین ابراہیم کے باقیات میں ان کے ہاں نماز، روزہ اور حج کا تصور موجود تھا اور عمل بھی اگرچہ وہ خام تھا۔ وہ دوپہر کی نماز ادا کرتے تھے اگرچہ اس کی صورت مسخ کر دی تھی۔ قرش کے ہاں عاشوراء کے روزہ کا بھی رواج تھا۔ زکوٰۃ کا کوئی تصور نہ تھا لیکن خیرات وسخاوت کو اس کی جگہ دیتے تھے حج کے مقدار ارکان ان کے ہاں قائم تھے لیکن ان میں عربوں نے کافی اوہام داخل کر دیئے تھے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دین ابراہیمی کا پیرو کہنے اور سمجھنے کا شعور رکھتے تھے۔

Marfat.com

مکہ اور قریش کا خاص مقام

جنوبی عرب میں شہروں، قصبوں اور متمدن مرکزوں کا ارتقاء کئی صدیوں پہلے ہوا اسی طرح شمال کی بادشاہتوں کے زمانے میں ان کے کئی شہر بڑے ترقی یافتہ تھے مگر مرکزی اور وسطی عرب میں آبادکاری کافی دیر سے شروع ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں اللہ کا گھر.....کعبہ.....روز ازل سے موجود تھا اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہا السلام کے ہاتھوں اس کی تعمیر نو ہونے کے بعد ہر زمانے میں اس کی عمارت موجود رہی مگر مکہ مدتوں شہر نہیں بن سکا۔ کعبہ کے پہلے متولی اور نگہبان اور مکہ کے پہلے باسی بنو جرہم تھے جن سے حضرت اسمٰعیل نے شادی بیاہ کے تعلقات قائم کر کے ایک مستقل آبادی کی شکل دے دی تھی۔ کعبہ کے ساتھ ساتھ چاہ عزم کا بھی اس میں بڑا حصہ تھا کہ پانی زندگی کی جان تھا مگر اس کے بعد بھی مدتوں تک مکہ خیموں ہی کا شہر رہا بستی نہ بن سکا۔

مکہ شہر کی تعمیر:

مکہ مکرمہ کو شہر بنانے اور باقاعدہ مکانات تعمیر کرنے کا سہرا قریش کے ایک سردار قصی بن کلاب کو جاتا ہے۔ وہ پانچویں صدی عیسوی کے اوائل میں گذرے ہیں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تیسویں یا چالیسویں نسل میں اس قبیلہ کے جدامجد عدنان ہوئے اور ان کی دسویں نسل میں فہر ہوئے جن کا خاندان بنوفہر کہلایا اور پھر وہ قریش کے نام سے موسوم ہوا۔ قریش کے معنی پر اختلاف ہے۔ علماء نے اس کے پندرہ معنی بتائے ہیں جن میں سب سے مشہور ہے۔ اتحاد و جمع کرنے والا۔ بعض لوگوں نے سب کو کھا جانے والا غالب رہنے والا بھی بتائیں ہیں۔ قریش کا پہلا لقب فہر کو یا ان کے دادا نضر کو ملا تھا ان کی آٹھویں نسل میں قصی بن کلاب ہوئے۔

Marfat.com

مکہ اور قریش:

قصی بن کلاب بڑے اوصاف کے مالک اور فطری قائد تھے۔انہوں نے قریش کے تمام خانوادوں اور خاندانوں کو متحد کیا، اور اپنے وسیع اثرات کے تحت ان کو کعبہ کے اردگرد مکانوں میں بسایا۔ کچھ قریشی خانوادے اور خاندان کعبہ کے بالکل پڑوس میں بسائے گئے۔ان کا مجموعی نام ''قریش البطائح'' پڑا۔ان میں قصی کے خاندان کے علاوہ بنوتیم، بنومخزوم، بنوعدی نبوجمح اور بنوسہم وغیرہ اہم تھے۔ کچھ قریشی خاندانوں کو کعبہ کے اندرونی حلقہ کے باہر ذرافاصلہ پر بسایا گیا۔ان کا امتیازی نام ''قریش الظواہر'' رکھا گیا۔ان میں نبولوی اور بنوفہر وغیرہ تھے۔ان کی سکونت ورہائش سے ان کے سماجی مقام اور قبائلی وقار کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

مکہ کی تاریخ:

مقدس شہر مکہ مکرمہ کی مختصر سیاسی تاریخ یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی وفات کے بعدان کا خاندان ان کی سسرال .....بنوجرہم..... کے ساتھ مکہ کے اقتدار پر قابض رہا۔ بعد میں بنوخزاعہ اور بنوبکر نے مکہ کی سیاست پر قبضہ کرلیا اور کعبہ کی تولیت وغیرہ سمیت کئی مناصب پر قبضہ کرلیا۔ بنوصوفہ کے پاس صرف ایک عہدہ .....اجازہ.....رہ گیا۔ خزاعہ کے پاس حجابہ اسدانہ، سقایہ، رفادہ اور قیادہ کے اہم مناصب چلے گئے۔اور وہ سچ مچ مکہ کے سیاہ وسفید کے مالک بن گئے۔

قریش کے خاندان کے پاس کوئی طاقت وقوت نہ تھی اگرچہ وہ حضرت اسمٰعیل وحضرت ابراہیم علیہما السلام کے اصلی جانشین تھے۔قصی بن کلاب مکہ سے دور شامی سرحد کے قریب اپنے ننہالی قبیلہ بنوعذرہ میں پلے بڑھے اور جوان ہوکر اپنے آبائی وطن مکہ پہنچے انہوں نے پہلے خزاعی سردار حلیل حبشہ کی بیٹی حبی سے شادی کرکے مکی سیاست میں اثرورسوخ حاصل کیا پھر اپنے ماموؤں کے خاندان بنوعذرہ کی مدد سے مکہ کی سیاست واقتدار کو پوری طرح سے حاصل کرکے بنوخزاعہ کو نکال باہر کیا اور قریش کے خاندانوں کی حکومت قائم کردی۔

Marfat.com

مکہ کی سیاست:

اس میں شک نہیں کہ قصی بن کلاب مکہ مکرمہ کے سب سے بڑے اور بااثر سردار تھے لیکن وہ بادشاہ یا مالک کل نہ تھے۔ وہ مکہ کی سیاست دوسرے سرداروں کے تعاون و اشتراک سے چلاتے تھے۔ ان کے پاس کل پانچ مناصب تھے جن میں ایک کا اضافہ انہوں نے خود کیا۔ انہوں نے مشورہ اور ملاقات کے لئے ایک عمارت بنائی جس کا نام "دارالندوہ" رکھا۔ شہر قبیلہ اور ملک کے معاملات پر تمام اہم سرداروں پر منصب داروں سے صلاح و مشورہ اسی مجلس میں سب کے اتفاق سے کیا جاتا تھا۔ اس گھر کا انتظام بھی انہیں کے پاس تھا۔

باقی عہدوں میں سفارہ اور منافرہ بنوعدی کے پاس تھا۔ قبہ اور اعنہ بنومخزوم کے پاس تھا، دیت و مغارم بنوتیم، ازلام و ایسار بنوجمح اور اموال بنوسہم کے پاس تھے۔ اسی طرح مکہ میں دراصل اشرافیہ حکومت (OLIGARCHY) یعنی قریش کے اشراف کی حکومت قائم تھی جن میں بہر حال قصی کو امتیاز و شرف حاصل تھا اور وہ مکہ مکرمہ اور قریش کے سب سے بڑے سردار تھے۔

قریشی مناصب:

مکہ کی سیاسی حکومت اور قبائلی نظام میں یہ عہدے ہر خاندان میں اسی طرح ہر ایک خاندان کے سرداروں کے پاس منتقل ہوتے رہے۔ زیادہ مشہور روایت کے مطابق قصی بن کلاب نے اپنی موت کے وقت اپنے پانچوں عہدے اپنے بیٹے عبدالدار کو دے دیئے تھے اور پانچ بیٹوں کو محروم کر دیا تھا۔ بعد میں قصی کے دوسرے بیٹے عبد مناف کے فرزندوں نے عبدالدار کے بیٹوں سے لڑ کر دو عہدے حاصل کئے لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

مکہ کی تاریخ کے منصف ازرقی کا بیان زیادہ صحیح ہے کہ قصی نے اپنے چھ عہدوں میں سے تین عبدالدار کو دیئے تھے اور تین عبد مناف کو باقی بیٹے چھوٹے یا نااہل تھے۔ اس لیے ان کو کچھ نہیں دیا۔ عبدالدار کو حجابہ، اسدانہ، لواء اور دارالندوہ دیئے جب کہ عبد مناف کو سقایہ، رفادہ اور قیادہ۔ پھر یہ عہدے قصی کے ان دونوں فرزندوں کے خاندانوں میں چلتے رہے جیسے کہ دوسرے چلتے رہے تھے۔

Marfat.com

عبد مناف نے اپنی موت کے وقت سقایہ اور رفادہ اپنے چھوٹے بیٹے ہاشم کو دیئے اور قیادہ اہم عہدہ بڑے بیٹے عبد شمس کو۔ عبد شمس نے اپنے بیٹے امیہ کو اپنا جانشین بنایا۔ اور امیہ کے بعد ان کا بڑا لڑکا حرب قیادہ کا منصب دار بنا اور حرب سے وہ ان کے بڑے فرزند ابوسفیان کو منتقل ہوا جو عہد نبوی کے معاصر قیادہ کے عہدہ دار تھے۔

دوسری طرف رفادہ اور سقایہ کے عہدوں کی منتقلی اتنی سیدھی نہیں رہی تھی ہاشم کے انتقال کے وقت ان کے تمام فرزند چھوٹے تھے۔ اس لیے سقایہ ان کے بھائی مطلب کو ملا اور رفادہ دوسرے بھائی نوفل کو، پھر رفادہ پہلے تو نوفل ہی کے خاندان میں رہا پھر وہ اور ندوہ دونوں بنو اسد کے حکیم بن حزام نے خرید لیئے۔

سقایہ مطلب سے ان کے بھتیجے اور ہاشم کے فرزند عبد المطلب کو ملا اور ان کے بعد ان کے بڑے فرزند زبیر کو ملا۔ زبیر کے بعد ان کے بھائی ابوطالب کو اور انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی عباس کے حوالہ کر دیا۔ پھر وہ انہی کے خاندان میں چلتا رہا۔ عہد نبوی میں ان عہدوں، ان کے عہدیداروں اور ان کے خاندانوں کی جدول یہ ہے۔

نمبر شمار	منصب	منصب دار	منصب دار کا خاندان	منصب کا مفہوم
1	حجابہ اسدانہ	عثمان بن طلحہ	بنو عبدالدار	کعبہ کی تولیت، کلید کعبہ ان کے پاس رہتی تھی
2	داالندوہ	حکیم بن خزام	بنو عبدالدار / بنو اسد	قومی مجلس دارالندوہ کی تولیت
3	لواء	عامر بن ہاشم	بنو عبدالدار	جنگ و امن میں قریشی پرچم اٹھانے اور رکھنے کے عہدہ دار

Marfat.com

4	رفادہ	حارث بن عامر / حکیم بن حزام	بنونوفل / بنواسد	کعبہ کے حاجیوں اور زائروں کے لئے کھانے کا انتظام کرنا
5	سقایہ	عباس بن عبدالمطلب	بنوہاشم	حاجیوں اور زائروں کیلئے پانی کا انتظام کرنا۔
6	مشورہ	یزید بن ربیعۃ الاسود	بنواسد	قومی مشورہ کا انتظام اور مجلس کی صدرات
7	دیت ومغارم	ابوبکر صدیق بن ابوقحافہ	بنوتیم	قصاص ودیت اور جرمانوں کا فیصلہ کرنا
8	قیادہ	ابوسفیان بن حرب	بنوامیہ	جنگ وامن میں قریشی افواج کے قائد وکمان دار
9	قبہ / اعنہ	ولید بن مغیرہ / خالد بن ولید	بنومخزومی	جنگ میں شہسوار فوج کی قیادت اور خیموں وغیرہ کا انتظام
10	سفارۃ ومنافرہ	عمر بن خطاب	بنوعدی	قبیلوں سے معاملات طے کرنا اور سفارت کاری
11	ازلام والیسار	صفوان بن امیہ	بنوجمح	فال کے تیروں کے متولی اور فال نکالنے کے نگران
12	اموال	حارث بن قیس	بنوسہم	کعبہ میں بتوں کے چڑھاوے کے مال کی حفاظت وتولیت

مکی سیاست کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ صرف عہدے دار ہی کاروبار حکومت وانتظام نہیں چلاتے تھے بلکہ متعدد دوسرے سردار بھی اثر انداز ہوتے تھے بلکہ سچ یہ ہے کہ عہدے تو

Marfat.com

نسبتاً نوجوانوں کو دیے جاتے تھے اور بزرگ اور اقتدار کے اصل مالک سرداران سے بلند ہوتے تھے۔ عہد نبوی کے قریب جن قریشی سرداروں کا سکہ چلتا تھا اور جن کے مشورہ اور فیصلہ کے بغیر کوئی اہم قومی یا قبائلی کام نہیں انجام پاسکتا تھا۔ ان میں اہم ترین سردار تھے۔

زبیر بن عبدالمطلب، ابوطالب بن عبدالمطلب، ابولہب بن عبدالمطلب (بنوہاشم) عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ (بنوعبدشمس) ابواحیحہ، سعید ابن العاص، عقبہ بن ابی معیط اور ابوسفیان بن حرب (بنوامیہ) ولید بن مغیرہ اور حکیم بن ہشام ابوجہل (بنومخزوم) عبداللہ بن جدعان (بنوتیم) العاص بن وائل (بنوسہم) حکیم بن حزام، العاص بن ہاشم ابوالبختری (بنواسد) امیہ بن خلف اور ابی بن خلف (بنوجمح) اخنس بن شریق ثقفی، عاص بن وائل اور حارث بن قیس (بنوسہم)، اسود بن عبدیغوث (زہرہ) اور سہیل بن عمرو (بنوعامر بن لوی) وغیرہ اور دوسرے شیوخ۔ دراصل تمام سرداروں کی مشترکہ حکومت مکہ میں قائم تھی۔ ان میں سے بعض سردار اپنے اوصاف وخصوصیات کی بنا پر نمایاں وموثر مقام حاصل کر لیتے تھے اور یہی اشرافیہ تھی۔

اقتصادی حالت اور تجارت:

مکہ مکرمہ کی اقتصادی حالت زیادہ تر تجارت پر مبنی تھی۔ وہاں کچھ دستکاریاں اور مزدوری پر مبنی پیشے بھی تھے لیکن اقتصادی خوش حالی کا دارومدار تجارت پر تھا۔ یہ تجارت مقامی بھی تھی جس میں پھیری والے۔ دکاندار اور مختلف شہری بازار حصے دار تھے۔ ملک گیر بھی تھی کہ ملک کے مختلف اطراف سے طرح طرح کے تاجر آتے اور مکہ والوں کے لئے سامان ضرورت لاتے تھے جب کہ مکی تاجر عرب کے مختلف حصوں میں جاتے اور ان کے بازاروں میں خرید وفروخت کرتے تھے۔ شہر کے تمام بڑے اور حوصلہ مند تاجر بین الاقوامی تجارت میں بھی حصہ لیتے تھے۔

موسم گرما میں شام اور سردی کے موسم میں یمن کے تجارتی سفر کرتے تھے جن کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ ایلاف کی آیت نمبر 2 میں رحلۃ الشتاء والصیف (سردی اور گرمی کے سفر) کے نام سے آیا ہے۔ وہ بعض اور ممالک سے بھی تجارت کرتے تھے۔ ان میں حبشہ، عراق ایران اور مصر وغیرہ شامل تھے۔

Marfat.com

مکی تجارت کوفروغ دینے میں دو چیزوں کا بڑا ہاتھ تھا۔اول خانہ کعبہ کی موجودگی جس کی زیارت وحج کے لیے سال بھر زائرین کا تانتا لگا رہتا تھا، دوم مکہ دونوں بین الاقوامی تجارتی شاہراہوں .....مغربی ومشرقی.....کے سنگم پر واقع تھا۔ بین الاقوامی تجارت کوفروغ دینے میں اورلوگوں کے علاوہ بنوعبد مناف یعنی عبد شمس، ہاشم، نوفل اور عبدالمطلب نے بڑا حصہ لیا اور بالترتیب حبشہ، شام ایران اور یمن کے ملکوں سے تجارتی تعلقات مستحکم کئے اوران کی حکومتوں سے قریشی تاجروں کے لئے مراعات حاصل کیں۔

مکی تجارت دوطرح سے کی جاتی تھی۔ عام طور سے تاجر اپنا مال لے کر خود بازاروں میں جاتے تھے اور خرید فروخت کیا کرتے تھے۔ دوسرا طریقہ شراکت یا اجارہ کا تھا جس میں مالدار تاجر اپنا مال کسی حوصلہ منداور باصلاحیت تاجر کودے کر بھیجتے تھے اور نفع میں دونوں شریک ہوتے تھے۔ نفع میں شراکت معاہدہ پر مبنی تھی۔ بہت سے بے مال تاجر سود پر مال دار تاجروں سے سامان یا رقم فرض لیتے تھے۔اس کی وجہ سے سودی کاروبار کو مکہ میں بہت ترقی ملی۔

سودی کاروبار کرنے والوں میں عاص بن وائل سہمی، ولید بن مغیرہ مخزومی، عبدالمطلب بن ہاشم ہاشمی، عباس بن عبدالمطلب ہاشمی، عثمان بن عفان اموی وغیرہ کے نام آتے ہیں۔ دولت کی ریل پیل کی وجہ سے بڑے تاجروں اور قابل اعتماد لوگوں کے گھر بینک بھی بن گئے تھے۔ جہاں لوگ اپنا مال واسباب حفاظت کیلئے رکھتے تھے۔ اموی خاندان کے ایک سردار عمرو بن امیہ اسی سبب سے الامین کہلاتے تھے۔خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل الامین کا خطاب مل چکا تھا۔

مکی تجارت میں ہر چھوٹا بڑا شریک تھا۔ جو نہیں جاسکتا تھا وہ اپنا مال دوسرے تاجر کو دے دیتا تھا۔ اس میں معمولی دستکار اور عورتیں بھی حصہ لیتی تھیں۔ مکہ کے بڑے تاجر گھرانے اسی تجارت کے سبب بہت مال دار ہوگئے تھے۔خوش حالی اور مال کے ساتھ ان میں کئی خرابیاں بھی پیدا ہوگئی تھیں۔ جیسے غرور، اکڑ، غریبوں سے نفرت وحقارت، عیش پسندی وغیرہ۔

قریش کی زرعی جائدادیں:

Marfat.com

مکہ مکرمہ میں تو زراعت نہیں ہوتی تھی لیکن مکہ کے قریب طائف کی وادی میں ہوتی تھی۔دولت کے آنے کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ مکہ کے بڑے بڑے تاجروں نے اس وادی میں بڑے چھوٹے باغات لگائے جن میں کھجور انگور وغیرہ جیسے پھل پیدا ہوتے تھے۔شہد کے چھتے لگائے جاتے تھے اور بعض اور زرعی کاروبار کیے جاتے تھے۔ان زرعی جائدادوں سے ان کو بہت آمدنی ہوتی تھی۔

جن مکی تاجروں کی اس وادی اور طائف میں ایسی جائدادیں تھیں، ان میں ولید بن مغیرہ مخزومی، عاص بن وائل سہمی، عتبہ بن ربیعہ اور اس کا بھائی شبیہ، ابوسفیان بن حرب اموی، عثمان بن عفان اموی اور عبدالمطلب ہاشمی اور ان کے بعض فرزند بہت ممتاز تھے۔ایک اموی سردار ابواحیحہ سعید بن عاص کے کئی باغات اور جائدادیں تھیں اور وہ مکہ کے مالدار ترین اور معزز ترین سردار گنے جاتے تھے۔

فوجی طاقت:

دولت کے ساتھ ساتھ مکہ کے قریش پورے عرب میں خاص کر وسطی علاقے میں سب سے بڑی فوجی طاقت بھی تھے۔ان کی اور ان کے حلیفوں کی افواج سب سے بڑی، تعداد میں زیادہ، اسلحہ سے لیس، تجربہ کار اور ماہر فن تھیں۔ان کا مقابل کوئی نہ تھا اور گذشتہ پانچ سو سال سے وہ کسی سے نہ ہارے تھے۔ان کی کوئی باقاعدہ ایسی فوج نہ تھی جیسی آج کل ہوتی ہے بلکہ قبیلہ کے تمام جنگ کے قابل مرد فوجی خدمت انجام دیتے تھے اور جنگ کے وقت سب نکل کھڑے ہوتے تھے۔

بدو قبیلوں میں عرب کا طریقہ جنگ اَلْکَرُّ وَالْفَر (حملہ کرنا اور پلٹ جانا اور پھر حملہ کرنا) تھا۔وہ باقاعدہ جم کر نہیں لڑتے تھے لیکن شہری اور خاص کر قریشی قبیلوں نے منظم جنگ کا طریقہ تَعْبِیَۃ (صف بنا کر جنگ لڑنے کا طریقہ (PITCHED BATTLE) ایرانیوں سے سیکھ لیا تھا۔ان کی فوجی پانچ حصوں میں منقسم ہوتی تھی: مقدمہ (VANGUARD) قلب (CENTRE)، میمنہ (RIGHT WING)، میسرہ (LEFT WING) اور موخرہ

Marfat.com

ساقہ (REAR GUARD) اسی بنا پر اس کو الخمیس (پانچ بازوؤں والی) کہا جاتا تھا۔
ہر بازو پر علم بردار (لواء والے افسر) ہوتے تھے اور ان کے کمانڈر بھی۔ زیادہ تر فوج پیدل (INFANTRY) ہوتی تھی لیکن کچھ حصہ شہسوار (CAVBRY) بھی ہوتا تھا۔ ایک دستہ تیراندازوں کا خاص ہوتا تھا۔ ان کے علاوہ تلوار، ڈھال، نیزہ، خنجر اور تیروکمان ہر سپاسی کے پاس ہوتے تھے پوری فوج کا ایک مرکزی قائد ہوتا تھا جو فوج کو لڑاتا تھا۔ اور سب افسر اس کے ماتحت ہوتے تھے۔

قریشی اوصاف:

قریش کی اصل طاقت اس بنا پر تھی کہ وہ شہر الٰہی کے باسی اور کعبہ کے متولی تھے۔ اس لئے پورے عرب میں ان کا احترام وتقدس قائم تھا۔ وہ گرچہ بت پرست اور مظاہر پرست تھے۔ تاہم ان میں دین ابراہیمی کا کچھ حصہ باقی تھا۔ حج کرانے کے باعث ان کی دھاک پورے عرب پر بیٹھی تھی۔ پھر ان کی دولت وتجارت اور فوجی طاقت نے ان کو مزید طاقت وقار بخش دیا تھا۔

قریش کے دو اہم اوصاف تھے: ایک ان کا باہمی اتحاد وتعاون، دوسرے ان کا حلم وعفو۔ وہ خاندانی اور انفرادی جھگڑوں کے باوجود متحد رہتے تھے۔ خاص کر دشمن کے آگے۔ ان میں تنظیم ومحبت بہت تھی اور ان کا دل بھی بہت بڑا تھا۔ وہ درگذر سے کام لیتے تھے اور خطرات سے بچتے تھے مگر بہادر بھی تھے اور موقعہ آجاتا تو جان پر کھیل جاتے۔ ان کے انہیں اوصاف کی بنا پر پورا عرب ان کا احترام کرتا تھا اور انہی کے سبب ان میں آخری نبی ﷺ پیدا ہوئے۔

Marfat.com

جاہلی تمدن

جاہلی دور میں اگرچہ بعد کے مہذب ادوار جیسا تمدن نہ تھا لیکن ان کا اپنا ایک تمدن ضرور تھا جس کو ہم جاہلی تمدن کہہ سکتے ہیں۔ اس دور میں علوم وفنون کی کوئی ترقی نہیں ہوسکی اور اس کا ایک سبب ہی تھا کہ اسلام سے قبل لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا۔ مکہ جیسے عظیم شہر میں اسلام سے قبل صرف سترہ آدمیوں کے پڑھے لکھے ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ خاص کر لکھا جاننے والے کم تھے۔ اس لیے اس دور میں علوم وفنون میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوسکی لیکن ایسا نہ تھا کہ کوئی علم وفن تھا ہی نہیں۔

فن تعمیر:

جاہلی دور کا سب سے مضبوط و مستحکم تمدنی ارتقاء فن تعمیر کے میدان میں ہوا۔ خاص کر جنوبی عرب اور شمالی عرب کی سلطنتوں کے عہد میں۔ اس میں سب سے عظیم کارنامہ توسدّ مآرب (مآرب کا بند) تھا جو اپنی وسعت کے سبب آج بھی اپنے کھنڈرات کی شکل میں انجینئرنگ کا کمال سمجھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سلطنت سبا کی عمارتیں تھیں۔ ان سے زیادہ شمالی عرب کی عمارتیں خاص کر نبطی سلطنت کی عمارتیں آج بھی اپنی پرانی عظمت کے نشان ہیں۔ بعض دوسرے علاقوں کی عمارتیں بھی ان کے فن تعمیر کا نمونہ تھیں۔ خاص کر خانہ کعبہ۔

سنگتراشی اور مصوری:

متمدن علاقوں خاص کر جنوب وشمال کی سلطنتوں میں سنگتراشی اور مصوری کے دو فنون نے بھی کافی ترقی کی تھی جب کہ مرکزی وسطی عرب میں یہ دونوں ابتدائی حالت میں تھے، وہ اپنی

Marfat.com

عمارتوں کو مجسموں اور بتوں سے سجاتے تھے۔ ان میں افسانوں اور جانوروں دونوں کے مجسمے ہوتے تھے۔ خانہ کعبہ میں رکھے گئے بتوں میں سے اساف ونائلہ کے دو بت ایک مرد عورت کے تھے۔ ان کے علاوہ ان کے دوسرے بت بھی تراشے ہوئے تھے۔ جیسے ہبل وغیرہ۔ متمدن عربوں نے پتھر کی سلوں اور ستونوں پر کتبات کا فن بھی کسی حد تک سیکھ لیا تھا۔

مصوری کا فن بھی زیادہ تر عمارتوں یا کپڑوں سے وابستہ تھا۔ خانہ کعبہ کی دیواروں پر قدیم انبیاء کی تصویریں جو سب کی سب خیالی تھیں۔ بنائی گئی تھیں۔ سلطنت سبا، حمیر، معین اور نبطیوں نے بھی پانے محلوں کو تصاویر سے سجانے کا فن سیکھ لیا تھا جو خاص ترقی یافتہ تھا۔ بعض دوسری عمارتی تصویروں کا ذکر بھی ملتا ہے۔

مصوری کا ایک اور ذریعہ کپڑوں کی صنعت ہے۔ کپڑے بنانے والے استعمال کے کپڑوں کو خاص کر پردوں کو تصویروں سے سجاتے تھے۔ یہ تصویریں ..... مردوں اور عورتوں کے علاوہ جانوروں کی بھی ہوتی تھیں۔

دوسرے علوم وفنون:

جاہلی عرب زندگی گذارنے کے لے بعض دوسری معلومات بھی رکھتے تھے مگر ان کو علوم وفنون کا درجہ دینا مشکل ہے۔ مثلاً وہ زمین کی ساخت، پانی ملنے کے مقامات، مٹی کی قسموں بادلوں اور ہواؤں کو پہچان لیتے تھے۔ ستاروں اور چاند سورج کے اثرات سے بھی کسی قدر واقف تھے۔ پہاڑوں اور نخلستانوں کو جانتے تھے اور صحرا کے تو پردہ ہی تھے لیکن یہ جغرافیہ کا علم نہ تھا۔ البتہ اس کا شعور ضرور تھا۔

اسی طرح وہ اپنے آباء واجداد کے بارے میں بھی کافی معلومات رکھتے تھے۔ خاص طور سے نسب کو محفوظ رکھتے تھے۔ ان کا علم نسب اگر چہ زبانی تھا تاہم کافی ترقی یافتہ تھا۔ ہر قبیلہ میں اس کے ماہرین پائے جاتے تھے جو "نسابہ" کہلاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر، حضرت عقیل اور حماد الراویۃ جاہلی عہد میں بھی ماہرین نسب سمجھے جاتے تھے۔ ان کا تاریخی شعور بہت محدود اور غیر ترقی یافتہ تھا۔ لیکن وہ روایات، قصبہ کہانیوں اور بعض واقعات کے ذریعہ اس کا اچھا شعور رکھتے

Marfat.com

تھے۔اش شعور کی ترقی میں ان کی جنگوں کا خاصا تھا کیوں کہ وہ قبائلی جنگوں (ایام العرب) کو خوب یادر کھتے تھے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ عہد جاہلیت میں ان معلومات کوعلوم وفنون نہیں کہا جاسکتا ان کا اگر کوئی علم تھا تو وہ تھی عربی شاعری اور عربی زبان۔

عربی زبان وادب:

بدو اور متمدن دونوں قسم کے عرب طبقات نے اپنی عربی زبان کوخوب ترقی دی تھی۔اس جاہلی ادب کی عمارت چار چیزوں پر کھڑی تھی یعنی زبان دانی، امثال، قصص اور شاعری۔

عربی زبان پورے جزیرہ نمائے عرب میں بولی اور سمجھی جاتی تھی۔البتہ اس کی دو قسمیں تھیں۔ ایک مقامی بولی جو ہر علاقے میں الگ الگ تھی اور ایک علاقہ کی بولی دوسرے علاقہ میں مشکل سے سمجھی جاتی یا بالکل نہیں سمجھی جاتی تھی۔البتہ فصیح عربی زبان جو لکھی جاتی تھی، وہ ہر گوشہ اور ہر قبیلہ میں سمجھی جاتی تھی اگر چہ قبیلوں میں کافی اختلاف تھا۔خاص کر شمالی اور جنوبی قبیلوں میں۔لیکن یہ اختلاف فہم کی راہ میں حائل نہیں ہوتا تھا سب سے زیادہ صحیح اور فصیح و بلیغ عربی حجاز ونجد کی تھی اور ان میں سے بھی قریش اور ہوازن کے قبیلہ کی زبان ٹکسالی سمجھی جاتی تھی۔

عربی نثر:

بولی جانے والی زبان عربی کے برعکس لکھی جانیوالی عربی زبان یعنی نثر نے زیادہ ترقی نہیں کی تھی یا دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ پڑھنے لکھنے کے فن کی کمی کے سبب عربی نثر کو محفوظ نہیں رکھا جاسکا اور عربی ادب زبانی رہا۔یہی وجہ ہے کہ عربی نثر کے جاہلی نمونے بہت کم ملتے ہیں۔نثری نمونے زیادہ تر عرب خطیبوں کے تقریری ٹکڑوں پر مشتمل ہیں۔ ہر قبیلہ میں یوں تو کئی کئی خطیب ہوتے تھے۔لیکن ہر قبیلہ کا ایک قومی خطیب بھی ہوتا تھا۔قس بن ساعدہ کو عظیم جاہلی خطیب سمجھا جاتا ہے۔سوید بن صامت، زبرقان بن بدر تمیمی عمر بن معدیکرب زبیدی اور اکثم بن صیفی تمیمی، حاحب بن زرارہ تمیمی وغیرہ دوسرے اہم قبائلی خطیب تھے۔

حکمت ودانائی کی باتوں پر مبنی اور سجع سے بھر پور بعض کاہنوں کے جملے اور فقرے بھی ملتے

Marfat.com

ہیں جو عربی نثر کے ابتدائی نمونے ہیں۔ اسی طرح بعض واقعات اور قصوں پر مشتمل عبارتیں عربی ادب کا حصہ ہیں ان میں سب سے اہم امثال ہیں جو مختصر الفاظ میں بہت زیادہ معانی کی ترسیل کرتے ہیں۔ ضرب الامثال اور کہاوت کے لحاظ سے عربی نثر کافی مالدار ہے کہ اس کا بہت بڑا ذخیرہ عربی زبان میں موجود ہے۔

قِصَص (قصوں) کا تعلق زیادہ تر عربوں کی جنگوں (ایام العرب) سے ہے۔ ان کا اصل حصہ تو منظوم ہوتا تھا لیکن ابتدائی حصہ نثر پر مشتمل ہوتا تھا جو اہم واقعات اور قصوں کو محفوظ رکھتا تھا۔ ان میں بکر و تغلب کی طویل جنگوں، غبراء اور داحس اور بعاث و فجار کی جنگوں کے قصے شامل ہیں۔ ان کے علاوہ بعض وصایا (وصیتیں) بھی نثر کے عمدہ نمونے سمجھے گئے۔ جیسے زہیر بن جناب اور ذوالاصبغ العدوانی کو وصیتیں۔

عربی شاعری:

بدوی اور جاہلی تہذیب کی اصل دین عربی شاعری ہے۔ صدیوں تک وہ ترقی کرتی رہی اور پانچویں چھٹی صدی عیسوں میں عروج پر پہنچ گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ جاہلی شاعری کو جو فنی عظمت اور بلندی ملی وہ بعد میں کسی بھی دور کی شاعری کو نصیب نہ ہو سکی۔ اس کا سب سے اہم سبب تو ان کا شاعری سے بے پناہ لگاؤ تھا اور قدرت و فطرت سے ان کی بیکراں قربت۔ ہر انسانی تہذیب کی طرح عربی تہذیب میں بھی شاعری نے نثر سے پہلے ترقی کی اور ان کے قبائلی شعراء نے خون جگر صرف کر کے اس کو ترقی اور عروج کی معراج سے ہم کنار کیا۔ عکاظ وغیرہ کے سالانہ جلسوں اور قبائلی رقابتوں نے بھی اس کو مزید جلا بخشی۔ میلوں اور بازاروں میں شعر و شاعری کے جو مقابلے ہوتے تھے۔ ان کے سبب ہر قبیلہ و علاقہ نے اپنی بہترین صلاحیتوں کو اس کی خدمت میں لگا دیا۔

عربوں کے ہر قبیلہ کا ایک قومی یا قبائلی شاعر ہوتا تھا بلکہ ہر خاندان و قبیلہ میں معتدد اہم شعراء ہوتے تھے اور ان میں سے بہترین قومی شاعر کا اعزاز و مقام حاصل کرتا تھا۔ اس طرح جتنے قبیلے تھے اتنے ہی قبائلی شعراء مگر ان میں سے سات شاعروں کو ان کے بے مثال قیصدوں

Marfat.com

کے سبب سب سے عظیم شاعر قرار دیا گیا۔ ان کے قصیدے اہم شعراء اور ناقدین کے متفقہ فیصلے کے بعد بہترین معلقات، کہا جاتا ہے۔ یہ سات شعراء حسب ذیل ہیں:

۱۔ نابغہ ذبیانی (۶۰۴ء) اصل نام زیاد بن معاویہ تھا اور قبیلہ غطفان کے خاندان ذبیان کا فرد تھا۔ وہ لخمی سلطنت کے حکمران نعمان بن منذر کا درباری تھا۔

۲۔ عنترہ بن شداد عبسی (م ۶۱۵ء) قبیلہ عبس کا تھا اور عظیم شاعر تھا۔ اس کا اصل قبیلہ بھی غطفان تھا۔

۳۔ طرفہ بن العبد (م ۵۵۲-۵۵ء) کا تعلق قبیلہ بنو بکر کے خاندان بنو ضبیعہ سے تھا اور یمامہ و بحرین کا باشندہ تھا اور ربیعی شاعر تھا۔

۴۔ امراؤ القیس (م ۵۳۹ء) کندہ کی سلطنت کے آخری بادشاہ حجر کا فرزند تھا شراب و کباب اور آزاد زندگی کا رسیا عظیم شاعر تھا۔ اصل نام ابو الحارث خندج بن حجر کندی تھا۔

۵۔ عمرو بن کلثوم (م ۵۲ق ھ/۵۷۰ء) قبیلہ تغلب/بنو جشم کا شاعر تھا۔ اس کو ایک سو پچاس سال کی عمر ملی تھی۔

۶۔ حارث بن حلزہ (م ۵۲ء/۶۰-۵۴۰ء) بنو بکر کے قبیلہ اور خاندان بنو لشکر کا فرد تھا عمرو بن کلثوم کا معاصر بھی تھا۔

۷۔ زہیر بن ابی سلمٰی ربیعہ بن ریاح مزنی (م ۶۰۹ء،۳ق ھ) باپ کی طرف سے قبیلہ مزینہ کا اور ماں کی طرف سے غطفان/ذبیان کا فرد تھا۔ زیادہ پرورش ماں نے کی۔

بعض ماہرین نے درید بن الصمہ، مرقش الاکبر اور امیہ بن ابی الصلت کو بھی معلقات والے شعراء میں شمار کیا ہے۔

عربی شعر کے بعض ماہرین نے سات عظیم شعرء میں بعض دوسرے شعرء کو بھی شامل کیا ہے۔ بہر حال وہ سات عظیم ترین شعرء ہوں یا نہ ہوں، وہ عظیم شعرء میں ضرور تھے اور تھے: علقمہ بن عبدہ، الاعشیٰ میمون اور لبید بن ربیعہ۔

۸۔ علقمہ میمون بن عبدہ تمیمی (اوائل ساتویں صدی عیسوی میں) قبیلہ بنو تمیم کا عظیم

Marfat.com

شاعر تھا اور یمامہ کا باشندہ۔ اسلام کے عروج کے بعد فوت ہوا۔

۹۔الاعشیٰ میمون بن بیش (م ۷ھ/۶۲۹ء) یمامہ کا باشندہ تھا اور نجران کے حکمراں خاندان بنوعبدالمنان سے وابستہ رہا تھا۔ بعد میں مشرف بہ اسلام ہوا۔

۱۰۔لبید بن ربیعہ (م ۴۰ھ/۲۲۰-۵۲۰ء) بنو عامر بن صعصعہ کے قبلے کے تھے۔ نعمان بن منذر سے بھی وابستہ رہے۔ بعد میں اسلام لائے اور شاعری ترک کردی وہ عظیم صحابی رسول بھی تھے اور کوفہ میں وفات پائی۔ انہوں نے ایک عظیم نعتیہ قصیدہ بھی کہا ہے۔

ان عظیم ونمایاں ترین شعراء کے علاوہ بھی متعداد اہم شعراء تھے۔ ایسے تیرہ شعراء صعالیک کہلاتے تھے کہ وہ خانماں برباد شعراء تھے جو اپنے خاندان اور قبیلہ سے کٹ گئے تھے ان میں الشنفریٰ (م ۵۱۰ء) تابط شراء (چھٹی صدی عیسوی) اور عبید بن عبدالغریٰ اور سلیک بن السلکہ کافی اہم سمجھے جاتے تھے۔ دراصل عرب شعراء کو سات طبقات میں تقسیم کیا گیا۔ ا۔اصحاب المعلقات، ۲، اصحاب المجمرات، ۳، اصحاب المنتقیات، ۴، اصحاب المذہبات، ۵، اصحاب المراثی، ۶، اصحاب المشوبات، ۷۔اصحاب الملحمات۔ اصحاب المجمرات کے چھ شاعر بہت اہم تھے:

ا۔عبیدالابرص، ۲۔بشر بن ابی حازم، ۳۔امیہ بن ابی الصلت (م ۹ھ/۶۳۱ء)، ۴۔عدی بن زیدی حماد، ۵۔خداش بن زہیر اور ۶۔النمر بن تولب۔

اصحاب المنتقیات میں المقرقش الاکبر (اصل نام عمرو بن سعد بن مالک) اور علقمہ الفحل اہم شاعر مانے جاتے ہیں۔

باقی طبقات کا ذکر اختصار کے سبب نہیں کیا جارہا ہے۔

جن شعراء جاہلی نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا دور پایا ان کو المخضرم المخضرمون کہا جاتا ہے۔ جیسے حضرت لبید بن ربیعہ عامری، اعشی میمون یمامی، حسان بن ثابت خزرجی (۵۴ھ-۶۶ق ھ) وغیرہ۔

متعدد جاہلی شعراء نے مختلف اصناف سخن میں امتیاز حاصل کیا تھا۔ غزل میں الصمہ بن عبداللہ قشیری اور الحسین بن مطر اسدی، فخر وحماسہ میں المرقش الاکبر، عمرو بن کلثوم اور عنترہ بن شداد عبسی، مدح میں زہیر بن ابی سلمیٰ اور الاعشی ہجو میں قریط بن انیف، معذرت میں نابغہ ذبیانی،

Marfat.com

مرثیہ میں قس بن ساعدہ، وصف (سراپا/منظر کشی) میں امرؤالقیس، حکمت وفلسفہ میں زہیر بن ابی سلمٰی وغیرہ معروف تھے۔

عربی شاعری صرف جذبات اور خیالات کے اظہار کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ وہ ایک سماجی قدر اور تہذیبی طاقت تھی۔ عربوں کی زندگی پر شاعری کا بے پناہ اثر تھا۔ وہ جنگ وامن کا ذریعہ تھا۔ قبائلی شاعر اپنی شاعری سے جنگیں برپا کرادیتے تھے اور پھر اسی ذریعہ سے وہ امن بھی قائم کرتے تھے۔ صلح وربط میں اور تعلق استوار کرنے میں اس کا بڑا ہاتھ تھا اس کی مختلف اصناف میں فخر وحماسہ، قصیدہ، غزل، مرثیہ، نظم، حمد، مدح، معذرت اور ہجو تھیں لیکن سب سے اہم قصیدہ تھا جو سب سے زیادہ موثر تھا۔ وہ اتنی اہم سماجی طاقت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے دفاع اور تبلیغ کے لیے بھی اس کو تسلیم کیا تھا۔ بقول ایک جدید مفکر، عربی شاعری عربوں کے ضمیر کی آواز اور اس کی محافظ تھی۔

Marfat.com

عہد نبوی کی حیات طیبہ کا اولین دور

ہمارے رسول اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو دو بڑے زمانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک مکی دور جو ۵۷۱ء سے شروع ہو کر ۶۲۲ء پر ختم ہوتا ہے۔ یہ پورا دور لگ بھگ ترپین سال کا ہے۔ دوسرا مدنی دور جس کا زمانہ ۱ھ/۶۲۲ء سے ۱۱ھ/۶۳۲ء پر محیط ہے۔ یہ دونوں ادوار وقت، واقعات اور انقلابات غرضیکہ ہر لحاظ سے مختلف ہیں۔

پھر مکی دور کو بھی دو بڑے زمانوں میں تقسیم کرتے ہیں: پہلا جو ۵۷۱ء سے ۶۱۰ء تک چالیس سال پر مشتمل ہے۔ یہ زمانہ بعثت یا نبوت سے پہلے کا ہے اور دوسرا ۶۱۰ء سے ۶۲۲ء تک تقریباً تیرہ سال کا زمانہ آپ ﷺ کی نبوت کا دور ہے۔ اس لیے اس کو نبوی سنہ کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

ان دونوں مکی ادوار میں فرق یہ ہے کہ بعثت سے پہلے کے دور میں آپؐ ایک شریف وصالح نوجوان، امین تاجر اور عظیم شخص کی حیثیت سے ابھرتے ہیں جب کہ بعد نبوت کے تیرہ سال دور میں آپؐ اللہ کے رسول آخریں کی حیثیت سے تمام انسانوں کو اللہ کی طرف بلاتے، دین اسلام پھیلاتے اور انسانوں کی دنیا و آخرت سنوارنظر آتے ہیں۔

خاندان رسالت:

اللہ تعالی کی سنت رہی ہے کہ وہ اپنے تمام نبیوں اور رسولوں کو انتہائی شریف واعلیٰ خاندان میں پیدا فرماتا ہے کہ تاکہ وہ ان کی نبوت ورسالت پر ایک گواہی بن جائے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان قریش کے خاندانوں میں سب سے ممتاز تھا۔ آپؐ کی ایک حدیث ہے کہ

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حضرت ابراہیم کی نسل اسمٰعیل میں پیدا کیا پھر ان میں بنو کنانہ میں چنا۔ ان میں سے منتخب ترین قبیلہ قریش میں بھیجا، پھر بنو عبد مناف میں اور پھر ان کے بہترین خاندان بنو ہاشم میں پیدا کیا اور بنو ہاشم میں مجھ کو منتخب فرمایا۔

مکہ مکرمہ کے باب میں ذکر آچکا ہے کہ آپؐ کے والد ماجد کا نام عبداللہ، دادا کا عبدالمطلب، پردادا کا ہاشم تھا۔ ہاشم عبد مناف کے دوسرے فرزند تھے اوور عبد مناف کے والد قصی بن کلاب مکہ شہر کے اصل بانی اور قبیلہ قریش کے سب سے بڑے مورث تھے آپؐ کی والدۂ ماجدہ کا نام بی بی آمنہ تھا جو قریشی خانوادے بنوزہرہ کے ایک شیخ اور معزز سید وہب بن عبد مناف کی بیٹی تھیں۔

خاندانی رقابت:

عرب قبائلی روایات کے مطابق اور خاص کر قریشی اتحاد و یگانگت کے نتیجہ میں قریش کے تمام خانوادوں اور خاندانوں میں محبت والفت کے تعلقات تھے۔ کچھ تو اس بنا پر کہ وہ سب خون کے قریبی رشتہ دار تھے اور کچھ اس سبب سے کہ وہ ایک ساتھ رہتے بستے تھے اور ان کی زندگی اتحاد و یگانگت کے بغیر ناممکن تھی۔ تاہم ان میں آپس میں اختلاف لڑائی جھگڑے اور تکدر بھی پیدا ہو جاتا تھا جو عارضی ہوتا تھا اور جلد دور ہو جاتا تھا۔ یہ اختلافات قبائلی رقابت پر مبنی نہیں ہوتا تھا البتہ بعض خاندانوں میں ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ تعلق خاطر ہوتا تھا۔

خاندان بنو عبد مناف:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل خانوادہ بنو عبد مناف تھا جس میں چار بڑے گھرانے تھے: بنو عبد شمس، بنو ہاشم، بنو مطلب اور بنو نوفل۔ حالات وواقعات نے اور بنو عبد المطلب کو ایک دوسرے کے ساتھ اور بنو شمس اور بنو نوفل کو ایک دوسر کے زیادہ قریب کر دیا۔ یہ اندرونی تعلق تھا ورنہ ان چاروں خاندانوں میں دوستی، تعاون، شادی بیاہ کے تعلقات اور تجارت روابط وغیرہ پوری طرح موجود تھے اور دوسرے خاندانوں کے بالمقابل یہ چاروں خاندان صرف ایک متحدہ خاندان .....بنو عبد مناف .....بن کر رہتے تھے۔

Marfat.com

آپؐ کے چچا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ چچا تھے۔ان میں سے پانچ سے آپ ﷺ کے خاص تعلقات تھے اوران کا بھی آپؐ کی زندگی سے قریبی تعلق رہا۔ان کے نام ہیں زبیر، ابوطالب، الولہب، عباس اور حمزہ۔ان سب کی اپنی اولادیں تھیں جن میں سے کچھ آپؐ کے چچا ابولہب سمیت آپؐ پر جان چھڑکتے تھے۔زبیر اور ابوطالب آپؐ سے عمر میں بہت بڑے تھے جب کہ عباس وحمزہ صرف چار اور دو سال بڑے تھے۔

زبیر کے چار فرزندوں طاہر، حجل، قرہ اور عبد اللہ میں موخرالذکر صحابی تھے۔ان کی کئی بیٹیاں بھی مسلمان ہوئیں جیسے ضباعہ صفیہ، ام الحکم اور ام الزبیر۔ان سب کی اولادیں بعد میں بھی چلیں۔رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ان چچازاد بہنوں کی پرورش کی تھی۔

ابوطالب کے چار فرزند طالب، عقیل، جعفر اور علی تھے اور دود وختر ام ہانی اور جمانتہ تھیں۔ان میں سے طالب آپؐ کے ہم عمر تھے۔

عباس کے فرزندوں میں فضل، قثم، عبداللہ، عبیداللہ اور معبد مشہور تھے۔باقی فرزند بعد میں پیدا ہوئے۔ان کی کئی بیٹیاں بھی تھیں جیسے ام الفضل، آمنہ اور صفیہ۔

حمزہ کی صرف ایک بیٹی حضرت امامہ تھیں جب کہ ابولہب کے تین فرزند عتبہ، معتب اور عتیبہ تھے۔موخرالذکر کو شیر کھا گیا تھا۔باقی اسلام لائے۔

بعض دوسرے چچاؤں کی اولادیں بھی مسلمان ہوئیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق رہیں۔ جیسے حارث بن عبد المطلب کے فرزند نوفل اور سفیان وغیرہ۔موخرالذکر تو آپؐ کے دودھ شریک بھائی بھی تھے۔دراصل پورا خاندان بنوعبدالمطلب آپؐ کو چاہتا تھا۔

آپؐ کی پھوپھیاں:

آپؐ کی چھ پھوپھیاں اور ان کے خاندان والے بھی آپؐ سے بہت محبت کرتے تھے۔آپؐ کی پھوپھیاں کے نام ہیں۔ام الحکیم بیضاء، برہ، عاتکہ، اردی، صفیہ اور امیمہ۔ان کی شادیاں قریش اور ان کے بعض حلیف قبیلوں کے افراد سے ہوئی تھیں۔

Marfat.com

مثلاً الحکیم بیضاء کی شادی خاندان بنوشمس کے ایک ممتاز فرد کریز بن ربیعہ سے ہوئی تھی اور ان سے ایک دختر اروئی نبت کریز تھیں جو حضرت عثمان بن عفان کی ماں تھیں۔ ان کی دو اور بیٹیاں تھیں۔ عاتکہ کی شادی ابوامیہ بن المغیرہ مخزومی سے ہوئی تھی۔ ان دونوں کی اولاد ام المومنین حضرات ام سلمہ ابی امیہ کے بھائی بہن تھے۔ برہ بنت عبدالمطلب ہاشمی عبدالاسد بن ہلال مخزومی کی بیوی اور مشہور صحابی ابوسلمہ بن عبدالاسد کی ماں تھیں۔ امیمہ بنوامیہ کے حلیف جحش بن رتاب کی اہلیہ تھیں۔ اروئی عمر بن وہب کی اور حضرت صفیہ عوام بن خویلد اسدی کی اہلیہ تھیں۔ موخرالذکر کے فرزند حضرت زبیر مشہور صحابی تھے۔

ولادت باسعادت:

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب ہاشمی حضر آمنہ سے اپنی شادی کے چھ ماہ بعد تجارت کے لیے ملک شام گئے۔ واپس میں بیمار ہوگئے تو مدینہ منورہ میں اپنے ماموؤں عبدالمطلب کو ان کی بیماری کی خبر ان کے رفقائے سفر سے ملی تو ان کو لانے کے لیے اپنے دوسرے بڑے فرزند زبیر کو مدینہ بھیجا۔ مگر عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ وہ ان کی تدفیق کر کے ان کا سامان تجارت اور مال مکہ مکرمہ لائے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والد مرحوم کے مال وزر اور مکان ومویشی کے وارث بنے۔ اگرچہ متمول نہ تھے تاہم فقیر بھی نہ تھے۔ آپؐ ددھیال اور ننھیال دونوں خاندانوں کی طرف سے کافی خوشحال اور معزز تھے۔

عبداللہ کے انتقال کے دو ماہ عبد دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول عام الفیل (جس سنہ میں ابرہہ حبشی نے مکہ پر حمل کیا تھا) مطابق ۲۰/اپریل ۵۷۱ء ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اپنے والد مرحوم کے گھر میں پیدا ہوئے۔ آپؐ کے دو نام رکھے گئے احمد اور محمد۔ پہلے نام کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ صف ۲ میں ہے اور دوسرے نام کا ذکر چار سورتوں .....آل عمر آن ۱۴۴، احزاب ۴۰، محمد ۲ اور فتح ۲۹..... میں ہے۔ پہلا نام آپؐ کی ماں بی بی آمنہ نے ایک بشارت سن کر رکھا تھا اور دوسرا نام آپ کے دادا عبدالمطلب نے جو اپنے یتیم پوتے کو ہر تعریف وخوبی کے لائق جانتے تھے، رکھا۔ یہ نام ساتویں دن رکھے گئے جب آپؐ کا عقیقہ ہوا آپؐ نے ایک حدیث میں فرمایا

Marfat.com

:میں محمد بھی ہوں اور احمد بھی۔

رضاعت

پیدائش کے بعد آپؐ کی والدہ ماجدہ نے آپؐ کو دودھ پلایا۔ آپؐ کے چچا ابولہب کو آپؐ کی پیدائش پر اتنی خوشی ہوئی کہ پہلے اپنی ایک باندی ثوبیہ (ثُوَیبَۃ) کو آپؐ کے دودھ پلانے پر مامور کیا پھر اس کو اسی خوشی میں آزاد کر دیا۔ عربوں میں یہ پرانی روایات تھی کہ شریف خاندانوں کے بچوں کے لیے دودھ پلانے والی رکھی جاتی تھیں۔ ثوبیہ نے اس سے پہلے آپؐ کے چچا حضرت حمزہ کو بھی دودھ پلایا تھا جو اتفاق سے آپؐ کی خالہ اور والدہ چچازاد بہن ہالہ بنت وہب زہری کے فرزند تھے اور آپؐ کے خالہ زاد بھائی ہونے کے علاوہ رضاعی بھائی تھے۔ عرب دستور کے مطابق آپؐ کو کچھ دنوں بعد قبیلہ بنو سعد بن بکر ہوازن کی ایک لنا حضرت حلیمہ سعدیہ دودھ پلانے اور دیہات کی کھلی اور صاف ہوا میں پرورش کرنے کیلئے اپنے علاقہ لے گئیں۔ جہاں آپؐ پہلے دو سال تک رہے۔ اس مدت کے بعد آپؐ کا دودھ چھڑا دیا گیا۔ دادا اور ماں وغیرہ نے بی بی حلیمہ کی خدمات کا اچھا معاوضہ دیا۔

بچپن:

دودھ چھڑانے کے بعد بی بی حلیمہ آپؐ کو واپس مکہ مکرمہ آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس لائیں لیکن ان دنوں مکہ میں بیماری پھیلی ہوئی تھی۔ شفیق ماں نے اپنے یتیم بچے کی صحت کی خاطر پھر بی بی حلیمہ کے ساتھ ان کے قبیلہ ہوازن کے علاقہ میں واپس بھیج دیا۔ وہاں آپؐ نے اپنی عمر شریف کے تین اور سال گذارے۔ یعنی ۵۷۱ء سے ۵۷۶ء تک اس علاقہ میں رہے جہاں کی عربی زبان سب سے زیادہ فصیح و بلیغ سمجھی جاتی تھی۔ آپؐ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں قریش کی بہترین زبان کے ساتھ ساتھ بنو سعد کی فصیح ترین عربی بولتا ہوں۔

بی بی حلیمہ کے گھر آپؐ اپنے رضاعی بھائیوں اور بہنوں .....عبداللہ، شیماء (حذافہ اصلی نام)، انیسہ اور حذیفہ..... کے ساتھ بچپن کے کھیل کھیلا کرتے تھے۔ ایک بار حضرت شیماء نے آپؐ کو گدگدایا تو آپؐ نے تنگ آ کر ان کے کاندھے پر کاٹ لیا جس کا نشان محبت رہ

Marfat.com

گیا۔ یہاں چار پانچ سال کی عمر میں پہلا شق صدر کا معجزہ پیش آیا۔ دو فرشتوں نے آپؐ کا سینہ مبارک چارک کر کے قلب مبارک کو دھویا اور پھر سینہ سل دیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر آپؐ کی رضائی ماں حلیمہ اور رضائی باپ حضرت حارث ابن عبدالغریٰ پریشان ہو گئے اور آپؐ کو آپؐ کی والد ماجدہ کے پاس مکہ مکرمہ پہنچا گئے۔ آپؐ کے رضائی والدین اور بھی بہن آپؐ سے بہت محبت کرتے تھے اور آپؐ کو بھی ان سے بے پناہ محبت تھی جو تا عمر قائم رہی۔

ماں کی گود میں:

بنو سعد کے علاقہ اور رضائی والدین کے گھر سے آنے کے بعد صرف ایک سال (۷۷-۶۷۶۰ء) تک ہی آپؐ اپنی والدہ ماجدہ بی بی آمنہ کی محبت وشفقت سے بہرہیاب ہو سکے۔ اپریل ۶۷۷ء کے بعد کسی وقت جب آپؐ کی عمر شریف چھ سال کی تھی آپؐ کی والدہ ماجدہ نے مدینہ منورہ میں اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کرنے، اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کرنے اور اپنے یتیم بچے کو سیر کرانے کے لئے اپنی خادمہ حضرت امّ ایمن کے ساتھ سفر کیا۔ مدینہ منورہ میں جو اس وقت یثرت کہلاتا تھا، آپؐ نے ایک ماہ تک اپنی والدہ کے ساتھ قیام کیا۔ وہاں آپؐ مدنی بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے جن میں انیسہ نامی ایک لڑکی بھی تھی۔ جس مکان میں آپؐ ٹھہرے تھے اسی کے قریب آپؐ کے والد مرحوم کی قبر بھی تھی۔ آپؐ کو اپنے اس مدنی قیام کی بہت سی باتیں یاد رہ گئی تھیں اور ان کا ذکر آپؐ بعد کی زندگی میں اکثر کیا کرتے تھے۔

مدینہ منورہ میں ایک ماہ کے قیام کے بعد غالباً مئی۔ جون ۵۷۷ء میں آپؐ کی والدہ آپؐ کو ساتھ لے کر ام ایمن وغیرہ کی معیت میں مکہ کیلئے واپس ہوئیں تو مدینہ سے چند میل کے فاصلہ پر واقع گاؤں ابواء میں بیمار ہوئیں اور کچھ دنوں بعد انتقال کر گئیں اور وہیں مدفون ہوئیں۔ مدینہ منورہ کے رشتہ داروں نے حضرت امّ ایمن کے ساتھ آپؐ کو شفیق دادا کے پاس مکہ مکرمہ پہنچا دیا۔

دادا کے سایہ شفقت میں:

Marfat.com

آپؐ کے دادا عبدالمطلب بن ہاشم قریش کے بزرگ ترین سرداروں میں ممتاز تھے اور بنو ہاشم کے عظیم ترین شیخ تھے۔ انہوں نے گم شدہ چاہ زمزم کو دوبارہ رکھدوایا تھا جس سے ان کی توقیر میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ وہ مالدار تاجر اور صاحب ثروت شخص تھے۔ اس کے ساتھ ہی وہ غریب پرور، بیکسوں کے والی، غریبوں اور یتیموں کے ہمدرد اور نہایت فیاض وسخی تھے۔ ان کے اجلال واکرام کا یہ عالم تھا کہ خانہ کعبہ کے اردگرد مسجد حرم کے صحن میں جن قریشی سرداروں کی مندیں لگتی تھے ان عبدالمطلب کی مسند بہت ممتاز تھی اور ان کے اکرام میں کوئی شخص حتی کہ ان کے محبوب فرزند بھی اس پر نہیں بیٹھتے تھے۔

اسی سالہ بوڑھے دادا کو اپنے یتیم پوتے سے بہت زیادہ محبت تھی۔ کچھ تو اس بنا پر کہ وہ ان کے چہیتے مرحوم فرزند کا بیٹا تھا، کچھ اس کی یتیمی کے سبب اور زیادہ تر ہونہار بچے کی صفات واٹھان کی وجہ سے۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت ساتھ رکھتے۔ اپنی گود میں بٹھا کر کھلاتے اور اپنی مسند پر بٹھاتے، آپؐ کے چچا منع بھی کرتے تو شفیق دادا ان کو روک دیتا۔ آپؐ کو بھی اپنے دادا سے بہت پیار تھا۔ آپؐ ان کی خدمت کرتے، ان کے کھوئے ہوئے اونٹ ڈھونڈ لاتے اور اپنی عمر کے مطابق دوسری خدمات انجام دیتے۔

مگر اللہ تعالےٰ کو دادا کے سایہ شفقت کو آپؐ کے سر پر زیادہ دنوں رکھنا منظور نہ تھا۔ اس لیے بیاسی سال کی عمر میں عبدالمطلب نے ۵۷۹ء انتقال کیا۔ ان کا جنازہ اٹھا تو آپؐ اس کے پیچھے روتے جاتے تھے۔ عبدالمطلب مکہ کے مشہور قبرستان جو حجوں نامی مقام پر تھا دفن ہوئے آپؐ کو اپنے شفیق دادا کی محبت وشفقت آٹھ سال تک حاصل رہی۔ ان میں سے دو سال تک آپؐ ان کی براہ راست پرورش میں رہے۔

چچاؤں کی نگرانی میں:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو حقیقی یا سگے چچا زبیر اور ابوطالب تھے کہ دونوں کی ماں آپؐ کے والد مرحوم عبداللہ کی بھی ماں تھیں۔ باقی چچا اگر چہ دوسری ماؤں سے تھے تاہم ان سوتیلا پن قطعی نہ تھا۔ وہ سب آپؐ کے جاں نثار تھے۔ دادا کے بعد آپؐ کی اصل تربیت وپرورس

Marfat.com

انھیں دونوں سگے چچاؤں نے کی۔ زبیر بن عبدالمطلب کو آپؐ سے بہت محبت تھی۔ وہ اکثر آپؐ کو جھولا جھلاتے، آپؐ کو لوری سناتے اور طرح طرح سے دیکھ بھال کرتے۔ ان کے بیٹے بیٹیاں، جو آپؐ کے چچازاد بھائی بہن تھے۔ آپؐ کا ہر طرح خیال رکھتے۔ دوسرے سگے چچا ابوطالب اپنی مالی کمزوری کے باوجود آپؐ کی ہر خرط خبر گیری کرتے، اکثر ساتھ رکھتے، اور اپنے ساتھ کھلاتے، پلاتے اور سلاتے۔ آپؐ کی چچی حضرت فاطمہ بنت اسد ہاشمی آپؐ کے لئے کھانا بچا بچا کر رکھتیں اور اپنے بچوں طالب وغیرہ سے زیادہ آپؐ کا خیال کرتیں۔ آپؐ کی پھوپھیوں نے بھی اس زمانہ میں آپؐ کی ہر طرح دیکھ بھال کی۔ سچ یہ ہے کہ پورا خاندان آپؐ پر جان چھڑکتا تھا۔

زبیر اور ابوطالب کی مشترکہ کفالت کے عرصہ میں جو تقریباً بارہ چودہ سال (۵۷۹ء تا ۵۹۲ء) تک جاری رہا، آپؐ کا بچپن گذرا اور لڑکپن آیا۔ اس زمانے کے کئی واقعات دلچسپ بھی ہیں اور اہم بھی۔ ان کا آپؐ کی آئندہ زندگی پر خاصا اثر پڑا۔

تعمیر کعبہ میں شرک:

ایک واقعہ کا تعلق خانہ کعبہ کی پہلی قریشی تعمیر نو سے ہے۔ مکہ مکرمہ کے چاروں طرف پہاڑی سلسلہ ہے اور خانہ کعبہ ان کی وادی یا تلہٹی میں واقع ہے۔ اس لیے بارش کے ریلے سے اس کی عمارت کو نقصان پہنچا۔ قریش نے اس کی مرمت کی تو مکہ کے تمام لوگوں نے اس مقدس کام میں حصہ لیا۔ اپنے ہر عمر لڑکوں کے ساتھ آپؐ نے بھی ہاتھ بٹایا۔ اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ جو آپؐ سے صرف چار سال بڑے تھے، آپؐ اپنے مبارک کاندھے پر پتھر لا لا کر کاریگروں کو دیتے تھے۔ پتھروں کی رگڑ سے تکلیف ہوتی تھی لہٰذا حضرت عباس نے مشورہ دیا کہ اپنا تہبند (ازار) کھول کر کاندھے پر رکھ لیں تا کہ پتھر کی رگڑ سے محفوظ رہیں۔ آپؐ نے اپنا تہبند کھولنا ہی چاہا تھا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس طرح اللہ تعالے نے آپؐ کو برہنہ ہونے سے بچالیا۔ یہ سنت الٰہی ہے کہ وہ اپنے رسولوں اور پیغمبروں کو نبوت و رسالت

Marfat.com

کے زمانے سے پہلے بھی ہر طرح محفوظ و مامون رکھتا ہے تا کہ ان کی عصمت وطہارت ان کی نبوت کی دلیل بن سکے۔

بکریاں چرانا:

اپنے لڑکپن میں آپؐ نے اپنے چچاؤں اور گھر والوں کی بکریوں کے ساتھ ساتھ دوسرے مکہ والوں کی بکریاں بھی اجرت پر چرائیں آپؐ کو ایک بکری یا بھیڑ کی چرائی کے لیے ایک قیراط (سب سے چھوٹا سکہ) ملا کرتا تھا۔ ایک حدیث نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام نبیوں نے اپنے بچپن میں بکریاں ضرور چرائی ہیں۔ یہ دراصل نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام نبیوں نے اپنے بچپن میں بکریاں ضرور چرائی ہیں۔ یہ دراصل قوم کی گلہ بانی کی الٰہی تربیت تھی۔ اور دیناوی اعتبار سے محنت کی روزی روٹی حاصل کرنے کی تعلیم بھی۔ قریش کے معزز گھرانے کے تمام لڑے بالے اپنے گھر کی بکریاں چراتے تھے جب کہ ضرورتمند اجرت پر چراتے تھے۔

بکریاں چرانے سے آپؐ کو بہت فائدے ہوئے۔ اول یہ کہ مکہ کی پہاڑیوں اور جھاڑیوں سے آپؐ کو واقیفت ہوئی۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ سیاہ جھر بیریاں زیادہ مزے دار ہوتی تھیں۔ آپؐ نے بعد میں اصحاب کو اپنے لڑکپن کے اس تجربہ سے آگاہ کیا تھا۔

بکریاں چرانے کے زمانے میں آپؐ نے دوبارہ مکہ کی طرف سے موسیقی کی آوازیں سنیں۔ ساتھیوں سے اس کا سبب پوچھنے پر معلوم ہوا کہ شادی بیاہ کی خوشیاں منائی جارہی ہیں۔ آپؐ دونوں بار جانا چاہا مگر راستے میں ستانے کے لئے بیٹھے تو نیند آ گئی اور آپؐ دونوں بار ان میں شریک نہ ہو سکے۔ یہ حفاظت الٰہی تھی جو آپؐ کو لہو ولعب سے بچانا چاہتی تھی۔

تجارت سفروں میں شرکت:

عرب تاجروں کا دستور تھا کہ وہ تجارتی سفر میں اپنے لڑکوں اور نوجوانوں کو ساتھ لے جایا کرتے تھے جیسا کہ آج بھی تاجر پیشہ طبقہ کا طریقہ ہے تا کہ ان کو تجارت کے امور و رموز سے آگاہی ہو۔ آپؐ کا سن مبارک بارہ سال ہی کا ہوا تھا کہ ۵۸۲ء کے آغاز میں ابوطالب نے بصریٰ (شام) کے لیے تجارتی سفر کیا اور آپؐ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ اسی سفر سے آپؐ کو

Marfat.com

راستوں، تجارتی سرگرمیوں اور لوگوں کو جاننے کا موقع ملا۔

اسی سفر کے دوران بصریٰ کے ایک عیسائی راہب بَحِیرا کے آپؐ سے ملاقات کر اور آپ کی نبوت کی بشارت دینے کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے۔ مگر وہ صحیح نہیں معلوم؛ اس قصہ کا تعلق دراصل ان روایتوں سے ہے جو آپؐ کی رسالت سے قبل آپؐ کے نبی بنے پیش گوئی ہیں۔ محققین علماء نے ان کو تسلیم نیں کیا ہے۔

دوسرا تجارتی سفر آپؐ نے اپنے بڑے چچا زبیر بن عبدالمطلب کے ساتھ لگ بھگ سال کی عمر ۵۸۳ء کے وسط یا اواخر میں یمن کا کیا۔ اس طرح قریش کے دونوں اہم ترین شاہراہوں سے آپؐ کا لڑکپن ہی میں تعارف ہوگیا۔

کردار نبوی:

نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو آپؐ اپنی قوم کی معاشرت، اقتصادی زندگی اور مذہ وغیرہ سے بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی معمولی چیز حفاظت فرمائی تھی اسی طرح آپؐ کو بڑے گناہوں سے بھی محفوظ رکھا۔ آپؐ انتہائی ن صالح نوجوان تھے۔ بچپن سے آپؐ کو بتوں سے سخت نفرت تھی اس لیے آپؐ نے کبھ پوجا نہیں کی۔ نہ ان کا چڑھاوا کھایا اور نہ دوسری بری مذہبی اور سماجی رسموں میں حصہ ا کعبہ کا طواف وعمرہ اور حج چوں کہ دین بزرگوں کی عزت وخدمت، عزیزوں رشتہ دار محبت اور سب کے ساتھ الفت ویگانگت آپؐ کا شعار تھا۔ اس لیے آپؐ سب کی آنکھو تھے اور لوگوں کو آپؐ سے بڑے کاموں کی امید تھی۔

سیرت نبوی کے مآخذ کے مجموعی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں آپؐ روایات کے مطابق فن شہسواری سیکھا۔ اس میں آپؐ اتنے ماہر ہوگئے تھے کہ زین گھوڑے پر سواری کر سکتے تھے۔ فن حرب کے مختلف گر اور جنگ جوئی کے متعدد طریق عرصہ میں سیکھے۔ ان میں تلوار چلانا، تیر چلانا، نیزہ اور حربہ پھینکنا، خود وزرہ کا صحیح استعمال کئی چیزیں شامل تھیں۔ کشتی لڑنا عربی شجاعت اور فن عرب کا حصہ تھا اس لیے اسے بھی

Marfat.com

ایسے ہی کسی مقابلے کے دوران آپؐ نے ابوجہل مخزومی کو شکست دی تھی اور آپؐ کے حربہ کے زخم کا نشان اس کی ایک ٹانگ پر رہ گیا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے اس طرح آپؐ کی روحانی اور جسمانی دونوں طرح تربیت کی تھی۔ آپؐ کی ایک حدیث ہے کہ قوی مومن کمزور مومن سے بہتر ہوتا ہے کیوں کہ اس کی طاقت اسلام کے کام آسکتی ہے اور کسی ایمان والے کی کمزوری سے نقصان پہنچا سکتی ہے۔

جنگ فجار میں شرکت:

مدتوں سے قریش وکنانہ کے اتحاد اور قیس عیلان کے اتحاد کے درمیان ایک قتل اور معاہدے کی خلاف ورزی کے سبب جنگ ہوتی چلی آرہی تھی۔ اس کا ایک سلسلہ سا قائم ہوگیا تھا وہ رک رک کر ہوتی رہتی تھی اور کوئی فیصلہ نہ معرکہ برپا ہوا۔ پہلا معرکہ چوں کہ مقدس وحرام ماہ میں ہوا تھا اس لیے اس کا نام فجار (گناہ یا پامالیٔ تقدس) کی جنگ پڑ گیا تھا۔

آخری معرکہ میں جو تین دن جاری رہا آپؐ نے اپنے چچاؤں اور خاندان والوں کے ساتھ باقاعدہ حصہ لیا کیوں کہ قریش حق پر تھے۔ قریشی افواج کے سپہ سالار قومی فائد حرب بن امیہ اموی تھے جب کہ ہر خاندان کا لشکر اس کے اپنے خاندانی کماندار کی ماتحتی میں تھا بنو ہاشم کے فوجی قائد آپؐ کے حقیقی چچا اور مربی زبیر بن عبدالمطلب ہاشمی تھے۔ آپؐ بھی ان کی فوج میں شامل تھے اور چچاؤں کو تیر اندازی کے لئے تیر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے۔ یہی کام آپؐ کے سپرد تھا جسے آپؐ نے پوری تندہی سے انجام دیا۔ اس جنگ میں قریشی اتحاد کو مکمل فتح ہوئی اور دشمن نے ہار مان کر قصاص ادا کر کے جان چھڑائی اور جنگ فجار کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا۔ جنگ کی عملی تربیت کا یہ پہلا سبق جو آپؐ نے سیکھا۔

جنگ فجار کے بعد ہی آپؐ کے بڑے چچا اور مربی زبیر بن عبدالمطلب کا انتقال ہوگیا اور آپؐ ابوطالب کی کفالت خاص میں آگئے۔ اگر چہ دوسرے چچاؤں پھوپھوں اور دوسرے خاندانی بزرگوں کا سایہ شفقت آپؐ کے سر پر برابر قائم رہا۔

Marfat.com

مکی حیات طیبہ کا دوسرا دور

مکہ کی عوامی زندگی میں شرکت:

آپؐ سن رشد کو پہنچ چکے اور بیس سال کی عمر ہوگئی تو آپؐ نے دوسرے صالح عرب نوجوانوں کا مانند مکہ مکرمہ کی عوامی زندگی، سماجی کاموں اور اقتصادی ترقی میں اپنا کردار ادا کرنا شروع کیا۔ اس کا پہلا مظاہرہ تو حرب فجار میں آپؐ کی شرکت سے ہوا لیکن وہ ہنگامی اور جنگی صورت تھی۔ امن وامان کی مستقل صورت حال میں آپؐ نے پہلے قریشی تجارت میں حصہ لیا کہ کسب معاش کا وہ شریف ترین شغل تھا۔ اس کے دوسرے سماجی کاموں میں بھی آپؐ نے بھرپور حصہ لیا اور مکی زندگی میں اپنے لیے نمایاں مقام بنالیا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر اچھے کام کے آپؐ فطری طور سے حامی ومعاون تھے اور ہر برے کام کے مخالف ودشمن۔

تجارت میں حصہ:

عرب دستور کے مطابق آپؐ نے تجارت کو اپنا وسیلہ رزق بنایا۔ ایک صالح ہونہار اور معزز نوجوان کی حیثیت سے آپؐ پہلے ہی مکہ مکرمہ کے تجارتی حلقوں میں معروف تھے کہ تمام قریشی اور غیر قریشی یا تو آپؐ کے عزیز واقارب تھے یا واقف کار۔ لڑکپن میں آپؐ کے چچا زبیر اور ابوطالب نے اپنے کئی تجارتی سفروں میں آپؐ کو اپنے ساتھ لے جاکر مزید روشناس کرادیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے سفر شام کے بعد ابوطالب آپؐ کو اور بھی تجارتی کاروانوں میں ساتھ لے گئے تھے۔

Marfat.com

آپؐ کے دونوں سگے چچاؤں زبیر اور ابوطالب نے آپؐ کو سن رشد پہنچنے پر باقاعدہ ادانہ تجارت کرنے کیلئے مکہ کے تاجروں سے متعارف کرایا اور آپؐ نے ان کے مال اور اپنی ، کے بل پر تجارت شروع کی اور جلد ہی اپنی تجارتی مہارت، معاملہ فہمی، صدق وامانت اور ں معاملگی سے تاجر حلقہ میں اپنے لیے جگہ بنالی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تجارتی کاروبار کو ہم تین الگ الگ حصوں میں یا زمانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ایک شادی سے پہلے تک جو لگ بھگ پانچ سال (۵۹۱ء تا ۵۹۶ء) کے عرصہ پر محیط ہے۔ دوسرا شادی اور نبوت کے درمیانی عرصہ پر پھیلا ہوا ہے یعنی پندرہ سال کی مدت پر ۵۹۶ء تا ۶۱۰ء تک اور تیسرا ہجرت مدینہ تک یعنی بقیہ مکی دور پر تیرہ سال ۶۱۰ء تا ۶۲۲ء کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ان زمانوں کا تعین روایات وواقعات کے تجزیہ اور قرائن سے تو ہو جاتا ہے مگر آپؐ کی ارتی مصروفیات اور دوسری چیزوں کی الگ الگ زمانی تعیین ابھی تحقیق طلب بات ہے۔

شادی سے پہلے کا پہلا دور تجارت ہی وہ زمانہ ہے جب آپؐ کی شہرت وحیثیت عام اور معتین ہوئی۔آپؐ نے جن لوگوں کے ساتھ کوئی کاروبار معاملہ کیا انہوں نے آپؐ کی امانت ودیانت، حسن معاملہ اور ماہرانہ تجارتی انداز وطریقہ کا اعتراف کیا۔ان میں عبداللہ ابی الحمساء سائب بدوی قیس بن سائب مخزومی اور کئی دوسرے اصحاب شامل ہیں۔ وہ سب آپؐ کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

آپؐ کے تجارتی اسفار کی حدود شمال میں شام، جنوب میں یمن، جرش، حباشہ، مشرق میں تہامہ کے بازار، حباشہ اور بحرین وغیرہ تک کے بازار تک وسیع ہیں آپؐ نے عرب کے متعدد بازاروں میں کاروبار کیا اور شام وجرش کے کئی سفر کیے۔

آپؐ کی امانت داری اور تاجرانہ مہارت سن کر مکہ مکرمہ کے قریشی خاندان بنواسد کی ایک مالدار بیوہ حضرت خدیجہ بنت خویلد اسدی نے آپؐ کو اپنا مال دے کر شام بھیجا اور مدد کے لیے اپنا ایک غلام میسرہ ساتھ کر دیا۔آپؐ نے شام کے اس سفر میں دوگنا نفع کمایا۔میسرہ نے آپؐ کی امانت ودیانت اور کاروباری مہارت کا ذکر واپس آکر اپنی مالکہ سے کیا اور انہوں نے آپؐ کو دوگنا معاوضہ دیا۔حضرت خدیجہ نے آپؐ کو دوبار جنوبی عرب کے مشہور

Marfat.com

بازار جرش بھیجا اور ہر بار آپؐ نے ان کو زیادہ سے زیادہ نفع دلایا۔ ان تجارتی سفروں اور آپؐ کی عظیم شخصیت نے آپؐ کو پہلی شادی کی راہ ہموار کر دی۔

پہلی شادی:

حضرت خدیجہ قریشی خاندان بنواسد سے تعلق رکھتی تھیں جو اپنی شرافت، عزت دولت اور تجارت کے لیے ممتاز تھا۔ ان کے ایک بھتیجے حضرت حکیم بن حزام اسدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے دوست اور مکہ کے ممتاز تاجر تھے۔ حضرت خدیجہ خاندانی جاہ وعزت کے علاوہ خود اپنی ذات سے عالی مقام تھیں کہ عفت وطہارت کے سبب طاہرہ کہلاتی تھیں۔ وہ بہت خوبصورت بھی تھیں اور بڑے اوصاف والی بھی۔ وہ اتنی مال دار تھیں کہ کبھی کبھی قریشی کاروان تجارت کا آدھا مال ان کا ہوتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ان کی دو شادیاں ہو چکی تھیں۔ ان کے پہلے شوہر ابوہالہ بن زرارہ تمیمی تھے جن سے دو لڑکے ہند اور ہالہ تھے۔ ان کے مرنے کے بعد دوسری شادی عتیق بن عابد مخزومی سے کی جن سے ایک صاحبزادی ہند نامی پیدا ہوئیں۔ دوسری بار بیوہ ہونیں تو انہوں نے بہت سے پیغامات اور بزرگوں کے اصرار کے باوجود شادی نہ کی۔

لیکن جب آپؐ سے کئی بار تجارتی معاملہ ہوا تو آپؐ کے اخلاق وسیرت سے بہت متاثر ہوئیں چنانچہ چچا ابوطالب اور بعض دوسرے خیر خواہوں کی کوششوں سے حضرت خدیجہ سے شادی ہوئی۔ اس وقت آپؐ کی عمر مبارک پچیس سال تھی۔

یہ واقعہ شادی سے قبل آخری شامی تجارتی سفر کے دو ماہ پچیس دن بعد پیش آیا۔ حضرت خدیجہ کی عمر آپؐ سے زیادہ تھی۔ جمہور علماء کے نزدیک نکاح کے وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ بلاذری نے ایک روایت میں اٹھائیس سال بیان کی ہے۔ نکاح میں آپؐ کے چچا ابوطالب وحمزہ کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق اور بعض دوسرے سردار وشیوخ شریک ہوئے۔ خطبہ نکاح ابوطالب نے پڑھا۔ آپؐ نے حضرت خدیجہ کو مہر میں پانچ سو درہم یا بیس اونٹ دیئے۔ اس زمانے میں مستند مہر پانچ سو درہم ہوتا تھا۔

Marfat.com

ازدواجی زندگی:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ دونوں ہی کی پسند سے یہ شادی ہوئی تھی اور دونوں اعلیٰ کردار اور عظیم اخلاق والے تھے۔ اس لیے ان کی ازدواجی زندگی خوشیوں سے بھرپور تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ آپؐ کے دل میں زندگی بھر حضرت خدیجہ کی محبت بسی رہی۔ آپؐ ان کو بہترین خاتون سمجھتے تھے۔ ان کا اکثر و بیشتر ذکر فرماتے، ان کے عزیزوں اور سہیلیوں سے حسن سلوک کرتے، دوسری طرف حضرت خدیجہ کا یہ حال تھا کہ اپنا سب کچھ آپؐ پر قربان کر دیا۔

یہ غلط خیال جم گیا ہے کہ حضرت خدیجہ کے مال نے آپؐ کی مفلسی ختم کر کے آپ کو مالداری بھی عطا کی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود خوشحال تاجر اور صاحب مال بن چکے تھے اگرچہ مالدار یا متمول نہ تھے۔ عربوں کا دستور تھا کہ عورت کا مال اس کا اپنا ہوتا تھا پھر آپؐ خود اتنے غیور تھے کہ کسی اور کے مال پر تکیہ نہیں کر سکتے تھے۔ شادی کے بعد بھی آپؐ تجارت کرتے رہے۔ یہ بات دوسری تھی کہ اب وہ میاں بیوی دونوں کی مشترکہ تجارت تھی۔ اس سے پورے گھر کو مزید خوش حالی نصیب ہوئی۔ حضرت خدیجہ سے آپؐ کا ازدواجی تعلق تقریباً پچیس سال تک قائم رہا۔ پندرہ برس نبوت سے پہلے اور دس برس نبوت کے بعد۔

حضرت زید کو گود لینا:

شادی کے کچھ دنوں کے بعد حضرت زید بن حارثہ کلبی جب کہ ان کی عمر پندرہ سال تھی بطور غلام حضرت خدیجہ کے پاس آئے۔ ان کو حضرت حکیم بن حزام نے عکاظ کے میلے سے خرید کر اپنی پھوپھی کی نذر کر دیا تھا۔ آپؐ نے حضرت زید کو حضرت خدیجہ سے مانگ لیا یا انہوں نے از خود آپؐ کو ہدیہ کر دیا۔ کچھ مدت بعد حضرت زید کے والد اور چچا وغیرہ کو ان کے بارے، میں معلوم ہو تو وہ ان کو لینے آئے۔ آپؐ نے حضرت زید کو اختیار دیا کہ چاہیے جسے چن لیں۔ حضرت زید نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کو والدین کے گھر کی آزادی پر ترجیح دی۔ رشتہ دار بخوشی واپس چلے گئے اور آپؐ ان کی اس ادا پر اس قدر مسرور ہوئے کہ حرم کعبہ

Marfat.com

میں جاکر قریشی سرداروں کے سامنے زید کو نہ صرف آزاد کرنے کا اعلان کیا بلکہ ان کو بیٹا بنالیا۔اس بناپر وہ مدتوں زید بن محمد کہلاتے رہے۔

اولادنبوی:

ازدواجی زندگی کے پرمسرت پانچ سال ہی گذرے تھے کہ اللہ تعالے نے آپؐ کو ایک فرزند دیا جس کا نام آپؐ نے قاسم رکھا۔ بڑے بیٹے کے نام ہی سے آپؐ کی کنیت ابوالقاسم پڑی جوعرب ثقافت میں سماجی مرتبہ اوراعزاز کی نشانی ہے اورمعزز لوگوں کوان کی کنیت ہی سے خطاب کیا جاتا تھا۔اس کے ایک برس بعدآپؐ کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب پیدا ہوئیں (۶۰۱ء)۔

گھر میں بچوں کی موجودگی سے رونق آئی ہی تھی کہ صاحبزادے قاسم کا۶۰۱ء میں دوسال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔مگر۶۰۲ء میں اللہ نے ان کے بدلے ایک اورصاحبزادی عطا کیں جن کا نام رقیہ رکھا گیا۔۶۰۳ء میں آپؐ کوتیسری دختر حضرت ام کلثوم پیدا ہوئیں ایک فرزند عبداللہ بھی پیدا ہوئے مگروہ بھی جلد ہی وفات پاگئے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ آپؐ کے ایک فرزند طاہر بھی تھے جن کا نام آپ نے اپنے حقیقی چچازبیر کے فرزند کے نام پر رکھا تھا۔ایک اورفرزند طیب کے پیدا ہونے کا ذکر کیا گیا ہے لیکن بعض محققین نے طیب وطاہر دونوں کوحضرت عبداللہ بن محمد کالقب بتایا ہے۔حضرت خدیجہ سے آپؐ کی آخری اولاد حضرت فاطمہ تھیں۔جب آپؐ کی عمرشریف چالیس سال تھی۔عام طور پر یہ خیال ہے کہ حضرت فاطمہ نبوت کے سال یعنی۶۱۰ء میں پیدا ہوئیں۔

آپ کے گھر میں اپنی اولادوں کے علاوہ حضرت خدیجہ کے پہلے تین بچے بھی آپؐ ہی کے زیرسایہ رہتے تھے یعنی ہندبن ابی ہالہ، ہالہ ابن ابی ہالہ اور ہند بنت عتیق ان کے ساتھ ساتھ حضرت زید بن حارثہ، حضرت امّ ایمن جوآپؐ کی دایہ تھیں اور بعض دوسرے موالی (غلام وآزادکردہ غلام) بھی رہتے تھے۔

حضرت زیدآپؐ کے متبنٰی (گود لیے ہوئے) فرزند تھے۔نبوت سے پانچ چھ برس قبل

Marfat.com

جب آپؐ کے چچا ابوطالب کی مالی حالت دگرگوں ہوئی اور مکہ میں قحط وخشک سالی کی بناپر سخت گرانی پیدا ہوگئی تو آپؐ نے اپنے شفیق چچا اور مربی کا بوجھ کم کرنے کے لیے ان کے چھوٹے فرزند حضرت علی کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ جناب ابو طالب کی کافی اولادیں تھیں۔ ان کے دوسرے فرزند جعفر کو حضرت عباس نے جو کافی مال دار تھے اپنی کفالت میں لے لیا۔

سماجی زندگی:

مکی تجارت میں حصہ لینے کے علاوہ آپؐ نے دوسرے عوامی کاموں میں بھی خوب حصہ لیا۔ تجارت کی وجہ سے آپؐ کی دیانت وامانت کی اتنی شہرت ہوئی کہ آپؐ کو مکہ کے لوگوں نے بالاتفاق ''الصادق'' (سچا) اور ''الامین'' (امانت دار) کے خطابات دیئے اور آپؐ کے گھر میں اپنی رقمیں اور ساز وسامان بطور امانت رکھوانے لگے جب ضرورت پڑتی لے جاتے اور آپؐ کے کردار اور حسن اخلاق کا چرچا کرتے۔ عمر کے اس مرحلہ میں دو اہم واقعات پیش آئے جن سے آپؐ کی قدر ومنزلت میں اور اضافہ ہوا۔ ان سے آپؐ کے سماجی مرتبہ اور خیر وفلاح کے کاموں میں حصہ لینے کا بھی پتہ چلتا ہے۔

خانہ کعبہ کی نئی تعمیر:

بارش کے پانی اور زمانہ کے سرد وگرم کے سبب خانہ کعبہ کی عمارت خستہ ہو چکی تھی۔ لہٰذا ۶۰۵ء میں جب آپؐ کی عمر شریف پینتیس سال تھی، قریش مکہ نے اپنی حلال کی کمائی اور سود سے پاک مال سے خانہ کعبہ کی عمارت کو نئے سرے سے بنانے کا فیصلہ کیا۔ سرداروں اور بزرگوں کے مشورے سے عمارت کو ڈھایا گیا اور قریش کے ہر خاندان کے لیے عمارت تعمیر کرنے کا حصہ متعین کیا گیا۔

آپؐ نے اپنے خاندان بنو عبد مناف کے لیے متعینہ حصہ کی تعمیر میں ہاتھ بٹایا۔ پتھر ڈھوئے اور دوسرے کئی کام کئے جب حجرا سود کو اس کے مقام پر رکھنے کا وقت آیا تو ہر قبیلہ جھگڑنے لگا کہ وہ اس شرف کا زیادہ حقدار ہے۔ قریب تھا کہ جنگ وجدال کی نوبت آجاتی مگر کسی نے مشورہ دیا کہ جو شخص مسجد حرام کے دروازے (باب بنی شیبہ یا با الصفا) سے سب سے

Marfat.com

پہلے داخل ہو اس کا فیصلہ مان لیا جائے۔ تقدیر الٰہی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس دروازے سے داخل ہوئے اور سب نے بخوشی آپؐ کو حکم بنالیا۔

آپؐ کا فیصلہ آپؐ کی دوراندیشی فہم وفراست اور حکمت عملی کا نمونہ تھا آپؐ نے ایسا طریقہ اختیار فرمایا کہ تمام قبیلوں کو حجر اسود نصب کرنے کا شرف مل گیا اور کسی کو تکدر نہ ہوا۔ آپؐ نے ایک چادر منگوا کر اس کے بیچوں اپنے ہاتھ سے حجر اسود رکھا اور قریشی سرداروں سے کہا کہ وہ سب چادر پکڑ کر اس کو حجر اسود کے نصب کرنے کی جگہ تک لائیں۔ انہوں نے بخوشی ایسا کیا اور پھر آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اس کو نصب کر دیا۔ سب کو آپؐ کے فیصلے اور طریقے سے نہ صرف خوشی ہوئی بلکہ وہ آپؐ کی سوجھ بوجھ، دانائی اور دوراندیشی کا لوہا مان گئے۔

حلف الفضول میں شرکت:

مکہ مکرمہ کے لوگ آپؐ کے اخلاق ودیانت اور فہم وفراست سے متاثر تھے اس لیے اکثر آپؐ سے اپنے جھگڑے چکانے اور معاملات طے کرانے کیلئے رجوع کیا کرتے تھے لیکن ایسی کوئی مستقل مجلس نہ تھی جو مکہ مکرمہ میں ظلم واستحصال کے خلاف کام کرتی۔ شخصی اثرات اجتماعی قوت سے محروم ہوتے ہیں۔ ۶۰۵ء میں جب آپؐ کی عمر شریف پینتیس سال تھی قریش کے بعض اچھے لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک معاہدہ کیا جائے جس کے تحت مکہ میں کسی پر ظلم نہ کیا جاسکے۔ بعض مورخین نے اس معاہدہ کا سال ۵۹۱ء یا عام الفیل لکھا ہے۔

بہرحال حضرت ابوبکر صدیق کے ایک عزیز اور مکہ کے مالدار ومخیر تاجر عبداللہ بن جدعان تیمی کے گھر بنو ہاشم، بنوزہرہ، بنواسد بنو مطلب بنو تیم اور غالباً بعض اور لوگ بھی جمع ہوئے اور یہ معاہدہ کیا گیا۔ چوں کہ اس معاہدہ کے الفاظ میں الفظ فضول (چھینی ہوئی فاضل رقم) آتا تھا، اس لیے یہ نام پڑا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ہر مظلوم کی مدد کی جائے۔

بعض جدید مورخین اور سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ عارضی اور بیکار معاہدہ تھا جس کا اثر نہیں ہوا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ حلف الفضول کافی کارگر ہوا اور اس کی اجتماعی قوت نے کئی بار مظلوموں کی دادرسی کی۔ عاص بن وائل سہمی نے اس سے مجبور ہو کر ایک زبیدی (یمنی) تاجر کا چھینا ہوا مال واپس کیا۔ دوسرے موقعہ پر بنو جمح کے ایک مالدار تاجر اور سرمایہ دار امیہ ابن خلف

Marfat.com

نے ایک شمالی تاجر کی رقم لوٹائی۔ ایک تیسرے تاجر نبیہ بن حجاج سہمی نے قبیلہ خثعم کی باندی اسی معاہدہ کے زیر اثر واپس کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس معاہدہ کے اثرات کافی وسیع اور دیرپا رہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معاہدہ بہت پسند تھا کہ آپؐ اس کے ایک شریک تھے۔ آپؐ اس کی اہمیت سرخ اونٹوں سے زیادہ سمجھتے تھے جو عرب میں سب سے زیادہ قیمتی شے سمجھے تھے۔ بعثت کے بعد بھی آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ ایسے معاہدہ میں شرکت کی دعوت ملے تو میں بخوشی شریک ہوں گا۔

سماجی تعلقات:

تجارت وعزیز داری اور پڑوس کے سبب آپؐ کے تعلقات یوں تو سب سے اچھے تھے اور سب آپؐ کے حسن اخلاق کے گرویدہ تھے لیکن مکہ مکرمہ میں آپؐ کے دوستانہ تعلقات اور قریبی روابط چند مخصوص لوگوں سے تھے۔ یہ سب کی صالح نوجوان، باکردار اشخاص اور معزز و شریف لوگ تھے۔

ان میں اہم ترین اور قریب ترین دوست اور عزیز رفیق حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ تیمی تھے۔ اگرچہ ان سے جان پہچان اور عام تعلقات تو بچپن سے تھے لیکن رفاقت ودوستی کا خاص تعلق آپؐ سے بیس سال کی عمر میں ہوا۔ وہ آپؐ سے دوسال چھوٹے تھے۔ ابوبکر تیمی نہ صرف ایک معزز قریشی خاندان کے رکن تھے بلکہ قریشی اشرافیہ میں دیت ومغارم کے عہدہ دار بھی تھے۔ مالدار تاجر اور باعزت شہری ہونے کے علاوہ انساب عرب کے ماہر تھے۔ وہ ان چند لوگوں میں سے تھے جنہوں نے شراب کو کبھی ہاتھ نہ لگایا تھا۔ وہ اخلاقی لحاظ سے بہت بلند تھے۔ نیک کام کرتے، غریبوں کی مدد کرتے اور مصیبت کے ماروں کے دکھ درد کا مداوا کرتے تھے۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمی آپؐ کے چچا تھے لیکن صرف چار سال بڑے ہونے کے سبب آپؐ کے ہم عمر ہی تھے۔ وہ آپکے رفیق بھی تھے۔ دوسرے چچا حضرت حمزہ آپؐ کے چچا ہونے کے ساتھ خالہ زاد اور رضاعی بھائی بھی تھے۔ وہ آپؐ سے صرف دوسال بڑے تھے۔ تمام احترام ولحاظ کے باوجود ان سے دوستانہ روابط تھے۔ حضرت خدیجہ کے بھتیجے حضرت حکیم بن

Marfat.com

حزام بھی آپؐ کے احباب خاص میں تھے۔ وہ مالدار اور معزز تاجر ہونے کے ساتھ صاحب خیر بھی تھے۔ انہوں نے بنونوفل سے رفادہ اور بنوعبدالدار سے دارلندوہ کی عمارت خرید لی تھی اور ان کے عہدہ دار بن گئے تھے۔ جاہلی دور میں بھی وہ اکثر غلام آزاد کیا کرتے تھے۔ وہ دوسرے اہم کاموں خاص کر ہر کار خیر میں حصہ لیا کرتے تھے۔

ان کے علاوہ حضرت عمار بن یاسر مذحجی، عبداللہ بن مسعود ہذلی، صہیب بن سنان نمری، ضماد بن ثعلبہ ازدی، ابوسلمہ مخزومی اور عبداللہ جحش اسدی (بنوخزیمہ) وغیرہ بھی آپؐ کے قریبی احباب اور رفقاء میں تھے۔ ابوسلمہ مخزومی تو آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی اور رضاعی بھائی بھی تھے۔ اسی طرح حضرت عثمان بن عفان اموی آپؐ کی پھوپھی ام حکیم البیضاء کی بیٹی اردیٰ کے فرزند اور آپؐ کے بھانجے لگتے تھے۔

عام مکی سماج میں آپؐ غریبوں کا کام کرتے مفلس ومہمان کو کھلاتے، بے زر کو مال دیتے، غریبوں کے کام آتے اور اجنبیوں کی مدد کرتے تھے۔ غرضیکہ ہر کس وناکس کی مدد اور امداد آپؐ کے کردار کا لازمی حصہ تھا۔

احناف یا حنفیت:

شروع ہی سے آپؐ مکہ مکرمہ اور قریش کے معاشرے سے خوش نہ تھے۔ سن رشد کو پہنچے تو آپؐ کی روحانی بے چینی اور دماغی اضطراب میں اضافہ ہوا۔ مکہ کے کئی صالحین اور اہل دانش حالات کی رفتار سے مطمئن نہ تھے۔ ان میں سے کئی لوگ ازخود شراب، جوئے زنا اور دوسرے برے کاموں سے بچنے لگے تھے، ان میں عبداللہ بن جدعان تیمی، عثمان بن عفان اموی اور ابوبکر تیمی وغیرہ شامل تھے۔

زیادہ بے چین روحوں نے دین حق کی تلاش شروع کردی کہ وہ اپنے قومی مذہب سے متنفر تھے۔ دین ابراہیم کا نام تو سن رکھا تھا اور اس کے نام لیوا بھی تھے مگر اس کی حقیقت نہ جانتے تھے۔ بہت تلاش وکوشش کے بعد ان لوگوں نے بت پرستی اور مشرکانہ رسوم ترک کردیں اور اپنے آپؐ کو موحد وحنیف کہنے لگے۔ وہ اللہ کی عبادت تو کرتے تھے مگر اس کا صحیح طریقہ

Marfat.com

نہیں جانتے تھے۔

ان احناف میں چار اشخاص ممتاز ہیں۔ان کے نام ہیں :ورقہ بن نوفل اسدی، زید بن نفیل عدوی، عثمان بن الحویرث اسدی، عبیداللہ بن جحش اسدی۔ان سب سے آپؐ کی جان پہچان تھی۔ ورقہ تو آپؐ کے قریبی عزیز تھے کہ حضرت خدیجہ کے عم زاد تھے۔ جب کہ عبیداللہ جحش آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔زید بن نفیل سے آپؐ کی کئی ملاقاتوں کا ذکر آتا ہے۔ قس بن ساعدہ کے موحدانہ خطبے آپؐ نے کئی بار سنے تھے۔ابن قتیبہ دینوری نے چھ مزید احناف کا ذکر کیا ہے۔

ان لوگوں کے طرز عمل سے اگرچہ کسی توحیدی یا موحدانہ تحریک کی داغ بیل تو نہیں پڑی تاہم اس نے بہت سے ذہنوں کو جھنجھوڑ دیا اور ان کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔ان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔آپؐ اکثر اور ماہ رمضان میں خاص کر پورے ماہ تک غارِ حرا میں قیام کرتے۔ وہاں عبادت (تحنث) کرتے اور غور و فکر کیا کرتے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپؐ زیادہ سے زیادہ خلوت گزیں ہوتے گئے اور روحانی کرب و اضطراب کا اثر آپؐ پر نمایاں ہونے لگا۔یہ آثار آپؐ کی رسالت کے تھے۔

Marfat.com

بعثتِ نبوی

بعثت سے پہلے کی حالت:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام فطری استقامت، قدرتی صالحیت اور روحانی وذہنی بے چینی کے باوجود دین کا صحیح علم حاصل نہیں تھا جس کی بنیاد وحی الٰہی پر ہوتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ آپؐ کو دوسرے معاصر لوگوں کی مانند رسالت کے ادارے کا علم تھا اور کسی حد تک اللہ کا تصور بھی تھا لیکن ان کا صحیح علم نہ تھا

یہ بھی صحیح ہے کہ اس زمانہ کے اہل علم جانتے تھے کہ ایک نبی آخر الزماں تشریف لانے والے ہیں اور ان کی پیش گوئیوں کے سبب عام لوگ بھی ان کے منتظر ہو گئے تھے مگر کسی کو معلوم نہ تھا کہ کب اور کہاں ان کا ظہور ہوگا اور وہ کون ہوں گے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ لوگ آپؐ کے اعلیٰ کردار اور پاکیزہ شخصیت سے متاثر تھے لیکن کسی کو آپؐ کے نبی بننے کا گمان بھی نہ تھا اور تو اور خود آپؐ کو بھی اس کا خیال نہ آیا تھا۔ خود قرآن مجید اعلان کرتا ہے کہ "آپؐ کچھ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے"۔ ماکنت تدری مَا الکتاب ولا الا ایمان (شوریٰ ۵۲) اور آپؐ کو امید نہ تھی کہ آپؐ کی طرف کتاب اتاری جائے گی :وَماکنت تر جوأن یلقیٰ الیک الکتاب (قصص ۸۶) پھر قرآن نے بعثت سے قبل آپؐ کی زندگی کو ضلال (صحیح دین سے ناواقفیت) قرار دیا ہے :وَوَجَدَکَ ضَا لّاً فَھَدیٰ (ضحیٰ ۷) اور اللہ نے آپؐ کو بے راہ پایا پھر ہدایت دی، اس لیے وہ تمام روایات اور پیش گوئیاں جو آپؐ کی پیدائش کے قبل یا بعثت سے

Marfat.com

پہلے آپؐ کے نبی ہونے کا اعلان کرتی ہیں قرآن مجید کے خلاف ہیں اور اس لیے صحیح نہیں ہیں۔

بعثت کی سنت الٰہی:

اللہ تعالی کی یہ بھی سنت ہے کہ وہ انبیاء اور رسولوں کے انتخاب و بعثت سے قبل کسی کو اور خود ہونے والے رسول کو بھی نبی بنانے کی پہلے سے خبر نہیں دیتا۔ اس کی زندگی کو ایک طویل مدت تک جو عام طور پر چالیس برس پر مبیط ہوتی ہے اعلی اخلاق و کردار کی بناتا ہے تا کہ سابقہ زندگی کو اور عام بے خبری کی حالت کو اس کی نبوت و رسالت پر دلیل بنائے۔ یہ انتخاب اچانک ہوتا ہے اور اس کا اعلان اس سے بھی زیادہ ہنگامی۔ جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے معاملہ میں ہوا۔

نبوت محمدی:

رویائے صادقہ: دوسری سنت الٰہی یہ ہے کہ منتخب رسول اور چیدہ نبی کو ذاتی طور سے تیار کرنے کے لئے اس کی نبوت کا آغاز سچے خوابوں (رویاء صادقہ) کے دکھانے سے ہوتا ہے۔ رات یا دن نیند میں جو خواب دیکھتے ہیں وہ بیداری میں صورت واقعہ بن جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیوی، محرم راز اور عورتوں میں سب سے بڑی عالمہ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ عیلہ وسلم پر وحی میں سے جو چیز سب سے پہلے آنی شروع ہوئی وہ رویاء صالحہ (سچے خواب) تھے جو نیند میں دیکھتے اور جب کوئی خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی مانند سچا ہو جاتا۔"

وحی کے بارے میں یہ جان لینا چاہئے کہ وہ کئی قسم کی ہوتی ہے: رویائے صادقہ، القاء، الہام، پردے کے پیچھے سے کلامِ الٰہی، فرشتے کے ذریعہ پیغام رسانی، فرشتوں کے ذریعہ تعلیم کا نزول وغیرہ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شروعات سچے خوابوں کے دیکھنے سے ہوئی

رویات میں اتفاق ہے کہ جب آپؐ نے چالیس برس کی عمر پوری کی تو آپؐ نبی بنائے گئے۔ یہ دوشنبہ کا دن ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ اور واقعہ الفیل کا سال اور آپؐ کی پیدائش کے بعد اکتالیسویں سال کا پہلا دن تھا جو سنہ عیسوی کے مطابق ۶۱۰ء تھا اور سنہ اسلامی کے مطابق ۱۲ ربیع الاول ۱۴ نبوی۔

Marfat.com

رویاءصادقہ کی مدت ومقصد:

سچے خواب دیکھنے اوران کے واقعہ بننے کا سلسلہ چھ ماہ تک جاری رہا۔اس دوران آپؐ غیبی آوازیں سنتے،شجروحجر سلام کرتے اورطرح طرح کے غیبی معاملات پیش آتے۔ ان سب کا مقصد یہ تھا کہ آپؐ کورسول ہونے کے اہم منصب کا احساس دلائیں اورآپؐ کے دل کو مضبوط وثابت بنائیں تا کہ آپؐ اللہ کے اترنے والے کلام کو برداشت کرنے کی قوت پیدا کرسکیں۔ وہ کلام الٰہی جسے اگر پہاڑ پر اتار دیا جاتا وہ ریزے ریزے ہوکر بکھر جاتا (سورۂ حشر۲۱)اورجس بارامانت کواٹھانے سے آسمان،زمینوں اور پہاڑوں نے اپنی کوتاہی کے سبب انکارکردیامگر جسے انسان نے اٹھالیا(سورہ احزاب۷۲)جہاں تک آپؐ کے اپنے رسول ہونے کا یقین کاتعلق ہے وہ پہلے لمحہ سے تھااورکامل تھا۔

ان عجیب وغریب واقعات کا ذکرآپؐ نے اپنی رفیق حیات حضرت خدیجہ سے کیا تو انہوں نے آپ کی تصدیق کی اورتسلی دی۔مزیداطمینان دلانے کیلئے وہ آپؐ کواپنے چچازاد بھائی حضرت ورقہ بن نوفل اسدی کے پاس لے گئیں جوحنیف سے عیسائی اورتورات وانجیل کے عالم بن چکے تھے۔انہوں نے بھی آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی اورآپؐ کواطمینان دلاکر آئندہ کے لیے تیارکیا۔حضرورقہ بن نوفل سے آپؐ کی کئی ملاقاتیں ہوئیں۔

رویائے صادقہ کی مدت چھ ماہ پرمحیط تھی اور یہ آپؐ کی نبوت کا پہلا زمانہ ہے۔یہ نبوت کا دیباچہ اورتمہید نہیں تھی بلکہ اصل نبوت وبعثت تھی۔اسی لیے آپؐ نے سچے خوابوں کا نبوت کا چھیالسیواں حصہ قراردیا ہے۔صحیح پیشگوئیوں کاتعلق اسی زمانے سے ہے۔حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس بعثت پرسرفرازی کے بعدآپؐ کی خلوت نشینی اوربڑھ گئی اورآپؐ غارحرامیں زیادہ سے زیادہ وقت گذارنے لگے۔یہ اصل ورصحیح تخث (عبادت) تھی۔

اولین نزول قرآن:

رمضان ۴۱ نبوی/دسمبر ۶۱۰ء میں جب آپؐ کی عمرشریف چالیس سال چھ ماہ ہوچکی تھی اورآپؐ غارحرامیں عبادت کے درمیان محوخواب تھے کہ آپؐ نے بعثت کے ابتدائی دور کا آخری

Marfat.com

خواب دیکھا۔ حضرت جبرئیل علیہ اسلام ایک ریشمی جزدان (نما دیباج) میں لپٹی ایک کتاب لائے اور آپؐ کے سامنے اس کو رکھ کر کہا کہ پڑھیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ انہوں نے دوبار اور کہا اور دونوں بار آپؐ کو بھینچا۔ تیسری بار آپؐ نے ان سورۂ اقراء کی ابتدائی پانچ آیات پڑھیں۔ جب آپؐ نیند سے بیدار ہوئے تو آپؐ نے محسوس کیا کہ وہ پانچوں آیات آپؐ کے سینۂ مبارک میں تحریر کی مانند نقش ہیں۔ بعد میں اسی رات (لیلۃ القدر میں) یہی واقعہ آپؐ کے ساتھ بیداری میں پیش آیا اور آپؐ نے وہ آیات بہ ہوش وحواس حضرت جبریل سے سنیں۔

حضرت خدیجہ اور حضرت ورقہ کی تصدیق:

کلام الٰہی کے جلال وگراں باری نے آپؐ کو لرزاں کر دیا اور آپؐ کانپتے لرزتے گھر کے لیے روانہ ہوئے۔ پہاڑ کے بیچ میں ایک بار پھر حضرت جبریل نظر آئے اور انہوں نے آپؐ کی رسالت کی تصدیق مزید کی۔ آپؐ گھبرائے ہوئے گھر پہنچے اور کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے۔ سارا ماجرا حضرت خدیجہ کو سنایا۔ انہوں نے آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی اور آپؐ کے اوصاف گنا کر آپؐ کو تسلی اور تشفی دی۔ وہ ایک بار پھر آپؐ حضرت ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ انہوں نے نہ صرف آپؐ کی رسالت کی تصدیق کی بلکہ حضرت جبریل اور کلامِ الٰہی کی تصدیق کر کے آپؐ کے پیغام کو حضرت موسیٰ کے پیغام کی مانند قرار دیا۔ اور آئندہ مشکل زندگی کی پیش گوئی کی اور آپؐ کی کامیابی کی خبر دی۔

قرآن مجید کی ان پانچ آیات کے نزول کے ساتھ آپؐ پر تنزیل قرآن کا سلسلہ شروع ہوا جو آپؐ کی بعثت کے چھ ماہ بعد کا واقعہ ہے۔ قرآن مجید نے اس کو شب قدر میں نازل کرنے کی بات کہی ہے۔ اس مبارک رات کی تعیین وتاریخ میں علماء وسیرت نگاروں کا اختلاف ہے۔ زیادہ اقوال ۲۷ تاریخ کے ہیں اور بعض نے ۱۷ رمضان تسلیم کیا۔

اسلام کی پہلی تعلیم:

قرآن کریم کی پہلی تنزیل کے بعد جس میں توحید ورسالت کی تعلیم موجود تھی آپؐ کو

Marfat.com

حضرت جبریل نے وضو کرنے اور نماز پڑھنے کی عملی تعلیم دی۔ شروع میں صرف دن میں ایک بار دو رکعت نماز کا حکم دیا گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو اور نماز کا طریقہ حضرت خدیجہ کو سکھایا جو روز اول سے مسلمان تھیں۔ حکم الٰہی کے مطابق آپؐ اور حضرت خدیجہ چھپ چھپ کر نماز پڑھتے تھے کہ ابھی اللہ کا حکم ظاہر کرنے کا نہ تھا۔

فترۂ وحی:

وحی یعنی قرآن مجید کی پہلی آیتیں اترنے کے بعد یہ سلسلہ رک گیا تا کہ آپؐ کے دل کی مضبوطی مکمل ہو جائے۔ اللہ تعالےٰ کے نظام میں تدریج اور منزل بہ منزل کام کرنے کی سنت جاری ہے۔ قرآن مجید کا اترنا بھی اسی طرح تھا۔ عارضی طور پر وحی رکنے کو فترہ کہا جاتا ہے۔

تبلیغ کا حکم اور پہلے مسلمان:

کچھ مدت کے بعد جو عام طور سے چالیس دن مانی جاتی ہے۔ سورۂ مدثر کی ابتدائی آیا ت اتریں۔ ان میں اللہ کی طرف سے آپؐ کو حکم ہوا کہ لوگوں میں اللہ کے دین کو خفیہ طریقہ سے پھلائیں۔ حضرت خدیجہ تو بلا تبلیغ مسلمان ہو چکی تھیں اور بالاتفاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلی مسلمان تھیں۔ ان کے بعد ابوبکر تیمی نے بلا جھجک اسلام قبول کر لیا، اسی لیے وہ صدیق کہلائے۔ آپؐ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کے علاوہ آپؐ کی تمام بیٹیاں .....زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ .....اور دوسرے سوتیلے، بیٹیاں بھی مسلمان ہو گئے۔ حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی دس گیارہ سال کی عمر میں ہی مسلمان ہو گئے۔ عام طور سے وہ پہلے چار مسلمانوں میں شامل کیے جاتے ہیں۔ یہ واقعہ شوال ذوقعدہ سنہ ۴۱ نبوی / جنوری، فروری سنہ ۶۱۱ء کا ہے۔

خفیہ تبلیغ کا تین سالہ زمانہ:

اسلام کی تبلیغ کا پہلا دور خفیہ تبلیغ کا ہے جو تین سال سنہ ۳-۴۱ نبوی ۱۳-سنہ ۶۱۰ء محیط ہے۔ اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو خفیہ تبلیغ کرتے ہی رہے مگر ساتھ ہی آپؐ کے سچے جاں نثار اور مبلغ حضرت ابوبکر صدیق بھی اپنے دوستوں اور عزیزوں کے حلقوں میں اسلام پھیلاتے

Marfat.com

رہے۔ان کی کوششوں سے حضرت عثمان بن عفان اموی، حضرت زبیر بن عوام اسدی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری، حضرت سعد بن ابی وقاص زہری اور حضرت طلحہ عبید اللہ تیمی اسلام لائے۔پھر یہ سلسلہ جاری رہا اور حق کے متلاشی اور نیک روحوں والے برابر اسلام لاتے رہے۔

اولین مسلموں کا تجزیہ:

اس دور میں جو لوگ اسلام لائے ان کے بارے میں چند باتیں جاننی ضروری ہیں کیوں کہ ان سے اسلام کی سچائی اور تاریخ کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔اول یہ کہ مکہ مکرمہ کے قریشی اور غیر قریشی تمام خاندانوں کے بہت سے لوگ اسلام لائے۔ان خاندانوں بنو ہاشم بنو عبد المطلب، بنو عبد شمس / بنو امیہ، بنو امیہ کے حلیفوں میں سے خاندان بنو غنم بن دودان / اسد خزیمہ، بنو تیم، ان کے حلیف بنو نمر بن قاسط، بنو اسد، بنو عبدالغریٰ بنو زہرہ اور ان کے حلیف بنو ہذیل، بنو کندہ، بنو تمیم وغیرہ، بنو عدی اور ان کے حلیف بنو بکیر وغیرہ بنو عبدالدار بنو جمح، بنو سہم اور ان کے حلیف، بنو مخزوم اور ان کی مدجی حلیف، بنو عامر بن لوی، بنو فہر بن مالک، بنو عبد قصی شامل تھے۔خاندانوں کی تعداد دو درجن سے زیادہ تھی۔

دوم یہ کہ یہ سب معزز خاندانوں کے لوگ تھے۔ان میں سے اکثر و بیشتر نوجوان تھے بہت کم لوگ زیادہ عمر کے تھے۔

سوم یہ کہ اکثر و بیشتر پورے پورے خاندان مسلمان ہو گئے تھے جیسے خاندان رسالت خاندان ابوبکر، خاندان عمار وغیرہ۔

چہارم یہ کہ ابتدائی مسلمانوں میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ان میں شادی شدہ عورتیں، کنواری لڑکیاں اور کمسن بچے شامل تھے۔

پنجم یہ کہ متعدد کنیزیں اور غلام بھی مسلمان ہو گئے تھے، جیسے حضرت بلال، حضرت امّ ایمن حضرت زنیرہ، حضرت ام عبیس، حضرت ابوفکیہہ، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت لبنیہ وغیرہ۔

ششم یہ کہ کسی قبیلہ / خاندان نے اسلام کی مخالفت یا اس کا انکار قبائلی عصبیت یا دشمنی کی وجہ سے نہیں کیا تھا۔

Marfat.com

ہفتم یہ کہ اس تین سالہ دور کے کل مسلمانوں کی تعداد کئی سو سے اوپر تھی۔

اسلام کی دعوت:

آخر اسلام کی وہ کون سی دعوت تھی جو لوگوں کو اپنا آبائی دین اور پرانا طریقہ چھوڑنے پر آمادہ کر دیتی تھی؟ عام الفاظ میں یہ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید، رسالت اور آخرت کے عقیدوں کی تعلیم دی۔ نیک اور اچھے اخلاق سکھائے، پاک چیزوں کا حکم کیا اور نماز وطہارت کی عملی مشق کرائی۔

ا۔توحید: اسلام کی اصلی دعوت جس نے لوگوں کو کھینچا قرآن مجید کی ان ابتدائی سورتوں میں موجود ہے جو مکہ میں اتری تھیں۔ توحید الٰہی کی تعلیم یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو الٰہ ومعبود اور مالک وآقا مانا جائے۔ اس کے سوا کسی اور کو نہ تو عبادت کے لائق مانو۔ نہ اس کی عبادت کرو اسی کو سارے جہان کا مالک مانو اور دینا و کائنات کی ہر شے پر قادر اور متصرف سمجھو۔ نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کرو۔

ب۔رسالت: اسی اللہ نے اپنے بندوں کو صحیح راہ دکھانے کے لیے شروع سے ضرورت کے وقت رسول بھیجے۔ ان میں آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ قیامت تک تمام لوگوں کے رسول و نبی ہیں۔ ان کو مانو اور ان کی اطاعت و پیروی کرو۔ ان کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلو۔ ان کے احکام مانو۔ جس چیز سے وہ روکیں اس سے رک جاؤ۔ ایمان سب رسولوں پر رکھو مگر پیروی صرف ان کی کرو۔

ج۔آخرت: اللہ نے یہ دنیا ایک خاص مقصد سے بنائی ہے۔ وہ مقصد ہے اچھائی یعنی خیر اور برائی شر پر چلنے والوں کا امتحان لینا۔ جو نیک کام کریں۔ اللہ اور رسول کو مانیں ان کو دنیا اور آخرت کی بھلائی دینا اور جو برے کام کریں اور اللہ و رسول کو نہ مانیں، ان کو ان کے برے اعمال پر سزا دینا۔ یہ جزا وسزا کا اصلی دن قیامت کا دن ہوگا، جب یہ دنیا ختم کر کے سب کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اچھوں کو جنت ملے گی اور بروں کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس عقیدہ پر ایمان رکھنا آخرت ومعاد کا عقیدہ ہے۔

Marfat.com

د۔ مسلم کے فرائض: اس لیے مسلم کا فرض ہے کہ اچھے کام کرے۔ اللہ کے بتائے ہوئے فرض جیسے نماز وغیرہ ادا کرے۔ مسلمانوں کی مدد کرے۔ سچ بولے، جھوٹ سے بچے، کسی پر ظلم نہ کرے، مظلوم کا ساتھ دے ظالم کو روکے، پڑوسی اور ملک والوں کی مدد کرے۔ غریبوں کو کھانا کھلائے اور ان کی امداد کرے۔ مہمان نوازی کرے، مفلس، یتیم، بیوہ کی مدد کرے، سب کا حق ادا کرے۔ حلال روزی کمائے اور کھائے، حرام چیزوں سے بچے۔ امانت داری سے رہے، وعدے پورے کرے۔ غرضیکہ پاک وصاف زندگی بسر کرے۔ اسی کو تقویٰ کہتے ہیں۔

س۔ اسلام کا اثر: اسلام کی ان اچھی اور سچی تعلیمات نے ان کے دل موہ لیے تھے۔ بنیادی سبب ان کے اسلام لانے کا یہی تھا۔

قرآن کی تاثیر:

ان اچھی وہ عمدہ تعلیمات میں مزید اثر اللہ کے کلام سے پیدا ہوا تھا۔ قرآن مجید کی عربی زبان اتنی ادبی اور دلکش ہے کہ وہ ان پہلے مسلمانوں کو جو عرب تھے مسحور کر لیتی۔ وہ جان جاتے کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہوسکتا یقیناً اللہ کا کلام ہے اور وہ مسلم بن جاتے۔

ذات نبوی کی مقناطیسیت:

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات تھی۔ وہ آپؐ کے کردار اور اخلاق سے پہلے ہی سے متاثر تھے۔ وہ جانتے تھے کہ آپؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کبھی دھوکہ نہیں دیا۔ پھر آپؐ اللہ پر کیوں جھوٹ باندھیں گے۔ لہٰذا وہ آپؐ کی سیرت وشخصیت سے متاثر ہوکر اسلام قبول کر لیتے تھے۔

اصلاح حال کی خواہش:

دیناوی کامیابی اور آخرت کی بھلائی کے علاوہ ان کے اپنے معاشرہ اور زندگی میں پھیلی ہوئی افراتفری اور گندگی سے وہ جب اسلام کا موازنہ کرتے تو ان کو اپنی زندگی جھوٹی اور اسلام سچا دکھائی دیتا۔ ظاہر ہے کہ اچھے دل اور صاف دماغ والوں کے لیے اسلام قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

Marfat.com

اولین مرکز کا قیام:

مکہ مکرمہ میں جولوگ مسلمان ہوگئے تھے ان کے لئے ایک مشکل یہ تھی کہ وہ کیسے اپنے دین کو چھپائے رکھیں تا کہ ان کے گھر والے اور قریش کے سردار مخالفت نہ کرنے لگیں۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی تعلیم کیسے اور کہاں حاصل کریں۔ اس سے بڑی مشکل یہ تھی کہ وہ اسلام کے سب سے بڑے رکن نماز کو کس جگہ ادا کریں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام مقاصد کے حصول کے لیے اکثر وبیشتر مسلمانوں کو چھوٹے چھوٹے گروہوں کی صورت میں مکہ کی کسی گھاٹی اور پہاڑوں کے دروں میں بلا لیتے۔ وہا ں وہ باجماعت نماز پڑھتے اور دین سیکھا کرتے۔ ابوطالب ہاشمی نے ایک دن آپؐ کے ساتھ حضرت خدیجہ اور حضرت علی کو نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا یہ کون سا دین ہے؟ وہ تو آپؐ کے حامی تھے۔ انہوں نے کچھ نہ کہا بلکہ حضرت علی کو آپؐ کی پیروی کرنے کی اجازت بھی دے دی۔

مگر سب ایسے نہ تھے۔ مسلمانوں کے ایک گروہ کو مکہ کے کچھ سرداروں نے اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو برا بھلا کہنے لگے۔ معاملہ بڑھا تو نوبت لڑائی تک پہنچ گئی۔ حضرت سعد بن وقاص نے ایک شخص کو ہڈی مار کر زخمی کر دیا اور دوسرں نے پتھر مار مار کر انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے واقعات کا سدباب کرنے کے لئے ایک محفوظ جگہ پر ایک اسلامی مرکز قائم کرنے کا سوچا۔ بنومخزوم کے ایک اہم مسلمان حضرت ارقم بن ابی ارقم مخزومی نے اپنا مکان پیش کر دیا جو حرم کے قریب کوہ صفا کی تلہٹی میں الگ تھلگ واقع تھا آپؐ نے اسی کو اسلامی مرکز بنالیا۔ وہ دارارقم کے نام سے تاریخ اسلامی میں مشہور ہے۔ خفیہ تبلیغ کے تقریباً ڈھائی سال گذرنے کے بعد ۴۳ نبوی / ۶۱۳ء کے وسط میں یہ مرکز قائم ہوا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی مرکز میں طویل قیام فرماتے اور مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کا کام کرتے۔

علانیہ تبلیغ:

تین سالہ خفیہ تبلیغ کے دوران مکہ مکرمہ میں دین اسلام کوئی راز نہیں رہا تھا۔ راز رکھنا مقصود بھی نہ تھا۔ صرف اسلام کے لیے زمین ہموار کرنا، نومسلموں کو محفوظ رکھنا ایک جماعت پیدا کرنا،

Marfat.com

ان میں تنظیم قائم کرنا اور بلاوجہ کی مخالفت سے بچانا مقصود تھا۔

جب یہ مقاصد حاصل ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت نے چاہا تو ۳ھ نبوی / ۶۱۳ء کے بعد اللہ تعالیٰ کا حکم آیا کہ اسلام کی طرف علانیہ دعوت دیں۔ اللہ کے تاریخ ارتقاء کے اصول کے مطابق پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو باخبر کرنے کا حکم ہوا۔ :وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَکَ الْاَقْرَبِيْنَ. (شعراء ۱۱)

ا۔ قریبی اعزہ کو تبلیغ:

آپؐ نے اس حکم کی تعمیل میں اپنی پھوپھیوں کے مشورے سے اپنے خاندان بنو عبد مناف کے مردوں اور عورتوں کو ایک گھر میں دعوت پر بلایا۔ ان کے سامنے اسلام پیش کیا مگر آپؐ کے چچا ابولہب نے آپؐ کو بات پوری کرنے نہ دی اور مجلس خراب کر دی۔ آپؐ نے دوسری بار ان کی دعوت کی اور پھر دین حق پیش کیا۔ ابولہب نے پھر مجلس خراب کرنی چاہی مگر سنجیدہ لوگوں نے آپؐ کی بات سنی۔ آپؐ نے ان کو ایک اللہ کی عبادت کرنے، آپؐ کو رسول اللہ ماننے، نیک کام کرنے، آخرت کی تیاری کرنے اور دوسرے اعمال صالحہ کے ذریعے دینا سنوارنے کی دعوت دی۔ لوگوں نے اگرچہ نرمی سے کلام کیا لیکن کسی نے قبول نہ کیا۔

ب۔ اعلان عام:

رشتہ داروں پر حق کا اظہار ہو چکا تو دوسرا حکم الٰہی آیا کہ اب جو کچھ آپؐ کو حکم دیا گیا ہے اسے سب کے سامنے برملا اور واشگاف انداز میں کہہ دیجئے۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (حجر ۶)

مکہ مکرمہ کے تمام لوگوں کے سامنے اسلام کا برملا اظہار کرنے کے لیے پہلا کام آپؐ نے یہ کیا کہ مسجد حرام پہنچ کر خانہ کعبہ کے سایے میں قریشی سرداروں کی مجلسوں کے سامنے آپؐ نے علانیہ نماز پڑھی۔ پہلے تو سب حیران رہ گئے۔ پھر جب آپؐ نے برابر نماز پڑھنی شروع کی تو ابوجہل مخزومی کی مذہبی عصبیت بھڑک اٹھی اور اس نے آپؐ کو روکنا شروع کر دیا۔ دوسروں نے بھی روک ٹوک شروع کر دی مگر کوئی سدّ راہ نہ بن سکا۔ (سورۂ علق ۶-۱۹، سورۂ جن ۱۹)

Marfat.com

ج۔کوہ صفا سے دعوت عام:

علانیہ تبلیغ کا فریضہ آپؐ نے اس طرح انجام دیا کہ ایک دن کوہ صفا پر چڑھ کر تمام قریش کے خانوادوں اور خاندانوں کو نام بنام لے کر پکارا۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپؐ نے ان کے سامنے فرمایا ''اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے جو تم پر گھات لگا کر حملہ کرنا چاہتا ہے تو تم مان لو گے؟ لوگوں نے کہا: ہاں مان لیں گے کیوں کہ آپؐ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ آپؐ نے تب فرمایا کہ ''میں اللہ کا سخت عذاب آنے سے پہلے تم کو خبردار کرتا ہوں۔ اپنے آپؐ کو اس کی پکڑ سے بچاؤ۔ تم '' لاالہٰ الااللہ '' پر ایمان لاؤ میں اللہ کے ہاں تمہاری گواہی دوں گا۔ اگر تم اس کلمہ کو مان لو گے تو عرب وعجم تمہارے تابع ہو جائیں گے۔''

ابولہب نے اس موقعہ پر بھی اپنی اسلام دشمنی کے سبب لوگوں کو بہکایا اور کسی کو آپؐ کی بات سننے نہ دی۔ اگرچہ ابولہب آپؐ کا چچا تھا اور آپؐ سے بہت محبت کرتا رہا تھا مگر اسلام سے اسے سخت نفرت تھی اور اسی نفرت کے سبب اس نے ہمیشہ آپؐ کی مخالفت کی۔ وہ آپؐ کا اسلام کے لیے سب سے بڑا دشمن بنا اور اسلام کا شدید ترین مخالف۔ اس کی بیوی ام جمیل اموی بھی اسلام کی مخالف اور آپؐ کی دشمن بن گئی۔ قرآن مجید کی سورۂ لہب میں ان دونوں کی اسی وجہ سے مذمت کی گئی ہے۔

د۔علانیہ ادائیگی نماز:

علانیہ اعلان حق ہو چکا ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں نے بھی مسجد حرم میں نماز پڑھنی شروع کر دی۔ اسلام کی جو خفیہ دعوت آپؐ اور آپؐ کے اصحاب نے تین سال تک دی تھی وہ سب نے اپنے اپنے حلقوں میں حکمت وخوبی کے ساتھ علانیہ پہنچانے پر کمر کس لی اور پورے انہماک سے دین پھیلانے لگے۔ آپؐ مسجد حرام میں قریش کی مجلسوں میں جاتے، گھروں میں ملاقات کرتے اور مکہ مکرمہ کے کونے کونے میں جاتے۔ ان کیساتھ مکہ کے قریب لگنے والے بازاروں عطاظ، مجنۃ، ذوالمجاز اور منیٰ وغیرہ میں قبیلوں کے سامنے اسلام پیش کرتے۔ سالانہ میلوں میں خاص کر باہر کے قبیلوں سے ملاقات کرتے

Marfat.com

اوران کواللہ کا پیغام سناتے۔

اشاعت اسلام:

اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ قریشی خاندانوں میں تیزی سے اسلام پھیلنے لگا۔ دوسرا یہ کہ زائروں اور حاجیوں کے ذریعہ خاص کراور تاجروں اور مسافروں کی بدولت عام طور پر اس کا چرچا عام ہوا اور اسلام کا شہرہ مکہ مکرمہ سے باہر مختلف علاقوں میں پھیل گیا۔ اسلام اور حق کے متلاشی مکہ آنے اور اسلام قبول کرنے لگے۔

مکہ مکرمہ کے باہر کے لوگوں میں جن حضرات نے اسلام قبول کیا ان میں حضرت ابوذر غفاری، حضرت عمرو بن عبسہ سلمی، حضرت ضماد بن ثعلبہ ازدی، حضرت عمرو بن طفیل دوسی /ازدی، اور حضرت طفیل بن عمرو دوسی، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت الاشج عبدالقیسی وغیرہ بہت نمائندہ لوگ ہیں۔

یہ عرب کے مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ مکہ اور مدینہ کے درمیانی علاقہ میں بسے دو قبلے اسلم وغفار اسی زمانے میں اسلام سے روشناس ہوئے۔ یہ دونوں قبیلے قریب قریب پورے ہجرت سے قبل ہی مسلمان ہوگئے۔ جنوب کا علاقہ دوس سے لے کر یمن تک اسلام سے متاثر ہوا اور دوسرے بہت سے لوگ اسی زمانے میں مسلمان ہوئے۔ مشرق میں بحرین تک آپؐ کی آوازہ پہنچی اور مسلمانوں کی تعداد جلد ہی اتنی ہوگئی کہ انہوں نے نہ صرف مسجد بنالی بلکہ نماز جمعہ بھی ادا کرنی شروع کردی۔ مدینہ منورہ کے شمال میں حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی جیسے مسلمانوں نے شامی سرحد کے قریب بسے ہوئے قبیلوں میں اسلام کا تعارف کرایا۔ بلاشبہ ہمارے راویوں کے تبصرہ میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اسلام کا آوازہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی عرب کے بچے بچے کی زبان پر تھا۔

Marfat.com

مخالفت حق

اسلام کے اظہار اور علانیہ تبلیغ کا تیسرا اہم نتیجہ قریشی سرداروں اور بہت سے عام لوگوں کی مخالفت کی شکل میں نکلا۔ پہلے تو انہوں نے زبانی لعن طعن، گالی گلوچ اور برا بھلا کہنے پر اکتفا کیا۔ بعض بڑے سرداروں نے اسلام سے استہزاء کرنا اور مسلمان کا مذاق اڑانا شروع کیا لیکن رفتہ رفتہ زبانی لعن طعن اور استہزاء کے ساتھ جسمانی اذیت دینے، مارنے پیٹنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ابتداء میں معمولی تکلیف دہی کا کاروبار ہوا مگر جب مسلمانوں نے اسلام پر استقامت دکھائی اور اسلام پھیلتا رہا تو انہوں نے ظلم وستم ڈھانے کی راہ اپنائی۔

قریش کی مخالفت اسلام اور مسلمانوں پر ان کے ظلم وستم کے کئی اسباب تھے: سب سے اہم تو ان کی اپنے آبائی دین سے محبت وعقیدت تھی جس نے نئے دین کی مخالفت پر آمادہ کیا۔ یہ مذہبی عصبیت تھی۔ اس سے کچھ زیادہ اہم سبب یہ بھی تھا کہ اسلام کی وجہ سے ان کے خاندان بٹ گئے تھے۔ ہر خاندان میں کوئی نہ کوئی مسلمان ہوگیا تھا۔ خاندانوں کی یہ تقسیم ان کے قبائلی نظام کے کیلئے موت کی گھنٹی تھی۔ قریشی سرداروں نے خوب سمجھ لیا تھا کہ اسلام پورے نظام کو ختم کر کے اپنا نظام قائم کرنا چاہتا ہے۔ جس میں دولت واقتدار ان کے ہاتھ سے نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا جائے گا۔ ایک سبب یہ تھا کہ آزاد منش لوگوں کی من زندگی پر اسلام پابندی لگاتا ہے جو انھیں قبول نہ تھی۔

مخالفت اسلام کے اثرات:

Marfat.com

یہ عجیب بات تھی کہ اسلام کی جتنی مخالفت بڑھتی گئی اور مسلمانوں پر ظلم وستم جس قدر شدید ہوتا گیا اسی قدر اسلام کی اشاعت میں تیزی آتی گئی۔ بنوامیہ کے خاندان سعیدی کے اک فرد حضرت خالد بن سعید پہلے اسلام لا چکے تھے۔ جب ان پر ظلم وستم ہوا تو ان کے دو بھائی بھی مسلمان ہوگئے۔ دراصل مسلمانوں کی استقامت اور دین کے لیے مر مٹنے کا جذبہ دوسروں کو متاثر کرتا تھا۔ پھر وہ اسلام کو سمجھنے کی کوشش خلوص کے ساتھ کرتے اور مسلمان ہو جاتے۔

اس سلسلہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت اور پامردی بے مثال تھی۔ قریش کی ایذارسانی اور مذاق اڑانے کے باوجود آپؐ برابر حرم میں نماز پڑھتے رہے، اور دشمنوں کے ہاتھوں عذاب سہتے رہے۔ آپؐ کا پڑوسی اور عزیز عقبہ بن ابی معیط اموی آپؐ کا بدترین دشمن تھا۔ کبھی وہ آپؐ کے گلے میں چادر ڈال کر گلا گھونٹنے کی کوشش کرتا، کبھی سجدہ کی حالت میں آپؐ کی پشت مبارک پر اونٹ کی بھاری بھرکم اوجھڑی رکھ دیتا۔ دوسرا بڑھ ظالم اور دشمن ابوجہل مخزومی تھا جو آپؐ کو نماز میں اور نماز کے باہر ستانے اور پریشان کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتا۔

آپؐ کے جذبہ استقامت نے حضرت ابوذر غفاری کو متاثر کیا انہوں نے قریش کے سرداروں کے مجمع کے سامنے حرم میں اپنے اسلام کا آغاز کیا اور خوب مار کھائی۔ حضرت عباس ہاشمی وغیرہ نے یہ کہہ کر بچایا کہ اگر یہ مر گیا تو تمہاری شامی تجارت کا راستہ سمجھو بند ہو گیا کیوں کہ اس کا قبیلہ اسی شاہراہ کے قریب آباد ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلی نے قرآن مجید کی بالجہر تلاوت مسجد حرام میں کی اور دشمنوں کے ہاتھوں خوب لہولہان ہوئے۔

قریشی سرداروں اور عام مکی لوگوں کا معاملہ کچھ نفرت ومحبت کا تھا۔ وہ چھپ چھپ کر آپؐ کو اور دوسرے مسلمانوں کو نماز پڑھتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے سنتے اور متاثر ہوتے۔ جی چاہتا کہ اسلام قبول کرلیں لیکن مصلحتیں آڑے آجاتیں اور قبول حق اور اعلان ایمان سے رہ جاتے۔ ان قریشی سرداروں میں عتبہ بن ربیعہ عبد شمسی، ابوسفیان اموی، ابوجہل مخزومی عقبہ بن ابی معیط، نضر بن حارث وغرہ کے علاوہ حضرت عمر بن خطاب عدوی بھی شامل تھے۔ حضرت عمر نے ایک بار خانہ کعبہ کے پردے میں چھپ کر آپؐ کی نماز میں تلاوت سنی تو بہت متاثر ہوئے

Marfat.com

اوراسلام ان کے دل میں گھر کر گیا اور آپؐ کی واپسی پر آپؐ کا گھر تک پیچھا کیا اور اپنے تاثر کا اظہار بھی کیا۔

حضرت حمزہ کا قبول اسلام:

۶ نبوی/۱۶ق ھ/۶۱۵ء میں اسی ظلم وستم کے سیلاب نے دو بڑی اور اہم شخصیتوں کو اسلام کا حلقہ بگوش کر دیا۔ ابو جہل مخزومی نے ایک دن رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اسلام کا حلقہ بگوش کر دیا۔ ابو جہل مخزومی نے ایک دن رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو بہت ستایا۔ آپؐ کے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب ہاشمی، جو بہت بہادر اور صاحب جاہ تھے۔ شکار سے واپس آئے تو ان کی باندی نے اپنے چشم دید ماجرا کہہ سنایا۔ وہ طیش کے عالم میں مسجد حرام پہنچے، ابو جہل کو کمان مار کر زخمی کیا اور اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ بعد میں خدمت نبوی میں پہنچے اور صدق دل سے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت عمر کا قبول اسلام:

اس کے ایک ماہ بعد قریشی سرداروں کے مجمع میں آپؐ کا ذکر ہو رہا تھا کہ آپؐ نے پورے مکہ کا حال تلپٹ کر کے رکھ دیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب کی رگ حمیت پھڑکی اور وہ آپؐ کو قتل کر دینے کیلئے چل کھڑے ہوئے۔ راستہ میں ان کی ملاقات اپنے ایک عزیز عبداللہ بن النحام عدوی سے ہوئی جو مسلمان تھے۔ حضرت عمر کا ارادہ فاسد سن کر انہوں نے حضرت عمر کو ان کی اپنی بہن اور بہنوئی کے اسلام لانے کی خبر دی۔ بس غصہ کی باگ ادھر مڑ گئی۔ گھر پہنچ کر ان کو مارا پیٹا۔ بہن فاطمہ نے بڑے جذبہ سے جب یہ کہا کہ اب خواہ جان لے لو اسلام دل سے نہیں نکلتا تو بہت متاثر ہوئے۔ ان سے قرآن پاک کی وہ سورت نکلوا کر پڑھی جو وہ دونوں ان کے آنے سے پہلے پڑھ رہے تھے اور پڑھتے ہی مسلمان ہو گئے۔ دار ارقم پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح آپؐ کی وہ دعا قبول ہوئی جو آپؐ نے ان کے اسلام لانے کے بارے میں کی تھی۔

حضرت حمزہ اور خاص کر حضرت عمر کے اسلام لانے سے آپؐ کے ہاتھ بہت مضبوط

Marfat.com

ہوئے اور مسلمانوں کو زبردست سہارا ملا۔ قریش کی مخالفت اتنی بڑھ گئی تھی کہ مسلمان مسجد حرام میں علانیہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ حضرت عمر نے ان سے لڑ جھگڑ کر مسلمانوں کے لیے یہ حق حاصل کیا۔ حالانکہ اپنے اسلام کے لیے ان جیسے زبردست اور دبنگ آدمی کو دشمنوں کی یورش کا سامنا کرنا پڑا تھا اور ایک بڑے قریشی سردار عاص بن وائل سہمی کی مداخلت اور حمایت سے ہی وہ بچ سکے تھے۔

مکی مواخاۃ:

اگرچہ قبائلی نظام حمایت کے سبب مسلمانوں کو اپنے اپنے خاندانوں کی حمایت حاصل تھی مگر وہ اپنے ہی عزیزوں اور رشتہ داروں کے ہاتھوں ستائے جارہے تھے۔ پھر دین کے اختلافات کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو پورے سماجی تصورات میں تبدیلی آگئی تھی اور وہ اپنے خاندانوں اور عزیزوں کے درمیان ہی اپنے کو الگ تھلگ محسوس کرتے تھے۔ اس لیے جب ان کی خاصی تعداد ہوگئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں یگانگت وسماجی تنظیم پیدا کرنے کے لیے دو دو مکی مسلمانوں میں بھائی چارہ پیدا کیا۔ یہ پہلی اسلامی مواخاۃ تھی جو مکی عہد کی ہے۔ اس میں آپؐ نے قبیلہ اور خاندان کے تعلق، سماجی مرتبہ اور دینی مقام وغیرہ کی مصلحت کی رعائت رکھی۔ خود آپؐ حضرت علی کے دینی بھائی بنے۔ حضرت ابوبکر وعمر کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا اور اسی طرح کے بہت سے دوسرے مکی اور قریشی مسلمانوں میں سے دو دو کو بھائی قرار دیا جو ہر طرح کے حقوق وفرائض رکھتے تھے۔

اسلامی بھائی چارہ خون کی رشتہ داری سے زیادہ گہرا اور دیرپا تھا۔ ان اسلامی بھائیوں نے تازندگی اس کا پاس ولحاظ رکھا۔ اس مکی مواخاۃ کے ذریعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ اور قریش کے درمیان مسلم معاشرہ اور اسلامی سماج کی تعمیر وتشکیل کی تھی جس طرح بعد میں مدنی دور میں مہاجرین وانصاری کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرکے ایک وسیع تر اسلامی معاشرہ پیدا کیا تھا۔ مکی مواخاۃ نے مختلف خاندانوں کے قریشیوں اور مکیوں کو خون کے رشتے کے مقابلے میں اسلامی رشتہ میں پرویا، ان میں یک جہتی اور یگانگت کا احساس پیدا کیا اور ایک

Marfat.com

دوسرے کی مواسات وتعاون کا جذبہ بخشا۔ مکہ کے قریشی سماج کے بالمقابل یہ اولین اسلامی معاشرہ کی تعمیر وتشکیل تھی۔

ہجرت حبشہ:

اللہ کی ایک سنت یہ رہی ہے کہ نبیوں اور رسولوں اور ان کے ماننے والوں کو اکثر اپنا وطن چھوڑ کر ہجرت کرنا پڑی ہے۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ اور نہ جانے کتنے پیغمبروں کو اللہ کے لئے اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ جب مکہ مکرمہ کے قریشی سرداروں کا ظلم حد سے بڑھا تو اللہ تعالی نے ان کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلۂ الٰہی کے مطابق مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کرنے کی اس لیے تجویز رکھی کہ وہاں کا بادشاہ اگرچہ عیسائی تھا تاہم انصاف پسند اور رعایا پرور تھا۔ یقین تھا کہ مسلمان وہاں محفوظ اور خوش وخرم رہیں گے۔

سنہ ۵ نبوی/۶۱۵ء میں پہلی بار سولہ مسلمان ہجرت کر کے گئے۔ ان کے نام ہیں: حضرت عثمان بن عفان اموی اور ان کی بیوی حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف زہری، حضرت زبیر بن عوام اسدی، حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ عبد شمسی اور ان کی بیوی سہیلہ بنت سہیل عامری، حضرت مصعب بن عبد الدار عبدری، حضرت ابو سلمہ مخزومی اور ان کی اہلیہ امّ سلمہ بنت ابی امیہ مخزومی، حضرت عامر بن ربیعہ عنزی اور ان کی بیوی حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہ عامری، حضرت عثمان بن مظعون جمحی اور ان کی بیوی حضرت ام کلثوم بنت سہیل عامری، حضرت سہیل بن بیضاء فہری اور حضرت حاطب بن عمرو عامری۔ یہ سب قریش کے ممتاز خاندانوں کے جوان وشریف لوگ تھے۔ اس حقیقت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قریشی ظلم وستم سے کوئی بھی نہیں بچا تھا۔ خواہ وہ اعلی خاندان کے افراد ہوں یا کمزور خاندانوں کے امیر ہو یا غریب، ہر طرح کے مسلمان ظلم کی چکی میں پستے تھے۔ کمزور بے کس خاص کر غلام مسلمانوں میں سے کوئی ہجرت نہ کر سکا، کیوں کہ ان کو قریشی جال نے اپنے چنگل سے نکلنے ہی نہیں دیا۔ وہ غلامی کے بندھن میں ایسے بندھے تھے کہ جب تک ان کو کوئی آزاد نہ کراتا وہ اسی طرح بندھے رہتے۔

Marfat.com

بعد میں چھیاسی اور لوگوں نے بھی حبشہ کو ہجرت کی۔ عام طور سے اسے دوسری ہجرت حبشہ کہا جاتا ہے اور یہ ۲ نبوی/۶۱۶ء میں ہوئی۔ اس میں تمام اہم خاندانوں کے ممتاز جوان مسلم شامل تھے۔ اس بار بھی مردوں، عورتوں دونوں نے ہجرت کی۔ ان میں حضرات جعفر بن ابی طالب ہاشمی، خالد بن سعید اموی، عمر بن سعید اموی وغیرہ کافی اہم لوگ شامل تھے۔

حضرت ابوبکر کا ارادۂ ہجرت:

ظلم وستم اتنا بڑھا کہ حضرت ابوبکر صدیق جیسے صاحب جاہ ومرتبہ شخص کو بھی ہجرت کا سفر اختیار کرنا پڑا مگر ان کو قبیلہ قارہ کا سردار ابن الدغنہ راستے سے ہی اپنی پناہ میں واپسی مکہ لے آیا۔ وہ چند دنوں اس کی حمایت میں محفوظ رہے مگر جب وہ اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنا کر نماز پڑھنے لگے تو قریشی سرداروں نے ابن الدغنہ سے حضرت ابوبکر کی شکایت کی کہ ان کی تلاوت قرآن سے ان کے بیوی بچے متاثر ہوتے ہیں۔ ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکر کو زور سے تلاوت کرنے سے منع کیا مگر آپؓ نہ مانے بلکہ اس کی حمایت واپس کر دی۔

مہاجرین حبشہ کی جزوی واپسی:

کچھ دنوں کے بعد ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ النجم کی تلاوت کی اور آخر میں سجدہ کیا۔ اس وقت وہاں بہت سے مشرک بھی موجود تھے انہوں نے بھی سجدہ کیا۔ اس سے یہ خبر اڑ گئی کہ مکہ والوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ حبشہ کے مسلمانوں نے یہ سنا تو خوشی خوشی واپس آ گئے لیکن جب ساحل سمندر پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ قریش کے مسلمان ہونے کی خبر غلط ہے۔ متعدد لوگ تو پھر واپس حبشہ چلے گئے مگر زیادہ تر مسلمان چھپ چھپا کر مکہ آ گئے اور کسی نہ کسی سردار یا خاندان کی حمایت (جوار) میں رہنے لگے۔ ان کی جان کی حفاظت تو ہو گئی مگر تکلیف وایذا سے نجات نہ ملی۔

قریشی مکہ کو کب گوارہ ہو سکتا تھا کہ وہ حبشہ میں مسلمانوں کو آزادی سے رہنے دیں انہوں نے ان کو بلانے کے لیے اپنا ایک وفد بھیجا مگر قریشیوں کو ساری تدبیریں اور سازشیں بیکار رہیں۔ حضرت جعفر کی تقریر سے حبشہ کا شاہ بخاشی (NAGUS) اتنا متاثر ہوا کہ اس نے

Marfat.com

اسلام قبول کرلیا اور مسلمانوں کو مکہ واپس بھیجنے سے انکار کردیا۔ مسلمان وہاں کئی برس تک بڑے امن وامان سے رہے۔

مسلمانوں کی تعذیب کی نوعیت:

قریشی سرداروں اور اسلام دشمنوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے ستائے جانے کا ذکر تو ملتا ہے مگر ایک اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ انہوں نے قتل وغارتگری اور خونریزی سے گریز کیا تھا اس کا اصل سبب عربوں کا قبائلی نظام تھا۔ اس کے مطابق کوئی غیر قبیلہ شخص کسی دوسرے کو قتل یا زخمی نہیں کرسکتا تھا ورنہ اس کو دیت دینی پڑتی تھی یا قصاص خود قبیلہ اپنے کسی شخص کو قتل نہیں کرسکتا تھا کہ یہ سخت بے عزتی اور بے غیرتی کی بات سمجھی جاتی تھی۔ اس لیے مسلمانوں کو ان کے اپنے عزیز واقارب اور قبیلہ والے ستاتے اور تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ پھر بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جو اسلام سے تو بے زار تھے مگر وہ ستانے اور مارنے کے حق میں نہ تھے۔ کچھ صرف مذاق اڑانے اور استہزا کرنے پر اکتفا کرتے تھے۔ بس بے چارے کمزور مسلمانوں اور اجنبی (موالی یا حلفاء) کو ظلم کی چکی میں پسنا پڑتا تھا کہ ان کے حامی وسرپرست ہی ان پر ظلم کرتے تھے۔ ایک عرب دستور یہ تھا کہ اگر کوئی کسی خاندان یا شخص سے پناہ (جوار) مانگتا تو اس سے انکار کرنا بے حمیتی اور بزدلی سمجھا جاتا تھا۔ جن مسلمان کو اپنے قبیلہ یا خاندان کی حمایت نہیں ملتی تھی وہ کسی نہ کسی سردار کی حمایت حاصل کرلیتے تھے یا سرداران قریش اپنی شجاعت وبہادری کے سبب خود اپنی حمایت ان کو دیدیتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حبشہ کے مہاجروں کے معاملہ میں ہوا۔ اس لیے قتل وخون ریزی کی وارداتیں کم ہوئیں۔

لیکن بعض شہادتیں بھی ہوئیں جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے میں آپؐ کے لے پالک اور سوتیلے فرزند حضرت حارث بن ابی ہالہ کافروں کے ایک نرغے میں شہید ہوئے یا طیش میں آکر ابوجہل مخزومی نے حضرت عمار بن یاسر کی ماں حضرت سمیہ کو برچھی ماری جس سے وہ شہید ہوگئیں۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا ابوطالب اور ان کی وجہ سے بنو ہاشم اور بنو مطلب کی پکی حمایت حاصل تھی۔ اس لیے وہ آپؐ کو ایذا تو دے سکتے تھے مگر قتل نہیں کرسکتے تھے۔

Marfat.com

سماجی مقاطعہ:

مگر کئی عرب سردار ایسے تھے جنہوں نے اسلام کی دشمنی پر کمر باندھ رکھی تھی ان میں ابولہب ہاشمی، ابوجہل مخزومی، ابوقیس بن فاکہ مخزومی، اسود بن عبدالاسد مخزومی، عقبہ بن ابی معیط اموی، اسود بن عبد یغوث زہری، حارث بن قیس سہمی، منبہ بن حجاج سہمی اور اس کا بھائی نبیہ، امیہ بن خلف جمحی اور اس کا بھائی ابی وغیرہ بہت پیش پیش تھے۔

وہ عربوں کے اس روایتی اور مقدس قبائلی حمایت کے نظام کو توڑ ڈالنا چاہتے تھے۔ان کا اصل نشانہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات تھی۔وہ چاہتے تھے کہ آپؐ کو ختم کردیں تو سارا معاملہ خود بخود ختم ہوجائے گا۔اس لیے انہوں نے کئی بار ابوطالب ہاشمی سے مطالبہ کیا کہ وہ آپؐ کی حمایت سے دستبردار ہوجائیں یہاں تک انہوں نے تجویز رکھی کہ آپؐ کے بدلے کسی دوسرے عرب نوجوان کو لے لیں تاکہ دیت وقصاص کا مسئلہ نہ رہے ابولہب ہاشمی نے چونکہ اس سے اتفاق اور رشتہ اور قبائلی روایت کی بھی پرواہ نہ کی تھی اس لے سورۂ لہب میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔

عرب سرداروں اور اسلام دشمنوں نے اس نظام حمایت کو ختم کرنے کیلئے قریشی مجلس میں فیصلہ کرلیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے حامی خاندانوں بنوہاشم اور بنومطلب کا سماجی مقاطعہ (بائیکاٹ) کیا جائے۔کوئی ان سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے۔نہ شادی بیاہ کرے۔نہ خرید وفروخت کرے۔نہ ان کو کھانے پینے کا سامان دے جب تک وہ آپؐ کو قریش کے حوالے نہ کردیں۔اگرچہ اس فیصلہ سے بعض شریف النفس سردار متفق نہ تھے لیکن دشمنوں کے آگے وہ بھی کچھ نہ بول سکے کہ صورت حال یکسر ان کے خلاف تھی۔

ابوطالب تمام مسلمانوں اور بنوعبد مناف کے دونوں خاندانوں کو ساتھ لے کر بنوہاشم کی ملکیت ایک گھاٹی شعب بنی ہاشم چلے گئے ۷ نبوی/۶۱۶ء میں یہ محصوری اور مقاطعہ شروع ہوا اور تین سال ۱۰ نبوی/۶۱۹ء تک جاری رہا۔مسلمانوں پر یہ زمانہ بہت سخت گذرا۔اس دوران انہوں نے طرح طرح کی پریشانیاں جھیلیں۔فاقے کیے۔بھوکے رہے سوکھے پتے کھائے، چمڑا ابال کر بطور سالن کھایا لیکن اسلام نہیں چھوڑا بعض نیک لوگوں نے مسلمانوں کو چوری چھپے کھانے

Marfat.com

پینے اور دوسری ضروریات کی چیزیں ابوجہل مخزومی جیسے لوگوں کے اعتراض کے باوجود پہنچائیں۔ ان میں حکیم بن حزام اسدی ابوالبختری اور ہشام عامری وغیرہ شامل تھے۔

مقاطعہ کا خاتمہ:

پھر انھیں نیک نہادوں خاص کر ہشام عامری، زبیر بن امیہ مخزومی، مطعم بن عدی نوفلی، ابوالبختری اسدی، زمعہ بن اسود اسدی، عدی بن قیس سہمی اور عتبہ بن ربیعہ اموی/عبد شمسی کی کوششوں سے مقاطعہ کا معاہدہ منسوخ ہوا اور مسلمان مع اپنے غیر مسلم حامیوں کے اپنے گھروں کو واپس ہوئے۔ وہ ایک اور آزمائش سے سرخرو نکلے اور اسلام کو مزید استحکام ملا۔

وفات خدیجہ وابوطالب:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپؐ لوگوں سے محفوظ رکھنے کا وعدہ کیا ہے :وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ ۶۲) وہ سہاروں یا وسیلوں کا متحاج بھی نہیں۔ لیکن وہ اسباب کی دنیا میں کوئی نہ کوئی سبب پیدا کر دیتا ہے۔ سماجی مقاطعہ ختم ہوا ہی تھا کہ ۱۰ رمضان ۱۰ نبوی اپریل ۶۱۹ء میں حضرت خدیجہ کی وفات ہوگئی۔ ان کو مکہ کے حجون نامی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی قبر میں اترے اور اپنے دکھ سکھ کی ساتھی، زندگی کی رفیق اور مونس وغم خوار کو اپنے ہاتھوں سے دفن کیا۔

اس کے کچھ دن بعد اور بعض روایات میں ہے کہ کچھ دن پہلے آپؐ کے جاں نثار شفیق اور حامی چچا ابوطالب نے انتقال کیا۔ اگرچہ انہوں نے آخر تک اسلام قبول نہیں کیا اور اپنے آبائی دین پر مرے مگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے مددگار اور پکے حامی تھے۔ ان کی وفات کے وقت آپؐ نے پھر ان کو اسلام سے مشرف کرنے کی کوشش کی لیکن قریشی سرداروں نے ان کو عار دلایا۔ اور وہ آپؐ کی کوشش اور چاہت کے باوجود مسلمان نہیں ہوئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ آپؐ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے۔ ہدایت دینا صرف اللہ کا کام ہے وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ رسول کا کام صرف تبلیغ کرنا اور اسلام پہنچانا ہے۔ (سورۂ قصص ۵۶ اور سورۂ آل عمران ۲۰ اور سورۂ مائدہ ۹۲، ۹۹ وغیرہ)

Marfat.com

خاندانی حمایت سے محرومی:

ان دونوں زبردست حامیوں اور مددگاروں کی وفات کے سبب آپؐ ان کی حمایت سے محروم ہوگئے۔ مگر اس سے زیادہ آپؐ کو ان کی وفات کا غم تھا۔ اس لیے آپؐ اس سال کو غم کا سال (عام الحزن) کہا کرتے تھے۔

ابوطالب ہاشمی کے انتقال کے بعد ابولہب ہاشمی بنو ہاشم کا سردار بن گیا۔ شروع میں اس نے آپؐ کی حمایت قبائلی روایت کے مطابق کی اور اپنی اسلام دشمنی کے باوجود کی مگر جلد ہی اس پر دشمنی غالب آگئی اور اس نے آپؐ کی حمایت سے ہاتھ اٹھالیا۔

قریشی سرداروں اور اسلام دشمنوں نے دیکھا تو ان کی جراتیں بڑھ گئیں۔ انہوں نے آپؐ کو ستانے کی رفتار تیز کردی کبھی آپؐ کی راہ میں کانٹے اور روڑے بچھاتے، کبھی گندگی پھیلاتے، کبھی آپؐ کے سر اقدس پر خاک ڈالتے، کبھی نماز میں سجدہ کی حالت میں پیٹھ پر اوجھڑی رکھ دیتے۔ کبھی گلے میں چادر کا پھندا ڈال کر گردن گھونٹتے اور یہ صرف اس لئے تھا کہ آپؐ کہتے تھے کہ اللہ میرا رب ہے اور لوگوں کو اسی کی طرف بلاتے تھے (سورۂ غافر ۲۸) کئی بار حضرت ابوبکر صدیق اور آپؐ کی کم دختر فاطمہ نے اس قسم کی تکلیفوں سے آپؐ کو بچایا۔

نکاح ثانی وثالث:

حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آپؐ کی دو کم سن بچیاں حضرت ام کلثوم (عمر تقریباً سولہ سال) اور حضرت فاطمہ (عمر دس سال) رہ گئی تھیں۔ ماں کا سایہ سر سے اٹھنے کے بعد ان کی اور بعض دوسرے بچوں بچیوں کی دیکھ بھال کرنیوالا کوئی نہ تھا بعض خیر خواہوں کے مشورہ اور کوشش سے آپؐ نے پہلے حضرت سودہ بنت زمعہ عامری سے نکاح کرلیا۔ وہ بیوہ تھیں اور ان کی عمر لگ بھگ تیس سال تھی۔ ان کے سابق شوہر سکران بن عمرو عامری کا حبشہ میں ہجرت کے دوران انتقال ہوگیا تھا اور وہ مکہ لوٹ آئی تھیں نکاح کے بعد انہوں نے آپؐ کے گھر کا انتظام سنبھال لیا اور آپؐ کو کافی راحت ملی۔

حضرت ابوبکر اور ان کے خاندان سے تعلق مضبوط کرنے کے اور بعض دوسری اسلامی

Marfat.com

مصلحتوں سے آپؐ نے انھیں خیر خواہوں کے مشورہ پر ان کی کم سن بیٹی حضرت عائشہ سے تیسرا نکاح کرلیا۔ اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی اس لیے ان کی رخصتی نہیں ہوئی۔ یہ دونوں نکاح یکے بعد دیگرے شوال ۱۰ء نبوی / مئی ۶۱۹ء میں ہوئے۔

طائف کا سفر:

خانگی معاملات کی مشکل اور تبلیغی مسائل کی دشواری کے باوجود آپؐ برابر اپنے فرائض رسالت ادا کرتے رہے۔ ہر سال آپؐ باہری قبیلوں کے سامنے اسلام پیش کرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں آپؐ نے عکاظ، مجنہ، ذوالمجاز اور منیٰ وغیرہ قریبی شہروں اور بازاروں کے سفر کیے۔ قبیلوں کے سامنے اسلام پیش کرنے کی اگلی کڑی طائف کا سفر تھا جو آپؐ نے شوال ۱۰ء نبوی / ۶۱۹ء ہی میں کیا۔ آپؐ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ بھی تھے۔ یہ سفر مکہ مکرمہ سے مایوس ہونے یا قریشیوں کے ظلم سے تنگ آنے کے سبب نہیں کیا تھا بلکہ وہ آپؐ کے ملکی تبلیغی مشن کا ایک حصہ تھا۔ وہاں آپؐ نے ایک ماہ تک قیام کیا۔ اس کے سرداروں خاص کر تین ثقفی شیوخ عبد یالیل، مسعود اور حبیب کے سامنے اسلام پیش کیا۔ لیکن انھوں نے قبول نہ کیا۔ آپؐ نے پھر طائف کے عوام کے سامنے اسلام کی تبلیغ کی اور مہینہ بھر کوشش کرتے رہے۔ سرداروں کو خوف ہوا کہ کہیں آپؐ کامیاب نہ ہو جائیں۔ لہٰذا آپؐ کو شہر سے نہ صرف نکال دیا بلکہ اوباشوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا جنہوں نے پتھر مار مار کر آپؐ کو اتنا زخمی کیا کہ خون سے جوتے بھر گئے۔ فرشتوں نے آکر آپؐ سے بددعا کیلئے کہا مگر آپ سراپا رحمت تھے لہٰذا ان کے لئے دعا ہی کی۔ واپسی میں عتبہ اور شیبہ کے باغ میں قیام کیا جہاں ان کا عیسائی غلام عداس مسلمان ہو گیا۔ اسی مقام سے آپؐ نے حضرت زید بن حارثہ کو بنونوفل کے سردار مطعم بن عدی کے پاس (جو آپؐ کے چچا تھے) بھیجا اور ان سے جوار (پناہ) طلب کی مطعم خاندان بنوعبد مناف کے ایک فرد تھے۔ انہوں نے آپؐ کو اپنی جوار دے دی اور مسجد حرام میں جا کر اس کا اعلان کر دیا اس کا سب نے احترام کیا۔ مکہ مکرمہ میں اپنے قیام کا باقی زمانہ آپؐ نے ان ہی کے جوار میں گذارا اور اسی کے سایہ اور حفاظت میں قبیلوں سے ملتے رہے اور اسلام کی دعوت دیتے رہے۔

Marfat.com

اسراء ومعراج:

طائف کے سفر سے واپسی پر اللہ تعالےٰ نے آپؐ کا رتبہ بلند کرنے اور اسلام کے ایک رکن کی تکمیل کیلئے آپؐ کو اسراء ومعراج کی نعمتوں سے نوازا۔ قرآن مجید کی سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ راتوں رات آپؐ کو مسجد حرام سے بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ تک اپنی آیات اور بابرکات زمین دکھانے لے گیا۔ اس کو اسراء کہتے ہیں۔ وہاں آپؐ کو آسمانوں کی سیر کرائی اور سدرۃ المنتہیٰ نامی بلند مقام تک آپؐ کو عروج بخشا۔ اسی سفر میں رات دن کی پانچ نمازیں .....فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء .....فرض ہوئیں معراج کا ذکر سورۂ نجم میں ہے اور اسراء ومعراج کا مفصل بیان حدیث کی کتابوں میں ہے آپؐ کے یہ دونوں سفر جسمانی تھے یعنی اپنے مادی جسم کے ساتھ آپؐ گئے تھے۔ صرف روحانی تجربہ جیسے کشف وخواب نہ تھا۔

قبائلی عرب سے خاص ملاقاتیں:

شروع ہی سے آپؐ عرب قبیلوں کے سامنے اسلام پیش کرتے رہے تھے۔ اب آپؐ نے ان سے اپنی حمایت کرنے اور اپنے علاقے میں پناہ دینے کا مطالبہ بھی شروع کر دیا کیونکہ آپؐ کی ہجرت کا وقت آرہا تھا اور قریش وثقیف وغیرہ سے حمایت ونصرت کی کوئی امید نہ رہی تھی۔ اس سلسلہ میں آپؐ نے بنو کندہ، بنو کعب، بنو بکر بن وائل، بنو عامر بن صعصہ، بنو شیبان، بنو تمیم اور ان کی شاخ، بنو الحارث بن کعب، بنو حنیفہ، بنو سلیم، بنو عبس، بنو عذرہ، بنو غسان، بنو فرازہ، بنو محارب بن حصفہ وغیرہ تمام بڑے قبائل سے ملاقات کر کے ان کے سامنے اپنی دعوت اور اپنا مطالبہ رکھا مگر کسی نے آپؐ کی بات پر کان نہ دھرا۔ سنا تو اپنی شرائط رکھیں جو آپؐ کو منظور نہ ہوئیں۔

قبائل مدینہ سے ملاقات:

انھیں دوروں اور سالانہ ملاقاتوں میں آپؐ مدینہ منورہ کے قبیلوں اور افراد سے ملتے رہے تھے۔ ان کے حاجی اور زائر بھی مکہ آتے رہتے تھے اور آپؐ کے پیغام سے واقف ہوتے رہتے تھے۔ مگر چند افراد کے سوا کسی نے اس پر توجہ نہ دی۔ ان میں پہلے سوید بن صامت تھے جو متاثر ہوئے مگر وہ اسلام لانے سے قبل مدینہ کی اوس وخزرج کی جنگ بعاث ۶۱۵ء میں مارے

Marfat.com

گئے۔ایک اور مدنی وفد کے رکن ایاس بن معاذ بھی اسلام سے متاثر ہوئے تھے اور غالباً مرنے سے قبل مسلم ہو گئے تھے۔

مگر اصل سعادت مدینہ کے دو نیک نہاد افراد حضرت اسعد بن زرارہ اور ذکوان بن عبد قیس کے حصہ میں آئی جو آپؐ سے مکہ میں ملے اور مسلمان ہو گئے اور مدینہ واپس جا کر اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ کم از کم ایک شخص حضرت ابوالہیثم بن التیہان نے ان کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا بعد میں اور لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا۔

پہلی بیعت عقبہ:

سنہ ۱۱ نبوی ۶۲۰ء میں حج کے زمانہ میں مدینہ کا جو وفد مکہ آیا اس کے چھ ارکان نے جو سب کے سب خزرج کے قبیلہ سے تھے، آپؐ سے ملاقات کی۔ان میں سے کچھ پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور کچھ نے اس موقعہ پر اسلام قبول کر لیا۔انہوں نے مدینہ واپس جا کر لوگوں میں اسلام پھیلانا شروع کیا اور کافی لوگ مسلمان ہو گئے۔

اگلے سال سنہ ۱۲ نبوی ۶۲۱ء میں مدنی مسلمانوں میں سے بارہ لوگوں نے آپؐ سے حج کے زمانے میں ملاقات کی۔ان میں سے تین اوس کے اور چھ خزرج کے تھے۔انہوں نے آپؐ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کو جو بیعت نساء (عورتوں کی بیعت) کہلاتی ہے۔انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ چوری، زنا، اولاد کے قتل الزام لگانے اور بہتان تراشنے اور ہر اچھے کام میں آپؐ کی مخالفت کرنے سے بچیں گے۔آپؐ نے ان کی درخواست پر حضرت مصعب بن عمیر عبدری کو مدینہ میں اپنا نمائندہ اور ان کا معلم بنا کر بھیجا۔ان کی تبلیغ و تعلیم اور کوشش سے مدینہ کے گھر گھر میں اسلام پہنچ گیا۔اوس و خزرج دونوں عرب قبیلوں کے سرداروں سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ نے اسلام قبول کر لیا اور ان کے اثر سے پورے قبیلے مسلمان ہو گئے۔انہوں نے پہلی بار مدینہ میں جمعہ کی نماز قائم کی۔

دوسری بیعت عقبہ:

ذوالحجہ سنہ ۱۳ نبوی / جون جولائی ۶۲۲ء میں مدینہ کے مسلمانوں کا ایک بڑا وفد جس میں

Marfat.com

پچھتر مرد اور دو عورتیں بھی شامل تھیں آپؐ سے مکہ کی گھاٹی میں ملا۔ اس نے آپؐ سے جنگ وامن کا معاہدہ کیا اور آپؐ کو اور مکی مسلمانوں کو اپنے یہاں پناہ دینے اور اپنے بیوی بچوں کی طرح ان کی حفاظت کرنے کا عہد کیا۔ یہ دراصل ساری دنیا سے جنگ کرنے کا معاہدہ تھا۔ اسی لیے اس کو بیعت الحرب کہتے ہیں۔ آپؐ نے اپنے بارہ نمائندے مقرر کیے جن کو نقیب کہا جاتا ہے۔ ان میں نو خزرج کے مختلف خاندانوں سے تھے اور تین اوس کے خاندان سے۔ حضرت اسد بن زرارہ ان کے سردار اور نقیب خاندانوں انقباء تھے۔ اس بیعت کے بعد مدینہ منورہ میں اسلام اور تیزی سے پھیلنے لگا اور گھر گھر میں پہنچ گیا۔ بلکہ بیشتر آبادی مسلمان ہوگئی یہی بیعت ہجرت مدینہ کا دیباچہ بن گئی۔

تیرہ سالہ مکی عہد کا تجزیہ:

دوسری بیعت عقبہ کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا مکی عہد تقریباً اختتام کو پہنچا۔ اس کے کچھ دنوں کے بعد ہی مدنی عہد کا آغاز ہوتا ہے۔ مکی دور مجموعی طور سے لگ بھگ ترپین سال ۵۷۱ء۔ ۶۲۲ء پر مشتمل ہے۔ اس میں سے چالیس سال کی مدت (۵۷۱ء سے ۶۱۰ء) نبوت محمدی سے پہلے کا زمانہ ہے اور تیرہ سال نبوی دور یا بعثت کے بعد کا عہد ہے۔ یہی تیرہ سال دور اسلام کا مکی عہد ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے مکی دور کا ایک جامع تجزیہ کرلیا جائے۔ پھر مدنی دور پر بحث کی جائے۔ اس سے اسلام کے ارتقاء اور اسلامی تاریخ کے اس اہم دور کی امتیازی خصوصیات معلوم ہوں گی۔

۱۔ یہ کہ آپؐ کی نبوت کا آغاز ۱۲ ربیع الاول ۴۱ عام الفیل میں سچے خوابوں کے دیکھنے سے ہوا اور اس کے چھ ماہ بعد رمضان کی شب قدر میں پہلی بار غار حرا میں قرآن مجید نازل ہوا

۲۔ آپؐ کو اپنی نبوت و رسالت کا روز اول سے ہی یقین تھا۔ اسی طرح حضرت خدیجہ کو یقین تھا۔ حضرت خدیجہ اور حضرت ورقہ کی تصدیق سے آپؐ کو تسلی ملی۔

۳۔ قرآن کے پہلے نزول کے بعد کچھ دنوں تک اس کا نازل ہونا بند رہا تاکہ آپؐ کا دل مضبوط اور کلام الٰہی کا بار گراں اٹھانے کے قابل ہو جائے۔ اس کو فترۂ وحی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

۴۔چالیس دن کے فترہ کے بعد سورۂ مدثر نازل ہوئی جس میں آپؐ کو حکم دیا گیا کہ لوگوں کو اللہ کے دین سے باخبر کریں۔ یہاں سے تبلیغ کا دور شروع ہوا۔

۵۔تبلیغ کا یہ دور خفیہ کہلاتا ہے۔ کیوں کہ ابھی علانیہ اور کھلم کھلا تبلیغ کا حکم الٰہی نہ تھا۔ قرآن مجید کا نزول برابر جاری رہا اور کبھی بند نہ ہوا۔

۶۔اس دور میں اسلام کے تین عقیدے سکھائے گئے :توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان۔ ان کے ساتھ جنت وجہنم، تقدیر، کتابوں اور فرشتوں وغیرہ پر ایمان لانے کے ذیلی عقیدے بھی شامل تھے۔اسلام کے ارکان میں پہلے صرف وضو اور دن میں ایک نماز کی تعلیم دی گئی۔اس کے علاوہ کئی اخلاقی تعلیمات دی گئیں جیسے سچ بولنا، امانت ادا کرنا، وعدہ اور معاہدہ کی پابندی کرنا اور مسلمانوں کی مدد کرنا وغیرہ۔

۷۔خفیہ تبلیغ کے تین سالہ دور (۶۱۰ء-۶۱۳ء) میں قریش کے تمام خاندانوں میں اسلام پھیلا۔ان میں شریف خاندانوں کے لوگ بھی تھے اور غلام وکنیز اور کمزور مسلمان بھی۔

۸۔زیادہ تر مسلمان نوجوان تھے۔ان کی تعداد کئی سو تھی۔ مکہ کے باہر بسے ہوئے قبائل کے لوگ بھی اسلام لائے۔

۹۔تین سال پورے ہونے سے قبل دارارقم اسلام کا پہلا مرکز بنا جہاں اسلام کی عملی تعلیم دی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل قیام اس مرکز میں رہتا تھا۔

۱۰۔۶۱۳ء میں علانیہ تبلیغ کا دور اللہ کے حکم سے شروع ہوا جو باقی دس سال تک جاری رہا۔اس دور میں بہت سے اہم واقعات پیش آئے۔

............مسلمانوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوا۔ان میں مکی قریشی لوگ بھی شامل تھے اور باہری بدوی قبیلوں کے لوگ بھی۔ مردوں عورتوں اور بچوں نے الگ الگ اور پورے خاندانوں نے اسلام قبول کیا۔

............مسلمانوں کی خاصی تعداد ہونے کے بعد ان میں مواخاۃ (بھائی چارہ) پیدا کیا گیا اور پہلی بار اسلامی معاشرہ کی تشکیل ہوئی جس کی بنیاد خون کے رشتے کے بجائے اسلام پر رکھی گئی۔

Marfat.com

.....تاجروں، مکہ کے زائروں، حاجیوں اور عرب قبیلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورزوں نے پورے عرب میں اسلام کا تعارف کرادیا۔

.....اسی دور میں مکہ کے قرب وجوار بلکہ دور دراز کے علاقوں میں بھی اسلام پھیلا۔ ان میں جنوبی عرب کے قبیلے اور علاقے یمن وزبیدودوس وغیرہ، مشرق میں بحرین کے عبدالقیس، مغرب میں اسلم وغفارو غیرہ کے قبیلے شامل تھے۔

.....اسی زمانے میں اسلام کی مخالفت قریش کے طرف سے شروع ہوئی۔اس میں تقریباً سب قبیلے شامل تھے۔ پہلے زبانی ملامت ہوئی پھر مار پیٹ ہوئی اور جسمانی تکلیفیں دی گئیں۔

.....قریشی معزز خاندانوں کے مسلمانوں کو نسبتاً کم تکلیف کا سامنا کرنا پڑا کہ ان کے خاندانوں کی حمایت انہیں حاصل تھی مگر کمزور مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے۔

.....مکی سرداروں کے ظلم وستم سے بچنے کیلئے سوڈیڑھ سو مسلمان حبشہ ہجرت کر گئے بعد میں بہت سے لوگ واپس مکہ آ گئے مگر زیادہ تر وہیں نجاشی کی حمایت میں مقیم رہے۔

.....دور قریشی اکابر حضرت حمزہ ہاشمی اور حضرت عمر عدوی کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بہت تقویت ملی اور علانیہ اسلام پر عمل کرنے لگے۔

.....قریشی دشمنوں نے قبائلی نظام حمایت توڑنے کے لئے مسلمانوں کا سماجی بائیکاٹ کیا جو تین سال (۱۹ـ۶۱۶ء) جاری رہا مگر وہ مسلمانوں کے صبر واستقلال کے آگے دم توڑ گیا۔ خود قریشی سرداروں نے اس کو ختم کر دیا

.....۹ نبوی/۶۱۹ء میں آپؐ کے دو قریب ترین حامیوں حضرت خدیجہ اور ابوطالب ہاشمی کی وفات ہوئی اور آپؐ خاندان بنو ہاشم کی حمایت سے محروم ہو گئے۔

.....قبائل میں تبلیغی دوروں اور وقتی کوششوں کے سلسلے میں ۶۱۹ء میں طائف کا سفر کیا جہاں ایک ماہ تک تبلیغ کرتے رہے مگر سرداروں کی مخالفت سے کامیابی نہیں ملی البتہ اسلام کا تعارف خوف ہو گیا۔

.....قبیلوں کو اسلام کی دعوت دینے کے سلسلہ میں مدینہ کے سرداروں سے ملاقات ہوئی ۶۱۵ء کے لگ بھگ مدینہ منورہ میں اسلام کا تعارف ہوا۔

Marfat.com

.....۶۲۰ء سے چھ خزرجیوں کے قبول اسلام اور اشاعت دین سے مدینہ منورہ میں اسلام کا عاصر چرچا ہوا۔

.....۶۲۱ء میں مدنی مسلموں کے نونمائندوں سے بیعت نساء ہوئی جو اخلاقی تعلیمات پر مبنی تھی۔اس سے اسلام کا کام اور بڑھا۔

.....۶۲۲ء میں مدنی مسلمانوں کے ستہتر نمائندوں سے بیعت حرب ہوئی اور مدینہ کی اکثریت اسلام سے مشرف ہوگئی۔

.....بیعت حرب ہی ہجرت مدینہ کا دیباچہ بن گئی۔

Marfat.com

حیات نبوی کا دوسرا دور

مدنی عہد ۱۔۱۱ھ:

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے کے ساتھ اسلامی تاریخ کا مدنی دور شروع ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف سے ہجرت کرنے کی اجازت بیعت حرب یا دوسری عقبہ کی بیعت کے بعد مل گئی اور مسلمانوں نے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں اور اکا دکا ترک وطن کرنا شروع کر دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اجازت الٰہی ملنے کے منتظر رہے۔ اور جوں ہی اجازت ملی آپؐ بھی مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اسی سے مدنی حیات طیبہ کا دور شروع ہوتا ہے جو دس سال کے عرصہ پر محیط ہے یعنی ۱۲ ربیع الاول ۱ھ / ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء سے لے کر ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ / ۸ جون ۶۳۲ء تک۔

آسانی کی خاطر اور بعض بنیادی فرق کے سبب اس دس سالہ عہد کو چار ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں اول ۱۔۲ھ / ۲۴ / ۶۲۲ء میں تقریباً اٹھارہ ماہ کا زمانہ جو ہجرت نبوی جنگ بدر تک وسیع ہے یہ ابتدائی مدنی دور ہے۔ دوسرا ۵۔۲ھ / ۲۸ / ۶۲۴ء کا دور ہے جو قریشی حملوں کا زمانہ ہے اور جنگ بدر سے جنگ خندق تک کا ہے۔ تیسرا ۸۔۶ھ / ۳۰ / ۶۲۸ء کا دور ہے جو خندق اور فتح مکہ کے درمیان کا عہد ہے۔ اور چوتھا ۱۱۔۹ھ / ۳۲ / ۶۳۰ء کا تقریباً سوا دو سال کا عرصہ ہے۔ جو فتح مکہ سے آپؐ کی وفات حسرت آیات تک وسیع ہے۔

ان تمام ادوار کی الگ الگ خصوصیات ہیں جو ان کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتی ہیں۔

Marfat.com

پہلا مدنی دور ۲۔اھ / ۲۴۔۶۲۲ء:

اس دور کا آغاز ہجرت سے ہوتا ہے۔ ہجرت مدینہ کے سلسلہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے خواب میں دکھایا گیا کہ آپؐ کا دارالہجرۃ ایک ہرا بھر نخلستان ہے۔ آپؐ کو خیال ہوا کہ شاید وہ یمامہ یا ہجر اعلاقہ ہے لیکن وحی الٰہی نے وضاحت کردی کہ ہجرت کا موعہدہ گھر یثرب ہے جو بعد میں مدینہ کے نام سے مشہور ہوا۔ بیعت عقبہ ثانیہ سے اس کی عملی تصدیق ہوگئی

اس وقت تک یثرب یا مدینہ تقریباً پورا کا پورا مسلم بن چکا تھا۔ اس کی غالب اکثریت کے مسلمان ہونے سے اسلام، مسلمانوں اور آپؐ کو وہ حمایت ونصرت ازخود حاصل ہوگئی تھی جس کی آپؐ کو اسلام کے لئے تلاش تھی۔ دراصل مدینہ منورہ کو آپؐ کا دارِ ہجرت بنانا اللہ تعالی کی عظیم حکمت عملی اور مصلحت کا مظہر تھا۔ اول تو یہی چیز تھی کہ دارالہجرۃ کی اکثریت مسلمان تھی۔

دوسرے مدینہ منورہ مکہ مکرمہ کے حلقہ اثر سے دور بھی تھا اور مرکزی عرب میں بھی واقع تھا جب کہ دوسرے مقامات بہت دور تھے اور ان کا قریش، مکہ اور بیت اللہ سے براہ راست ربط نہ تھا۔

تیسرے مدینہ منورہ اس بین الاقوامی شاہراہ تجارت پر واقع تھا جو مکہ کے ایک طرف یمن سے (جنوب میں) اور دوسری طرف شام سے (شمال میں) جوڑتی تھی۔ قریش مکہ سے جلد یا بدیر آویزش لازمی تھی۔ لہٰذا مدینہ قریش پر تجارتی دباؤ بھی ڈال سکتا تھا اور ان کی فوجی ناکہ بندی بھی کرسکتا تھا۔

چوتھے مدینہ منورہ کے اوس وخزرج کے دو عرب قبیلے، جو انصار تھے، مالی لحاظ سے آسودہ تھے۔ وہ زراعت کرتے تھے اور کچھ تجارت پیشہ بھی تھے۔ مہاجرین مکہ وہاں مختلف اقتصادی مشاغل اختیار کرکے معاشی لحاظ سے مستحکم ہوسکتے تھے۔ وہ اپنی پسند کا اسلامی سماج قائم کرسکتے تھے۔ اور اسلامی تہذیب کو فروغ دے سکتے تھے۔

پانچویں مدینہ منورہ بحر قلزم کے بہت قریب تھا۔ لہٰذا وہ ایک اہم فوجی مرکز بھی بہ آسانی بن سکتا تھا۔ وہ تنگ مغربی ساحل پر قبضہ کرکے فوجی طاقت بن سکتا تھا۔ اور جیسا کہ بعد میں ہوا بھی۔

چھٹے یہ کہ مدینہ اور اس کے اردگرد کے علاقے مکی سیاست کے اثرات سے آزاد تھے۔

Marfat.com

مسلمان قرب وجوار کے عرب قبیلوں سے اتحاد کر کے ایک ریاست اسلامی کی بنیاد رکھ سکتے تھے

ساتویں یہ کہ وہ آزادی سے اللہ کے دین پر عمل کر سکتے تھے اور اس کے مطابق زندگی کا نظام مرتب کر سکتے تھے۔

ہجرت کا آغاز:

دوسری بیعت عقبہ کے بعد ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ پہلے اکا دکا کر کے مکی مسلمان جاتے رہے۔ اور زیادہ تر چھپ چھپا کر۔ کیونکہ قریشی سرداروں اور اسلام دشمنوں کو مدینہ میں اسلام کی اشاعت کی خبر مل چکی تھی۔ اور ہجرت حبشہ وغیرہ سے ان کو بیعت عقبہ کی اہمیت کا کچھ اندازہ بھی ہو چکا تھا۔ پھر وہ بڑے سمجھ دار اور تجربہ کار لوگ تھے اس لیے مسلمان جانتے تھے کہ وہ آسانی سے ان کو مدینہ ہجرت کرنے نہ دیں گے اور ہوا بھی یہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد اور دودھ شریک بھائی حضرت ابوسلمہ مخزومی اپنے خاندان بنو مخزوم کے ایک ممتاز فرد تھے۔ وہ پہلے ہجرت کرنے والوں میں سرفہرست ہیں۔ جب وہ اپنی بیوی حضرت امہ سلمہ اور چھوٹے بچے سلمہ کے ساتھ مدینہ جانے لگے تو خود ان کی بیوی کے خاندان بنو مغیرہ ابنو مخزوم نے حضرت ام سلمہ اور بچے کو نہ جانے دیا اور وہ مجبوراً حضرت ابوسلمہ اکیلے ہی ہجرت کر گئے۔ حضرت ام سلمہ اپنے بچے کے ساتھ ایک سال کے بعد بنو عبدالدار کے ایک شریف آدمی عثمان بن طلحہ عبدری کی مہربانی سے مدینہ ہجرت کر سکیں۔

ہجرت مدینہ کی عام اجازت ملتے ہی دوسرے مسلمانوں نے ہجرت کرنی شروع کی۔ سب سے پہلے جانے والوں میں حضرت ربیعہ بن عامر عنزی اور ان کی اہلیہ لیلی بنت ابی حثمہ، حضرت عثمان بن عفان اموی اور ان کی اہلیہ حضرت رقیہ بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ شامل تھے۔ عام طور سے یہ سب انفرادی طور سے ہجرت کرنے والے تھے۔

مسلم گروہوں کی ہجرت:

جو لوگ نسبتاً طاقتور اور مالدار تھے انہوں نے پورے خاندانوں اور گروہوں کے ساتھ

Marfat.com

علانیہ ہجرت کی تھی۔ان میں بنواسد / خزیمہ کا ایک خاندان بنی غنم بن دودان، جس کے سربراہ حضرت عبداللہ بن جحش تھے، اپنے چالیس مردوں وعورتوں کے ساتھ مدینہ گیا۔ جانے سے پہلے انہوں نے اپنے مکانوں کو تالا لگادیا۔اور سارا سامان واسباب اور نقدی ساتھ لے گئے۔ دوسرا بنومظعون (حضرت عثمان بن مظعون جمحی کا خاندان) تھا۔تیسرا بنو بکیر کا۔ان سب میں متعدد افراد گروہ اور جماعت بنا کر گئے تھے۔حضرت عمر بن خطاب عدوی کا قافلہ ہجرت بھی بیس افراد پر مشتمل تھا۔وہ اپنی ساری دولت اور اسباب بھی لے گئے تھے۔ان کے علاوہ اور بھی بہت سے خاندان اور گروہوں نے اجتماعی طور پر ہجرت کی تھی۔

خفیہ اور انفرادی ہجرت:

کمزور مسلمانوں کو چھپ چھپا کر اکا دکا جانا پڑا تھا کہ ان کی حمایت کرنے والا کوئی نہ تھا۔روک ٹوک کرنے اور لوٹنے والے بہت تھے۔اس قسم کے مسلمان مہاجروں میں حضرت صہیب بن سنان رومی تھے جن کا سارا مال قریش نے دھروالیا تھا۔ وہ خوش خوش نفع کا سودا کر کے مدینہ سدھارے۔ حضرت خباب بن الارت تمیمی لوہاری کا کام کرتے تھے۔ان کا مکہ کے کئی سرداروں پر مال ادھار تھا۔کسی نے ان کا ادھار نہیں دیا۔ وہ سب چھوڑ کر ہجرت کر گئے۔ان جیسے متعدد افراد تھے جنہوں نے نے اپنا مال اللہ کی راہ میں چھوڑ دیا اور ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔

مہاجرین کے تین طبقات:

حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ اقتصادی لحاظ سے مہاجروں کے تین گروہ تھے: ایک وہ جو بالکل خالی ہاتھ مدینہ پہنچے۔ دوسرے وہ جو کچھ بچا کچھا کر سامان اور نقدی کی شکل میں لے جاسکے اور تیسرے وہ جو اپنا تمام غیر منقولہ مال واسباب لے گئے۔ظاہر ہے کہ مکانات اور جائدادیں سب مکہ میں رہ گئیں۔ مالی نقصان اور غریب الوطنی کی مصیبت کچھ کم نہ تھی مگر ان مہاجروں نے اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا کے لئے خوشی خوشی برداشت کرلیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق مہاجروں کو اپنے انعامات سے خوب نوازا۔ (سورۂ نساء ۱۰۰)

Marfat.com

مکہ کے بیکس مسلمان:

بہت سے ایسے تھے جو اپنے عزیزوں، بزرگوں اور قریشی سرداروں کی دشمنی کی وجہ سے جانہ سکے یا اگر چلے گئے تھے تو بہانہ اور مکروفریب سے واپس لاکر مکہ میں قید کردیئے گئے۔ ابوجہل مخزومی اپنے مال جائے بھائی حضرت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی کو ماں کی بیماری اور پریشانی کا فریب دے کر مدینہ سے باہر لایا اور راستہ میں قید کر کے مکہ لے جاکر بند کردیا۔ حضرت ہشام بن عاص سہمی کو ان کے عزیزوں نے مکہ ہی میں پکڑ کر خانہ قید کردیا۔ اس طرح سہیل عامری نے اپنے بیٹے حضرت ابو جندل کو گھر میں مدتوں بند رکھا۔ ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن سہیل عام بھی اسی طرح پکڑ کر بند کردیئے گئے۔ ان پر طرح طرح کے ظلم وستم کئے گئے۔ مکہ مکرمہ میں ایسے مسلمانوں کی تعداد خاصی تھی۔

مکی مسلمانوں میں دو طرح کے لوگ تھے جنہوں نے اسلام لانے کے بعد ہجرت نہیں کی۔ حالانکہ سب کو ہجرت کا حکم تھا۔ ان کے اس کام کو اللہ اور رسول نے پسند نہیں فرمایا۔ دوسرے وہ لوگ تھے جن کو قریش نے خوشی سے مکہ مکرمہ میں رہنے کی اجازت دی کیوں کہ وہ لوگوں کے بہت کام آتے تھے اور غریبوں، مسکینوں اور قریش کے عام خاندان کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ ان میں سب سے اہم حضرت عبداللہ بن الخام عدوی تھے۔ کچھ مخلص مسلمان تجارت کیلئے شام وغیرہ گئے ہوئے تھے جیسے حضرت زبیر بن عوام اسدی اور طلحہ بن عبیاللہ تیمی وغیرہ۔ انہوں نے سفر سے واپسی پر ہجرت کی۔ حضرت ابوبکر اور حضرت علی کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص مقصد سے روکے رکھا انہوں نے بعد میں آپؐ کے ساتھ یا بعد میں ہجرت کی۔

انصاری مدینہ کا حس سلوک:

مکہ کے مہاجروں نے پہلے مدینہ کی ایک بستی قباء میں کچھ دنوں قیام کیا اور پھر مدینہ منورہ کے خاص شہر پہنچے۔ دونوں جگہ کے انصاری مسلمانوں نے ان کا بہت محبت اور گرم جوشی سے استقبال کیا۔ ان کو اپنے گھروں میں مہمان بنا کر رکھا۔ ان کے کھانے پینے رہنے سہنے اور ہر طرح کی دوسری ضروریات کا خیال رکھا۔ یوں تو سبھی انصاری مسلمان خیرخواہ اور مہمان نواز تھے اور

Marfat.com

سب نے اپنی بساط بھران کی خدمت کی لیکن ان میں ممتاز لوگ یہ تھے: حضرت کلثوم بن ہدم (بنو عمرو بن عوف) حضرت سعد بن عبادہ خزرجی، حضرت سعد بن معاذ اوسی، حضرت اسید بن حضیر خزرجی اور حضرت اسعد بن زرارہ خزرجی وغیرہ۔

خیر ومحبت کے ان پیکروں نے مہاجرین کو اپنے مکانات دیے۔ باغات میں حصے دیے۔ زمینیں دیں، کاشتکاری کا سامان دیا۔ افتادہ اور خالی زمینیں ان کے حوالے کر دیں۔ یہاں تک اپنی دو یا زیادہ بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے کر ان سے نکاح کرنے کی پیش کش کی جو مسلمان مہاجرین نے قبول نہ کی۔ یہ بے مثال ایثار اور لافانی قربانی تھی اور اسلام کی تعلیمات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت نے ان میں پیدا کی تھی۔ اسی قربانی ایثار اور اعانت کا مظاہرہ مکہ مکرمہ کے قریشی مالدار اور صاحب خیر مسلمانوں نے اپنے کمزور مسلمانوں بھائیوں کی مدد کر کے کیا تھا۔ یہ دراصل اسلامی اخوت اور دینی برادری کا ظاہری اظہار تھا۔ باطن میں ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے بے پناہ محبت، خیر خواہی اور ایثار بھرا ہا تھا۔

مہاجروں کے پیشے:

دوسری طرف قریشی اور مکی مہاجروں نے صرف انصاری مہمان نوازی اور ایثار وقربانی پر تکیہ کر کے مفت کے مزے لوٹنے میں زندگی بسر نہیں کی۔ انہوں نے اپنا فرض نبھایا اور انصاری بھائیوں کے حسن سلوک کا اچھا بدلہ دیا۔ ان کے باغات اور کھیتوں میں محنت کر کے پیداوار بڑھائی۔ اپنی محنت مزدوری سے ان کی مدد کی۔ ان کے مکانات کی مرمت کی اور مختلف انداز سے ان کا ہاتھ بٹایا۔ بعد میں ان کا مالی بوجھ کم کیا۔ کسی نے تجارت شروع کر دی، کسی نے اپنی زمین پر کاشتکاری کی، کسی نے دستکاری کے جوہر دکھائے اور کسی نے محنت مزدوری سے اپنا پیٹ بھرا۔ تجارت کرنے والوں میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری، حضرت عمر بن خطاب عدوی، حضرت عثمان بن عفان اموی ممتاز تھے۔ بعد میں حضرت ابوبکر تیمی، طلحہ بن عبید اللہ تیمی اور دوسرے قریشی تاجر شامل ہو گئے۔

کاشتکاری کرنے والوں میں حضرت زبیر بن عوام اسدی وغیرہ کا نام آتا ہے۔ وہ کھیتی

Marfat.com

باڑی اور باغبانی کے علاوہ تجارت بھی کیا کرتے تھے۔

دستکاری کرنے والوں میں حضرت سعد بن ابی وقاص زہری اور حضرت خباب بن الارت تیمی وغیرہ تھے۔ وہ اپنا مال بنا کر خود بیچتے تھے۔

مفلس اور بے زر مہاجروں نے محنت مزدوری کی، کبھی اپنے دینی بھائیوں انصار کے ہاں، اور کبھی یہودی کاشتکاروں اور تاجروں کے گھروں میں یا ان کے کھیتوں اور باغوں میں زمین کی مزدوری کر کے اور پانی سے کھیتوں اور باغوں کی سینچائی کر کے۔

ہجرت نبوی:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مکی مہاجروں کے جانے کے بعد اپنی ہجرت کے لیے اللہ کے حکم کے منتظر تھے۔ جلد ہی اس کے اسباب فراہم ہو گئے۔ حضرت ابوبکر نے آپؐ کے ساتھ ہجرت کرنے کی خوش خبری سنی تو پھولے نہ سمائے اور سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔ انہوں نے دو اچھی اونٹنیاں خریدیں اور ان کو کھلا پلا کر تیار کر لیا اور دوسرے انتظامات بھی کیے۔ تا کہ سفر ہجرت میں ان کے رسول محبوب کو زحمت نہ ہو۔

ادھر قریش مکہ کو یقین ہو گیا کہ جلد ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ منورہ کو ہجرت کر جائیں گے کیوں کہ مکہ تقریباً تمام بڑے مسلمانوں سے خالی ہو چکا تھا۔ اس لیے انہوں نے کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ آپؐ کا مکہ سے نکل جانا ان کے لئے خطرناک ہوگا۔ انہوں نے اس مقصد کے لئے دار الندوہ میں تمام قریشی سرداروں کا اجلاس بلایا اور بڑی بحث و مباحثہ کے بعد فیصلہ کیا کہ تمام قریشی خاندانوں کے آدمی آپؐ پر صبح کے اندھیرے میں حملے کر کے آپؐ کو قتل کر دیں تا کہ خاندان بنو عبد مناف آپؐ کے قتل کا قصاص نہ لے سکیں۔

قتل کا منصوبہ:

اسی رات آپؐ کو ہجرت کر جانے کا حکم الٰہی آ گیا جس رات آپؐ کو قریش نے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ دوپہر میں خلاف معمول آپؐ حضرت ابوبکر صدیق کے گھر پہنچے اور ہجرت کرنے کے حکم الٰہی اور اس کے وقت سے ان کو باخبر کیا۔ آپؐ نے ابوبکر صدیق کو ایک

Marfat.com

اونٹنی کی قیمت ادا کی۔ حضرت ابوبکر نے عبداللہ اریقط دوئلی کو اجرت پر رہبر مقرر کرلیا۔ رات کو دشمنوں نے آپؐ کا گھر گھیر لیا لیکن اللہ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور وہ آپؐ کو گھر سے نکلتے نہ دیکھ سکے۔ آپؐ حضرت علی کو اپنے بستر پر لٹا کر اپنی چادر اوڑھا دی اور ان کو حکم دیا کہ وہ صبح امانتیں ان کے مالکوں کو واپس کر دیں اور پھر ہجرت کریں۔

ہجرت کا سفر:

مقررہ وقت پر آپؐ اطمینان سے گھر سے نکلے، دشمن غافل رہے۔ آپؐ حضرت ابوبکر کے گھر پہنچے۔ وہاں ان کی دونوں بیٹیوں حضرت اسماء اور حضرت عائشہ نے دونوں مہاجروں کے لیے توشہ دان تیار کیا اور دونوں مہاجرین مدینہ گھر سے نکل کر پہاڑ میں واقع غار ثور میں چھپ گئے۔ صبح کو دشمنوں نے آپؐ کے بستر پر حضرت علی کو پایا تو بہت غصہ اور پشیمان ہوئے۔ ان کو مارا پیٹا۔ کچھ دیر بند رکھا مگر پھر چھوڑ دیا۔ آپؐ کا پیچھا کرنے کی تگ ودو کی، پکڑ لانے کیلئے سو اونٹ کا بھاری انعام مقرر کیا۔ حضرت ابوبکر کے گھر پر چھاپہ مار کر پوچھ تاچھ کی مگر نتیجہ نہ نکلا۔

تین دن بعد آپؐ نے غار ثور سے سفر شروع کیا۔ اس دوران حضرت ابوبکر کے نوجوان صاحبزادے عبداللہ برابر مکہ کی خبریں لاتے رہے۔ حضرت ابوبکر کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ ارد گرد کے علاقوں میں بکریاں چراتے اور رات میں دونوں مہاجروں کے لیے دودھ دے جاتے۔ تیسرے دن غار ثور سے مدینہ منورہ کا دوسرا غیر معروف راستہ پکڑا۔ دئلی راہ بر ساتھ تھا۔ مکہ کے ایک شخص سراقہ بن جعشم نے پیچھا کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔

دوشنبہ یکم ربیع الاول ۱۳ نبوی ۱۴ ستمبر ۶۲۲ء کو آپؐ نے مکہ سے ہجرت کی، ۲ اور ۳ ربیع الاول کو آپؐ غار ثور میں رہے اور ۴ کو وہاں سے روانہ ہوئے۔ راستے میں بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوئی لیکن کوئی پہچان نہ سکا۔ البتہ دو صحابیوں حضرت زبیر اور حضرت طلحہ نے پہچانا اور آپؐ کی خدمت میں کپڑوں کا ہدیہ پیش کیا۔

مدینہ آمد:

ادھر مدینہ منورہ میں آپؐ کی تشریف آوری کا شدت سے انتظار تھا۔ کیوں کہ لوگوں کو

Marfat.com

آپؐ کی ہجرت کی خبر ملی چکی تھی۔ آٹھ دن کے سفر کے بعد دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳ نبوی / ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء کو قباء پہنچے۔ وہاں کلثوم بن ہدم، (بنوعمرو بن عوف / اوس) کے یہاں کچھ دن مہمان رہے۔ قباء میں آپؐ نے ایک مسجد بھی تعمیر کی۔ جمعہ کے دن وہاں سے روانہ ہوئے اور بنو سالم بن عوف کی بستی میں پہلی نماز جمعہ پڑھی۔ وہاں سے مدینہ شہر کے لیے روانہ ہوئے۔

مدینہ میں ہر شخص آپؐ کی میزبانی کا شرف حاصل کرنا چاہتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میری اونٹنی کو چھوڑ دو۔ وہ اللہ کے حکم سے جہاں بیٹھ جائے گی اسی جگہ قیام کروں گا۔ وہ حضرت ابوایوب خالد بن زید بخاری / خزرجی کے گھر کے سامنے بیٹھ گئی اور آپؐ انھیں کے مہمان بنے۔ ان کے گھر میں آپؐ نے سات مہینے قیام کیا۔

Marfat.com

اسلامی معاشرہ اور ریاست کی تشکیل

اسلامی معاشرہ کی تشکیل

مسجد نبوی کی تعمیر:

مدینہ منورہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سب سے اہم مسئلہ اسلامی سماج کی تشکیل اور مسلمانوں کی تنظیم کا تھا۔ اسلام میں پوری سماجی زندگی کا مرکز مسجد ہے۔ اس لیے سب سے پہلے ایک مسجد کی تعمیر کی فکر ہوئی۔ مدینہ منورہ میں دو یتیم بھائیوں سہل اور سہیل کی ایک خالی زمین تھی جس پر حضرت اسعد بن زرارہ مسلمانوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔ آپؐ کو زمین پسند آئی اور آپؐ نے قیمت دے کر زمین خرید لی۔ حالانکہ وہ دونوں بچے خوشی سے ہدیہ کرنا چاہتے تھے۔

اسی زمین کو صاف کر کے مسجد تعمیر کی گئی۔ مسلمانوں کے ساتھ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گارا پتھر ڈھویا اور تعمیر میں حصہ لیا۔ کھجور کے تنوں کے ستون بنائے گئے اور کھجور کے پتوں سے چھت کچی اینٹوں اور گارے سے دیواریں بنائی گئیں۔ فرش کچا رہا۔ بعد میں اس پر کنکریاں بچھا کر کسی حد تک پکار کر لیا گیا۔ بارش کے بعد جب چھت ٹپکنے لگی تو اس پر بھی گارے کی لپائی کر دی گئی۔ ابتدا میں یہ مسجد ستر ہاتھ لمبی اور ساٹھ ہاتھ چوڑی تھی۔ پہلے قبلہ بیت المقدس کی طرف شمال مغربی سمت میں تھا۔ بعد میں کعبہ کی طرف جنوب میں ہو گیا۔

Marfat.com

۲۔مکانات نبوی کی تعمیر:

مسجد نبوی کے برابر میں دو چھوٹے چھوٹے مکان آپؐ نے بنائے۔ایک حضرت سودہ کیلئے اور دوسرا حضرت عائشہ کیلئے۔یہ مکان مسجد کی مشرقی سمت میں تھے۔ان کے دو حصے تھے۔ اندر ایک چھوٹا سا کمرہ جو کچی اینٹوں اور کھجور کی چھت کا تھا اور باہر کھجور کی ٹیٹوں سے گھرا ہوا صحن۔آنے جانے کے دروازے پر کمبل کا پردہ ڈالا گیا۔یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے رہنے کے مکانات ہی نہ تھے بلکہ اسلام کی تعلیم وتربیت کے مرکز بھی تھے۔

کچھ دنوں بعد آپؐ نے حضرت حارثہ بن زید اور اپنے غلام حضرت ابورافع کو بھیجا کہ وہ آپؐ کے خاندان کو مکہ سے لے آئیں۔حضرت ابوبکر نے بھی اپنا خاندان بلا بھیجا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان آ گیا تو انہیں دونوں مکانوں میں رہنے لگا۔

۳۔اسلام کی اشاعت:

مدینہ منورہ میں آپؐ کی آمد کے فوراً بعد ایک بڑے یہودی عالم حضرت عبداللہ بن (بنو قینقاع) نے آپؐ سے بحث ومباحثہ کیا اور اسلام کو سچا پا کر قبول کرلیا۔دوسرے یہودی عالموں نے خاص کر اور ان کے عوام نے عام طور سے ہٹ دھرمی سے سلام قبول نہ کیا۔ایک ایرانی متلاشی حق حضرت سلمان فارسی نے بھی آپؐ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کرلیا۔آپؐ نے مختلف محلوں میں جا جا کر باقی لوگوں میں اسلام پھیلایا۔

۴۔مدینہ کی آبادی:

دراصل مدینہ منورہ میں آبادی کئی طبقوں میں بٹی ہوئی تھی۔دو مسلمان انصاری قبیلے اوس وخزرج تھے اور ان کے معتدد خانوادے اور خاندان تھے۔ان انصاری قبیلوں میں زیادہ تر لوگ تو مسلمان ہو چکے تھے لیکن کچھ خاندان تھے اور افراد غیر مسلم اور اپنے پرانے عرب دین ..... بت پرستی ..... پر قائم تھے۔جلد ہی ان میں ایک اور طبقہ کا اضافہ ہوگیا، جن کو اسلام اصطلاح میں منافق کہا جاتا ہے کیوں کہ وہ بظاہر مسلمان ہوگئے تھے لیکن اپنے دل میں کفر پر جمے ہوئے تھے۔یہ اسلام کے سخت دشمن تھے۔

Marfat.com

مسلمانوں کا دوسرا بڑا طبقہ مہاجرین پر مشتمل تھا۔ جو زیادہ تر مکہ مکرمہ سے آئے تھے اور قریش کے قبیلے سے تھے۔ کچھ دوسرے قبیلوں اور علاقوں کے مہاجر بھی تھے۔

غیر مسلم مقامی لوگوں میں ایک بڑا طبقہ یہودی قبیلوں پر مشتمل تھا جن کی تعداد دو درجن سے زیادہ تھی لیکن ان میں تین فیصلے .....بنو قینقاع، بنو النضیر اور بنو قریظہ ..... بہت بڑے اور اہم تھے۔ مذہبی اور قبائلی فرق کے ساتھ ساتھ ان میں اقتصادی اور سماجی فرق بھی تھے۔

۵۔ مواخاۃ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ مہاجروں کی آبادکاری اور مدینہ کے انصاری قبیلوں کے ساتھ ان کی ہم آہنگی کا تھا۔ اس کا حل آپؐ نے اسلامی اخوت کے تحت مواخاۃ کے طریقہ سے نکالا۔ ایک مہاجر اور ایک انصاری کو آپؐ نے ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا جس طرح مکہ مکرمہ میں دو مکیوں یا قریشیوں کے درمیان آپ نے مواخاۃ قائم کی تھی۔ مواخاۃ (بھائی چارہ) کا یہ سلسلہ شروع زمانہ سے مہاجروں کے آخری قافلہ کے آنے تک جاری رہا۔ شروع میں تقریباً چالیس جوڑے بھائیوں کے بنائے گئے۔ ان میں سے حضرت ابوبکر کے بھائی حضرت خارجہ بن زید خزرجی تھے۔ حضرت عمر کے بھائی عتبان بن مالک ہوئے اور حضرت عثمان کے بھائی اوس بن ثابت تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری اور حضرت سعد بن ربیع خزرجی بھائی بھائی تھے۔ اسی طرح دوسرے تمام مہاجروں کو انصار کا دینی بھائی بنا دیا گیا۔

اس مواخاۃ کا مقصد یہ تھا کہ قبائلی تفریق ختم کی جائے اور ایک ایسے اسلامی معاشرہ کی تشکیل ہو جس میں علاقہ، قبیلہ، خون، رنگ، نسل اور نوات وغیرہ کی کوئی تفریق نہ ہو۔ اس کی بنیاد صرف سلام اور دین ہو۔ تمام مسلمان ایک دوسرے کے مددگار اور دوست ہوں۔ کمزور کو طاقتور سے مدد ملے اور طاقتور کمزور کا مددگار بنے۔ مہاجرین کو اس مواخاۃ کی اس لیے بھی ضرورت تھی کہ وہ اپنے وطن، خاندان اور رشتہ داروں وغیرہ کو چھوڑ کر آئے تھے۔ لہٰذا ان کو اجنبی ماحول میں بیگانگی سے چھٹکارا ملے اور انصار کو اس لیے حاجت تھی کہ وہ مہاجروں کو اپنے اوپر بوجھ نہ سمجھیں۔ اسی لیے یہ قانون بھی بنایا گیا کہ ایک بھائی کے مرنے پر اس کی جائیداد اور مال

Marfat.com

اس کے دینی بھائی ہی کو ملے گی۔ بعد میں جب قانون وراثت قرآن مجید میں نازل ہوا تو یہ شق منسوخ ہوگئی اور باقی تمام چیزیں باقی رہیں۔ یہ مواخاۃ مستقل انتظام اور اسلامی معاشرہ کا اہم اصول تھا۔ اس انتظام سے مسلمانوں کا صرف ایک طبقہ..... مسلم ..... رہ گیا اور مہاجروں انصار وغیرہ کے امتیازات مٹ گئے۔

(ب) اسلامی ریاست کا قیام

دستور مدینہ:

اب مسئلہ رہا غیر مسلموں اور یہودیوں کا کہ ان کو اسلامی معاشرہ کے ساتھ کس طرح سے جوڑا جائے اور کیوں کر مدینہ میں ان کا مقام متعین کیا جائے؟ اس مسئلہ کا حل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب (معاہدے) نے تلاش کیا جس کو عام طور سے اب دستور مدینہ کہا جاتا ہے۔ اس دستور مدینہ میں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان معاہدہ کیا گیا اور ان حلیف قبیلوں اور خانوادوں کو بھی شریک کرلیا گیا۔

دستور مدینہ کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کل ۴۷ دفعات میں پہلی دفعہ واضح کرتی ہے کہ مسلمان ایک الگ امت ہیں اور غیر مسلم الگ دوسری امت۔ اس کی تائید مزید دوسری دفعات سے ہوتی ہے۔

پھر دو سے گیارہ دفعات یہ بتاتی ہیں کہ ہر قبیلہ اور خاندان اپنے اپنے طریقہ اور روایات کے مطابق دیت اور قصاص کے معاملات نپٹائیں گے۔ ان سے مدینہ کے تمام لوگوں کی جان ومال کے تحفظ کی ضمانت ملتی ہے۔

دفعات ۱۵۔۱۴ اور ۱۹ کے مطابق مسلمان اگر کسی غیر مسلم کو قتل کردے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس سے دیت یا خون بہا (خون کی قیمت) لے لی جائے گی۔

دفعات ۱۷۔۱۶، ۲۲۔۲۱، ۴۱۔۴۰ اور ۴۷ نے مسلموں اور غیر مسلموں سب کے لیے ضروری قرار دیا تھا کہ وہ کسی مجرم یا باہر کے آدمی کو پناہ نہیں دیں گے۔

دفعات ۲۴ تا ۳۵ یہودی قبیلوں کو مذہبی اور تہذیبی آزادی دیتی ہیں جب کہ دفعات

Marfat.com

۳۸۔۳۶اور ۴۶ یہودی قبیلوں کے لیے یہ لازم قرار دیتی ہیں کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ تمام معاملات میں تعاون کریں یہاں تک کہ جنگ میں ساتھ دیں اور مدینہ پر حملہ ہوتو اس کا دفاع کریں اور بعض دوسری دفعات (۱۸۔۲۴۔۳۸اور ۴۵) کے مطابق ان کو جنگ کے اخراجات بھی اپنے حصہ کے برابر اٹھانے لازمی تھے۔ بعض دفعات نے شہر مدینہ کو مقدس حرم قرار دیا جہاں کسی کا خون نہیں بہایا جاسکتا نہ ظلم وستم کیا جاسکتا اور نہ فتنہ فساد برپا کیا جاسکتا ہے۔

حاکم اعلیٰ:

مدینہ منورہ کے اس دستور نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم اعلیٰ قرار دیا کہ مدینہ کے تمام لوگ...... مسلم وغیر مسلم ......اپنے تمام جھگڑے اور اختلافات فیصلے کے لیے آپؐ کے پاس لائیں گے اور آپؐ کے فیصلہ کو بے چون وچرا مان لیں گے (دفعہ ۲۳ ۴۲)۔مدینہ کا کوئی شخص خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم آپؐ کی اجازت کے بغیر جنگ نہیں کرے گا۔ (دفعہ ۳۹)

اس طرح سماجی، شہری، سیاسی، فوجی اور قانونی غرضیکہ تمام اختیارات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں آگئے تھے۔ اقتدار اعلیٰ SOVEREIGNTY دراصل اللہ تعالیٰ کا حق واختیار ہے مگر اس کے رسول اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے وہ آپؐ کو حاصل تھا۔ اور نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ غیر مسلموں کو بھی آپؐ کا اقتدار وحکمرانی تسلیم کرنی پڑی۔

ہجرت کے پانچ ماہ بعد یعنی شعبان ۱ھ فروری ۶۲۳ء میں یہ دستور مدینہ نافذ ہوا۔ اور اسی دن سے مدینہ ایک شہری اسلامی ریاست بن گیا۔ اس کی حدیں پورے شہر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس طرح پانچ چھ ماہ میں آپؐ نے دو کارنامے انجام دیئے۔ اول ایک اسلامی معاشرہ بنایا اور دوم ایک اسلامی ریاست قائم کی۔ یہ دونوں ابھی شہر مدینہ تک محدود تھے۔

مدینہ کی شہری ریاست کی توسیع

۱۔ اسلام کی تبلیغ:

یہ اسلام اور اسلامی ریاست کے لیے ضروری تھا کہ وہ مدینہ منورہ کے اردگرد بسے ہوئے

Marfat.com

قبیلوں .....کنانہ، مزنیہ، جہینہ وغیرہ .....اور ان کے چھوٹے خانوادوں اور قبیلوں سے تعلقات استوار کرے۔ان کو اسلام کی دعوت دے، اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو خود بخود وہاں اسلامی سماج اور اسلامی ریاست قائم ہوجاتی کہ اس طرح اللہ اور اس کے حکمراں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدار اعلیٰ بھی قائم ہوجاتا تھا۔

مدینہ کے قریب دو قبیلے مزینہ اور جہینہ آباد تھے اور ان کے مدینہ کے دونوں مسلمان قبیلوں اوس وخزرج سے جن کا اب مجموعی نام انصار تھا۔حلف ودوستی کے تعلقات تھے۔ان تعلقات نے ان کو اسلام سے متعارف کرایا۔وہ نہ صرف مسلمان ہوگئے بلکہ انہوں نے دوستانہ معاہدے کئے۔اس طرح اسلامی ریاست مدینہ شہر سے آگے بڑھ کر ان کے علاقوں تک پھیل گئی۔

۲۔ابتدائی مہمیں:

پڑوسی قبیلوں سے اسلام کا تعارف کرانے، سیاسی اور فوجی معاہدے کرنے اور ان کے علاقوں میں اسلامی ریاست کا اقتدار قائم کرنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ شہر کے معاملات نپٹانے کے فوراً بعد اور ہجرت کے چھٹے مہینے ۱ھ / ۶۲۳ء میں مختلف علاقوں میں چھوٹی چھوٹی مہمیں بھیجنے کا منصوبہ بنایا۔

وہ دو طرح کی تھیں: غزوات (واحد: غزوہ) اور سرایا (واحد: سریہ) غزوہ وہ مہم جس میں بہ نفس نفیس آپؐ قیادت وکمان کریں اور سریہ جو آپؐ کے کسی صحابی کی کمان میں بھیجی گئی ہو۔ان کی ابتدائی مہمیں کہا جاتا ہے اور ان کی تعداد عام طور سے آٹھ بتائی جاتی ہے۔ممکن ہے اور بھی رہی ہوں۔آٹھ میں سے چار غزوات تھے اور چار سرایا۔

پہلا سریہ حضرت حمزہ ہاشمی کی قیادت میں سیف البحر (ساحل سمندر) کے علاقہ میں بھیجا گیا۔اسی کے ساتھ دوسرا سریہ حضرت عبیدہ بن عارث مطلبی کی قیادت میں رابغ نامی مقام کی طرف روانہ کیا گیا۔اس کے ایک ماہ بعد حضرت سعد بن ابی وقاص زہری اپنی مہم حرار کے علاقہ میں لے گئے۔یہ سب مہمیں اس شاہراہ تجارت کے علاقوں میں گئی تھیں جس پر قریش کے کارواں گذرتے تھے۔

Marfat.com

پھر رسول اللہ علیہ وسلم نے چار مہموں میں کمان کی: پہلی ابواء کے علاقے میں، دوسری بواط نامی مقام پر، تیسرے مہم میں آپؐ نے مکہ کے ایک حملہ آور کرز بن جابر فہری کا پیچھا کیا۔ جس نے مدینہ کی ایک چراگاہ پر حملہ کیا تھا۔ چوتھی العشیرہ کے علاقے میں لے گئے۔

ان تمام مہموں میں نہ کوئی جنگ ہوئی اور نہ لڑائی ہوئی اور نہ کسی سے مڈبھیڑ۔ ان کا مقصد دراصل قریبی قبیلوں سے دوستی کرنا تھا چنانچہ قبیلہ کنانہ کے دو خاندانوں بنوضمرہ اور مدلج اور ان کی شاخوں سے دوستی کے معاہدے ہوئے۔ ان کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ قریش کو سمجھا دیا جائے کہ مدینہ کی شہری ریاست کا احترام کرے۔

آخری مہم سریہ نخلہ تھا جو حضرت عبداللہ بن جحش کی قیادت میں مکہ کے قریب واقع شہر نخلہ کے پاس بھیجا گیا تھا کہ قریش کی خبریں لائے مگر وہاں اچانک ایک قریشی کارواں سے مسلمانوں کی مڈبھیڑ ہوئی اور اس میں مسلمان کامیاب رہے۔ انہوں نے ایک آدمی کو قتل کر دیا اور ان کے سامان پر قبضہ کرلیا۔

نخلہ کے سریہ اور کرز بن جابر فہری کے تعاقب میں کئے گئے غزوۂ نبوی نے قریش کے گھمنڈی سرداروں پر واضح کر دیا تھا کہ اب مسلمانوں کو دبایا نہیں جاسکتا۔ دوسرا اہم نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی ریاست کی حدیں شہر مدینہ سے نکل کر قرب وجوار کے علاقہ میں پھیل گئیں۔

۳۔غزوات کا سلسلہ:

اسلام کا مقصد بلاوجہ جنگ کرنا نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جنگ کے بجائے معاہدوں اور تبلیغ دین کے ذریعہ اسلام پھیلانا چاہتے تھے لیکن اگر کوئی جنگ وجدال پر مجبور کرے تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو جنگ کرنے کی اجازت بھی دے دی تھی۔ (قرآن مجید، سورۂ حج ۳۹ وغیرہ) کیوں کہ کبھی کبھی جنگ بھی امن قائم کرنے کیلئے ضروری ہوجاتی ہے۔ خاص کر اس صورت میں جب کوئی دشمن اسلام اور مسلمانوں پر حملہ کرے یا سازشوں کے ذریعہ ان کے درپے ہوجائے۔

غزوۂ بدر: اسباب

Marfat.com

قریش مکہ نے ایک بڑے پیمانے پر ایک تجارتی کاروں ہجرت نبوی کے چوتھے مہینے کے بعد ابوسفیان بن حرب اموی کی کمان میں شام بھیجا۔ اس میں مکہ کے تمام مالداروں کے علاوہ ہر چھوٹے بڑے نے پیسہ لگایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ اس کارواں کی خبر سے آپؐ کو تشویش ہوئی کہ ضرور کچھ دال میں کالا ہے کیوں کہ اس سے پہلے قریشی سرداروں نے یہودی قبیلوں سے اسلام اور اسلامی ریاست کے خلاف ساز باز کی تھی۔ انہوں نے منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول، خزرجی کو بھی خط لکھے تھے کہ آپؐ کو مدینہ سے نکال دیں ورنہ شہر پر حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے۔ ان حالات میں اتنے غیر معمولی کارواں کو بھیجنے سے آپؐ کا ماتھا ٹھنکا۔ اور آپؐ نے یہ فصلہ کرلیا کہ اس کارواں کو روک لیا جائے تا کہ قریش کو اندازہ ہوجائے کہ مسلمان سے بڑکر ان کی شامی تجارت کا راستہ بالکل بند ہوجائے گا۔ یہ ان پر پہلے بھی واضح تھا مگر آپؐ ان کو اپنی طاقت دکھا کر صلح پر مجبور کرنا بھی چاہتے تھے، ذوالعشیرہ کا غزوہ اسی مقصد سے ہوا تھا لیکن آپؐ کو دیر سے خبر ملی اور کارواں شام پہنچ گیا۔

اس کی واپسی پر پھر آپؐ اس کو رکنے کی غرض سے تین سو چودہ مسلمانوں کے ساتھ نکلے جن میں ۸۳ مہاجر اور ۲۳۱ انصاری تھے۔ ابوسفیان اموی تجربہ کار سپاہی اور ماہر جنگ ہونے کے علاوہ قریشی افواج کے سپہ سالار تھے۔ ان کو خدشہ تھا کہ واپسی پر ان کا کارواں روکا جاسکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے مکہ والوں کو کارواں کی حفاظت کیلئے ایک فوج بھیجنے کیلئے کہا۔ قریش کو جب اس کی خبر ملی تو وہ ایک ہزار سپاہیوں پر مشتمل کیل کانٹے سے لیس فوج لے کر نکلے جس میں قریش کے تمام بڑے بڑے سردار موجود تھے۔ ادھر ابوسفیان اموی نے ہوشیاری کی اور کارواں کا راستہ تبدیل کر کے اسے بچالے گئے۔ اسلامی لشکر اس کا بدر کے مقام پر انتظار کرتا رہ گیا۔ کارواں کے بچنے کے بعد ابوسفیان اموی نے قریشی فوج کو واپس مکہ جانے کیلئے لکھا لیکن ابوجہل مخزومی وغیرہ اڑ گئے کہ ہم تو بدر جا کر وہاں جشن منائیں گے اور عرب کو مرعوب کریں گے تا کہ کوئی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔ چنانچہ وہ بدر جا پہنچے۔ دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو مسلمانوں کی کم تعداد دیکھ کر جنگ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ امن وامان چاہنے والے قریشی اس

Marfat.com

جنگ کے حق میں نہ تھے مگر ان کی ایک نہ چلی۔

جنگ بدر:

نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۷ رمضان المبارک ۶۲۴ء/ ۲۳ مارچ ۶۲۳ء کو دونوں کے درمیان جنگ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی چھوٹی سی فوج کو اپنی رحمت خاص اور مسلمانوں کے صبر واستقلال کی وجہ سے فتح کامل دی۔ مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت ملا۔ ان کے کل چودہ مجاہد شہید ہوئے۔ جب کہ قریش کے ستر آدمی مارے گئے جن میں بڑے بڑے سردار جیسے ابوجہل مخزومی، عتبہ بن ربیعہ عبد شمسی اور اس کا بھائی شیبہ وغیرہ شامل تھے اور ستر ہی گرفتار ہو کر جنگی قیدی بنے۔ بعد میں دو کے سوا سب فدیہ لے کر چھوڑ دیے گئے۔

اثرات:

جنگ بدر اور مسلمانوں کی فتح کا بہت گہرا اثر پڑا۔ قریش کی ساکھ بکھر گئی۔ اور ان کی عزت پر حرف آیا۔ مسلمانوں کا رعب ودبدبہ قائم ہوا۔ قریبی قبیلوں نے اسلامی ریاست کے ساتھ دوستی کے معاہدے کیے۔ قرب وجوار میں اسلام کا فروغ ہوا اور اسلامی ریاست کی سرحدیں اور پھیلیں

فتح بدر کے ساتھ مسلمانوں کے مسائل بھی بڑھے۔ اسلام دشمنی نے بھی محسوس کر لیا کہ اسلامی ریاست وسیع اور مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جاتی ہے۔ اس لیے مدینہ منورہ کے یہودی قبیلوں نے اپنی حرکتیں شروع کیں۔ قرب وجوار کے بعض قبیلوں نے دشمنی پر کمر باندھی اور قریش مکہ تو اب جانی دشمن بن چکے تھے۔ مسلمانوں کی اندرونی صفوں میں منافقوں کی سازشیں بھی بڑھیں۔ اسلام اور آپؐ کو اب زیادہ خطرہ درپیش تھا۔ دراصل آپؐ کو اب چومکھی لڑائی لڑنی تھی۔

قریش کے حملے:

بدر کی شکست نے پہلے تو قریش مکہ کو ہکا بکا کر دیا۔ زخم بھر چلے تو انہوں نے اس کا انتقام لینے کے لیے زبردست تیاریاں کیں۔ ان کے انتقال کی آگ اور جنگ کے شعلے بھڑکانے میں مدینہ منورہ کا ایک یہودی سردار شاعر کعب بن اشرف سب سے آگے آگے تھا۔ قریش نے پہلے

Marfat.com

مکہ کے ایک تاجر اور سپاہی بن وہب کو بھیجا کہ دھوکہ سے آپؐ کو قتل کردے مگر اللہ کا کرنا کہ جیسے ہی اس نے آپؐ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا وہ اسلام لاکر آپؐ کا جاں نثار بن گیا۔

جنگ بدر کے بعد ابوسفیان اموی نے ایک لشکر کے ساتھ مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کر کے کچھ لوگوں کو مار ڈالا اور کھیتوں کو آگ لگادی۔ آپؐ نے خبر ملنے پر ان کا پیچھا کیا تو وہ بھاگ نکلے اور بھاگتے میں اپنے ستو کے بورے پھینکتے گئے۔ اس لیے یہ غزوہ السویق کہلاتا ہے جو ذی الحجہ ۲ھ / مئی ۶۲۴ء میں ہوا۔

اس کے چار پانچ مہینوں کے بعد آپؐ نے حضرت زید بن حارثہ کی ماتحتی میں ایک لشکر بھیجا جس نے صفوان بن امیہ کی قیادت میں جانے والے ایک تجارتی کارواں پر قبضہ کرلیا۔ مسلمانوں کو بہت مال غنیمت ملا۔ کارواں کے لوگ البتہ بچ کر بھاگ نکلے۔ غزوۂ بدر کے بعد جب جنگ کا سلسلہ شروع ہوا تو آپؐ نے قریشی تجارت کی ناکہ بندی کردی۔ اور ایسی سخت کہ پھر اس کے بعد کوئی مکی کارواں شام نہ جاسکا۔ قریش کیلئے یہ موت وزندگی کا سوال تھا۔ اس لیے انہوں نے آخری فیصلہ کرلیا۔

غزوۂ احد:

شوال ۳ھ / مارچ ۶۲۵ء میں ابوسفیان اموی کی قیادت میں ایک بڑے مکی لشکر نے جو تین ہزار مسلح سپاہیوں اور دوسو شہسواروں پر مشتمل اور ہر طرح سے چالیس تھا، مدینہ پر حملہ آور ہوا، وہ بڑھتے بڑھتے مدینہ کے قریب پہنچ گیا اور شمال میں واقع احد نامی پہاڑ پر اپنی فوجیں جمالیں اور بہترین جگہوں پر قبضہ کرلیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اکثر تجربہ کار لوگوں کا خیال تھا کہ اتنا بڑے لشکر کا مقابلہ شہر میں محصور ہوکر کرنا چاہئے۔ کھلے میدان میں جانا ٹھیک نہیں لیکن کچھ ناتجربہ کار اور زیادہ تر جوشیلے جوانوں نے آپؐ کو کھلے میدان میں لڑنے پر مجبور کردیا۔ آپؐ نے احد کے دامن میں اپنی فوج جمائی اور پہاڑ کے ایک کھلے درے پر جہاں سے عقبی حملہ ہوسکتا تھا تیراندازوں کا ایک دستہ مقرر کیا اور ان کو ہدایت کی کہ کسی بھی حال میں اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ مگر جب جنگ شروع ہوئی اور مسلمانوں کا پلڑا بھاری نظر آیا تو پچاس میں سے چالیس تیراندازوں نے اپنے کمان دار کی حکم عدولی کرتے ہوئے جگہ چھوڑ دی اور لوٹ مار میں

Marfat.com

لگ گئے۔دوسری طرف قریشی لشکر بھاگ کھڑا ہوا تھا مگر موقعہ دیکھ کر خالد بن ولید مخزومی نے اسی درے سے پیچھے سے حملہ کر کے مسلمانوں کی فتح کو ہار میں بدل دیا۔خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سخت زخمی ہوئے۔ ستر کے قریب بڑے بڑے مسلمان شہید ہوئے جن میں حضرت ہاشمی، حضرت بن عمیر عبدری وغیرہ شامل تھے۔مجموعی لحاظ سے سخت جانی اور مالی نقصان ہوا۔پھر آپؐ نے اپنی فوجوں کو جمع کر کے حملہ کیا تو قریشی پسپا ہو گئے۔بعد میں آپؐ نے حمراء الاسد نامی مقام تک ان کا پیچھا کیا۔مسلمانوں کے بعض سپاہیوں کی غلطی اور نافرمانی سے اسلامی فوج کو سخت نقصان پہنچا اور ان کی ساکھ کو دھکا لگا۔لیکن یہ نقصان عارضی ثابت ہوا۔کیونکہ آپؐ نے دوسرے محاذوں پر کئی عظیم فتوحات حاصل کی تھیں

غزوہ بدر ثانی:

اگلے سال ذوقعدہ ۴ھ / اپریل ۶۲۶ء میں ابوسفیان اموی کی کمان میں ایک قریشی فوج نے پھر حملہ کرنے کے لیے پیش قدمی کی مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدام سے گھبرا کر لوٹ گئے۔آپؐ بدر میں کچھ دن قیام کر کے مدینہ لوٹ آئے۔

غزوۂ خندق:

ان چھوٹی چھوٹی مہموں سے قریش کا نہ تو وقار بلند ہوا۔نہ ساکھ بنی اور ان کا اصل مقصد حل ہوا۔لہذا انہوں نے ایک بڑے متحدہ محاذ بنایا جس میں قریش کے علاوہ کئی عرب قبیلے جیسے غطفان، بنوسلیم اور بنو اسد وغیرہ شامل ہو گئے۔ادھر مدینہ کے یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے بھی ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔یہ لشکر کئی لشکروں اور فوجوں پر مشتمل تھا۔اس لیے احزاب کہلایا۔اس میں تجربہ کار و مسلح دس ہزار سپاہی تھے۔اسلامی فوج صرف تین ہزار سپاہ پر مشتمل تھی۔

شوال ۵ھ / اپریل ۶۲۷ء میں احزاب کے لشکر نے مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے مکہ سے پیش قدمی کی۔ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے مشورہ سے خاص کر حضرت سلمان فارسی کی رائے پر مدینہ کے شمال میں خندق کھود لی۔ باقی تین طرف سے مدینہ حرّوں (لاوے کے ٹیلوں) کے سبب محفوظ تھا۔لشکر احزاب جب مدینہ پہنچا تو ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ

Marfat.com

خندق کا کیا حل نکالیں۔ ناچار وہ شہر کا محاصرہ کیے پڑے رہے۔ ان کے سواروں نے کئی بار اس کو پار کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ تیراندازی کی جنگ البتہ ہوئی مگر مسلمانوں نے انھیں مار بھگایا۔ بالآخر اللہ تعالےٰ نے ان پر تیز ہواؤں، سردی کے جھکڑوں اور دوسری بلاؤں کو بھیجا اور قریشی اتحاد پارہ پارہ ہوگیا۔ بنوقریظہ کو آپؐ نے الگ تھلگ کر کے دشمن کو حملے کرنے کا موقعہ نہ دیا۔ قریشی اتحاد میں رخنہ پڑ گیا اور کئی قبیلے الگ ہوگئے۔ بالآخر وہ ناکام ونامراد لوٹ گئے۔ یہ جنگ ذوقعدہ ۵ھ / مارچ اپریل ۶۲۷ء میں ختم ہوئی۔

قریشی جارحیت کا خاتمہ:

قریش کا اتنا بڑا حملہ ناکام رہا تو ان میں باہمی پھوٹ پڑ گئی، ان کا اعتماد جاتا رہا۔ اور ہمیشہ کے لے ان کی ساکھ ختم ہوگئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کی واپسی پر فرمایا کہ ''اب تک قریش ہم پر حملہ کرتے رہے۔ اب ہم ان پر حملہ کریں گے۔'' یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اب اقدام (INITIATIVE) مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا تھا۔ اسی مقام سے قریش کا زوال شروع ہوگیا اور اسلامی ریاست ارتقاء توسیع کے منازل سے گذرنے لگی۔

Marfat.com

اسلام اور اسلامی ریاست کا عروج

اندرونی دشمن: منافقین و یہود

منافقین:

قریش اور ان کے اتحادی قبیلوں کی فوج تو باہری دشمنوں پر مشتمل تھی۔ ان سے نپٹنے کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر کے دشمنوں..... یہودیوں اور منافقوں ..... سے بھی برسر پیکار رہنا پڑا، گھر کے بھیدی زیادہ خطرناک تھے اور ان کی سازشیں اور کوششیں نفرت وانتقام پر مبنی تھیں۔ منافقین کھل کر تو آپؐ کے خلاف نہ آسکتے تھے مگر اندرونی طور سے آپؐ کے سخت دشمن تھے۔ وہ ہمیشہ اندرونی دشمنوں یہودیوں کے ساتھ ساز باز کرتے تھے یا باہری دشمنوں قریش وغیرہ کو امداد دیتے رہتے تھے۔

انہوں نے کئی موقعوں پر قریش کو خبریں پہنچائیں۔ غزوۂ احد میں عین موقعہ پر ان کا سردار عبداللہ ابن ابی اپنے ڈھائی سو سپاہیوں کو لے کر الگ ہوگیا اور مسلمانوں کی تعداد صرف ساڑھے سات سو رہ گئی۔ جنگ خندق کے موقعہ پر انہوں نے بنو قریظہ اور دوسرے یہودیوں کو آپؐ پر عقب سے حملہ کرنے پر اکسایا اور تو بچ گئے مگر بنو قریظہ اس کے جھانسے میں آگئے۔ ان منافقوں کی اپنی کوئی طاقت تو تھی نہیں لہذا آپؐ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے خلاف کوئی راست اقدام نہ کیا جائے۔ مگر ان کی سازشوں سے باخبر رہ کر ان کے حلیفوں پر ایسی مار ماری جائے کہ

Marfat.com

آستین کے سانپ اپنے زہر کا خود شکار ہو جائیں۔

یہود مدینہ:

یہودی قبیلوں نے آپؐ سے دستور مدینہ کے تحت دوستی وتعاون کے معاہدے کر رکھے تھے لیکن وہ اپنے دلی حسد اور دشمنی سے بھی مجبور تھے۔ برابر سازش کرتے رہتے اور سلام اور آپؐ کو زک دینے کے مواقع ڈھونڈتے رہتے تھے۔

غزوۂ بنی قینقاع ۳ھ/۶۲۵ء: غزوۂ بدر کے بعد آپؐ نے تمام یہودی قبیلوں سے معاہدۂ دوستی کی مزید تصدیق کرنے کو کہا تا کہ ان کا رویہ معلوم ہو سکے اور ان کو بتایا جا سکے کہ وہ مسلمانوں کی طرح مدینہ کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ سب قبیلوں نے موقعہ کی نزاکت سمجھ کر معاہدوں کی از سر نو تصدیق کر دی مگر قبیلہ بنو قینقاع نے نہ صرف معاہدے کی تصدیق کرنے سے انکار کیا بلکہ آپؐ کو جنگ کی دھمکی بھی دی۔ اپنے غرور میں انہوں نے ایک مسلمان عورت کی جوان کے سناری کے بازار میں کام سے گئی تھی، بے عزتی کی۔ جس پر ایک مسلم نوجوان نے مجرم کو ماڈالا۔ دستور مدینہ کے مطابق یہودیوں نے مقدمہ آپؐ کے پاس لانے کے بجائے مسلم کو خود مار ڈالا۔ جب آپؐ نے بنفس نفیس جا کر ان کو سمجھانے کی کوشش کی تو انہوں نے معاہدہ ہی توڑ ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپؐ نے ان کے قلعوں اور باغوں کا محاصرہ کر لیا۔ پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور آپؐ نے ان کو سارے سامان ومال واسباب کے ساتھ شہر سے نکال دیا اور وہ شام چلے گئے۔

غزوۂ بنی النضیر ۳ھ/۶۲۵ء: غزوۂ احد کے بعد اس یہودی قبیلہ نے سرکشی اور معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ ایک دیت کی رقم میں بنو النضیر سے ان کا حصہ لینے کے لئے آپؐ ان کے علاقہ میں گئے تو انہوں نے آپؐ کو مار ڈالنے کی سازش کی۔ ظاہر ہے کہ آپؐ نے ان کو شہر سے نکلنے کا حکم دیا مگر انہوں نے انکار کیا۔ جس کے پیچھے منافقوں کا ہاتھ تھا۔ وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے۔ ان کا بھی پندرہ بیس دن محاصرہ رہا تھا۔ انہوں نے بھی گھٹنے ٹیک دیے۔ ان کو مدینہ سے نکالا تو وہ خیبر میں جا بسے۔

Marfat.com

غزوۂ بنی قریظہ ۵ھ ۶۲۷ء: لیکن ان یہودیوں کا جرم سب سے بڑا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف احزاب سے مل کر جنگ لڑنا چاہی وہ اپنی بزدلی اور آپؐ کی بروقت کارروائی سے کامیاب نہ ہوسکے۔ جنگ خندق کے خاتمہ اور احزاب کی واپسی پر آپؐ نے اللہ کے حکم سے ان کا محاصرہ کرلیا۔ ایک ماہ کے بعد انہوں نے بلاشرط ہتھیار ڈال دیئے۔ خود یہودیوں کے مقرر کیے ہوئے حکم حضرت سعد بن معاذ اوسی نے تورات کے مطابق فیصلہ کیا کہ ان کے تمام بالغ مردوں کو قتل کردیا جائے اور ان کے بیوی بچوں اور مال و جائیداد پر قبضہ کرلیا جائے۔ اس فیصلہ پر عمل کیا گیا۔ بعض جدید مورخوں نے کہا ہے کہ صرف سرداروں کو قتل کیا تھا اور باقی کو معاف کردیا گیا تھا مگر ابھی تک اسے علماء نے تسلیم نہیں کیا بہرحال ان تینوں غزدوں کے سبب مدینہ سے یہودیوں کی سازش ختم ہوئی۔ باقی یہودی قبیلوں نے دوستی اور تعاون کے معاہدہ کا ہمیشہ احترام واقبال کیا لہٰذا ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی گئی اور وہ امن وامان سے رہتے رہے۔

۵ھ ۶۲۷ء کا سال اسلام اور اسلامی ریاست کی تاریخ میں بہت اہم ہے۔ اس برس آپؐ نے قریشی حملوں سے نجات پائی اور اندرونی دشمنوں ..... یہودیوں..... کی طاقت بالکل کچل دی۔ دونوں طاقتوں پر پلنے والے منافقوں کا کس بل ازخود نکل گیا۔ اس زمانے میں کئی عرب قبیلوں نے سرکشی اور سازش کی اور آپ کو ان کے خلاف کئی سرایا بھیجنی پڑیں یا غزوات لے جانے پڑے۔ قبائل عرب کے خلاف اہم ترین مہمیں یہ تھیں۔

غزوۂ بدر کے چھ ماہ بعد آپؐ نے بنوغطفان کے ایک لشکر کی سرکوبی کی۔ یہ غزوۃ الکدر کی مہم تھی۔ پھر اسی ماہ آپؐ نے غزوۂ ذوامر کی مہم میں غطفان کے خاندان بنوثعلبہ اور بنومحارب کے خلاف کارروائی کی۔ اس کے دو ماہ بعد بنوسلیم کے خلاف ایک بار پھر نکلے۔ یہ غزوۂ بحران تھا۔ ان مہموں میں لڑائی نہیں ہوئی مگر مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا۔ ان کو مال غنیمت ملا، اسلام کی اشاعت ہوئی اور اس کی سیاسی اور فوجی دھاک جم گئی۔

احد وخندق کے درمیان عرب قبیلوں کے درمیان سات مہمیں بھیجی گئیں۔ حضرت ابوسلمہ مخزومی کا سریہ قبیلہ بنواسد کے خلاف کامیاب رہا۔ بنولحیان کے خلاف حضرت عبداللہ بن انیس نے کارروائی کی اور ان کے سردار کو قتل کردیا۔ مسلمان کو دو تبلیغی جماعتوں کے قتل کا صدمہ اٹھانا

Marfat.com

پڑا۔ یہ بئر معونہ اور رجیع کے سریے تھے۔ جن کے سارے مبلغوں کو بالترتیب بنوسلیم کے دو قبیلوں اور بنولحیان کے دوخاندانوں نے قتل کردیا۔

پھر تابڑتوڑ تین غزوات کی قیادت خود آپؐ نے کی: غزوۂ ذات الرقاع میں آپؐ نے ثعلبہ اوران کے ساتھی خاندانوں کے حملوں کو روکا۔ غزوۂ دومتہ الجندل کے منصوبوں کو خاک میں ملایا۔ ان دونوں غزوات میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی کیوں کہ دشمن آپؐ کی خبر پاکر بھاگ گیا تھا۔ لیکن آخری مہم غزوۂ مریسیع/بنی المصطلق میں آپؐ نے قبیلہ بنومصطلق کے ہونے والے حملہ کو روکنے کیلئے جو اقدام کیا اس میں جنگ ہوئی اور دشمن کو زبردست ہزیمت ہوئی۔ ان کے بہت سے قیدی ہاتھ لگے اور کثیر مال غنیمت ملا لیکن آپؐ نے ان کے سردار کی بیٹی حضرت جویریہ بنت حارثہ خزاعی سے شادی کرکے اوران کے قیدیوں کو رہا کرکے ان کے دل جیت لیے وہ سب مسلمان ہوگئے۔

جنگ خندق کے بعد آپؐ کو سال بھر کی مدت میں تقریباً پندرہ مہمیں بھیجنی پڑیں، بنو محارب کے خلاف سریہ القرطاء بھیجا گیا جس نے ان کے شرپسندوں کو مار بھگایا۔ بنولحیان کے خلاف آپؐ نے واقعہ رجیع کے شہیدوں کا بدلہ لینے کیلئے کارروائی کی۔ اس کے اگلے ماہ غزوۂ غابہ میں آپؐ نے بنوفزارہ کے حملہ آوروں کو پسپا کیا۔ حضرت عکاشہ بن محصن اسدی کی مہم سریہ غمر میں بنواسد کے خلاف کارروائی کی گئی۔ ذوالقصہ کے سریہ میں حضرت محمد بن مسلمہ اوسی کے سپاہیوں کو بنوثعلبہ نے قتل کردیا تو اس کا بدلے لینے کے لئے حضرت ابوعبیدہ بن جراحی فہری کی فوج بھیجی۔

اس کے بعد حضرت زید بن حارثہ نے چار مہمیں سرانجام دیں: سریہ جموم بنوسلیم کے خلاف، سریۂ طرف بنوثعلبہ کے خلاف، سریۂ حسماء قبیلہ جذام کے خلاف اور سریۂ وادی القریٰ بنوفزارہ کے خلاف۔

پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری کے سریۂ دومتہ الجندل نے بنوکلب کے خلاف کارروائی کرکے ان سے مال غنیمت حاصل کرنے کے علاوہ عیسائیوں سے جزیہ لیا۔ حضرت زید بن حارثہ کی ماتحتی میں ایک مسلم تجارتی کارواں بن گیا تھا جس کو بنوفزارہ نے لوٹ لیا تو ان کے خلاف سریہ ام قرفہ کی مہم میں کارروائی کی گئی۔ عرینہ کے ڈاکوؤں کو سریۂ کرز بن جابر فہری نے سزادی اور حضرت زید بن حارثہ نے مدین کے لوگوں کو سرکشی کا مزہ چکھایا۔ سوائے دو کے باقی

Marfat.com

تمام مہموں میں مسلمانوں کو کامیابی ملی۔

قریش کے خلاف اقدام

عمرۂ حدیبیہ:

ذوقعدہ ۶ھ / مارچ ۶۲۸ء میں آپؐ نے عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ کا سفر اختیار کیا۔ اس میں اصل مقصد تو مذہبی تھا لیکن سیاسی اور فوجی مضمرات بھی موجود تھے آپؐ قریش کی طاقت کو آزمانا اور ان کے رویہ کو واضح کرنا چاہتے تھے۔ قریش کے کس بل لاکھ نکل گئے ہوں مگر وہ اتنی آسانی سے آپؐ کو مکہ نہیں آنے دینا چاہتا تھے خواہ آپؐ کا مقصد مذہبی کیوں نہ ہو۔ مکہ کے قریب پہنچ کر آپؐ نے حدیبیہ کی وادی میں قیام کیا۔ قریش اور ان کے حلیفوں میں اختلاف ہوگیا۔ ان کے خلیف کہتے تھے کہ کعبہ کا طواف وعمرہ کرنے والے کو نہیں روکا جاسکتا خواہ وہ مسلمانوں ہوں۔ ان کے ہمنوا کئی قریشی سردار بھی تھے۔

صلح حدیبیہ:

آخر کئی قریشی وفود کے آنے جانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیروں کی آمدورفت کے بعد قریش نے مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ کرلیا۔ یہ صلح حدیبیہ کہلاتی ہے اس کی شرطیں یہ تھیں:

(۱) دونوں فریق دس سال تک جنگ نہ کریں گے۔

(۲) مسلمان اس سال بلاعمرہ کیے واپس جائیں گے۔ اگلے سال عمرہ کرنے آئیں گے ان کو صرف تین دن مکہ میں رہنے کی اجازت ہوگی۔

(۳) اگر مکہ کا کوئی شخص مدینہ چلا گیا تو مسلمانوں کو اسے واپس کرنا ہوگا مگر قریش مدینہ سے آنے والوں کو واپس کرنے کے پابند نہ ہوں گے۔

(۴) عرب قبائل میں سے جو چاہے قریش سے یا آپؐ سے معاہدہ کرلے۔

اس صلح کی تمام شرطیں اگرچہ مسلمانوں کے خلاف تھیں اور اکثر مسلمان اس سے ناخوش بھی تھے مگر وہ آپؐ کے فیصلے سے سرتابی نہیں کرسکتے تھے۔ اللہ تعالی نے اس صلح کو فتح مبین (کھلی

Marfat.com

ہوئی فتح) قرار دیا۔ کیوں کہ اس میں جو فائدے پوشیدہ تھے وہ سراسر مسلمانوں اور اسلام کے حق میں تھے۔ (سورۂ فتح کی ابتدائی آیات)

صلح حدیبیہ کے اثرات:

اس کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوا کہ قریش نے مسلمانوں اور اسلامی ریاست کو برابر کا فریق تسلیم کرلیا۔ دوسرا اثر یہ ہوا کہ وہ قبیلے جو روایتی طور سے قریش کے حلیف اور انکے پڑوسی رہے تھے۔ اسلامی ریاست کی ابھرتی طاقت کے ہم نوا بن گئے۔ صلح کی تکمیل کے فوراً بعد اگر قبیلہ بنو بکر بن عبد مناۃ نے قریش سے دوستی اور تعاون کا معاہدہ کیا تو قبیلہ خزاعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کرلیا۔ تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ ہجرت کے بعد اب تک مسلمانوں اور قریش مکہ کا صلح جویانہ اختلاط نہیں ہوا تھا۔ اب جو آزادانہ ملاقاتیں ہوئیں۔ تو انہیں اسلام پرکھنے کا صحیح موقع ملا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دو برسوں میں اتنی کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ اب تک نہ ہوئے تھے۔

ایک اہم فائدہ یہ بھی ہوا کہ مسلمانوں کو قریشی مخالفت سے نجات ملی تو انہوں نے اپنی اسلامی ریاست کی توسیع وتعمیر اور اسلام کی تبلیغ واشاعت کی نئی کوششیں شروع کردیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سلسلہ میں پڑوسی ملکوں ایران، (ساسانی سلطنت) عراق، شام (بازنطینی سلطنت) مصر اور حبشہ کے حکمرانوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور متعدد عرب حکمرانوں کے نام بھی خطوط لکھے، جن کے اچھے اثرات نکلے اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اسی صلح حدیبیہ نے فتح مکہ کی راہ ہموار کردی۔

عرب قبیلوں کے خلاف مہمیں:

۸-۶ھ / ۳۰-۶۲۸ء کے دو برسوں کے درمیان آپؐ قریش مکہ کی طرف سے مطمئن ہوکر دوسرے عرب قبیلوں کی طرف زیادہ متوجہ رہے اور ان کے خلاف چھوٹی بڑی سولہ مہمیں بھیجیں: ان میں طاقتور قبیلہ ہوازن کی مختلف شاخوں کے خلاف پانچ مہمیں تھیں تو دوسرے انتہائی طاقتور قبیلہ غطفان کے خلاف بھی اتنی ہی مہمیں بھیجیں۔ باقی مہمیں بنو سلیم، ملوم، جہینہ، قضاء اور غسان وغیرہ کے خلاف تھیں۔

Marfat.com

یہ سرایا دراصل فوجی دستے تھے جو شرانگیزوں اور مفسدوں کے خلاف کارروائیاں کرنے گئے تھے۔ وہ پورے قبیلے کے خلاف جنگی کارروائی نہیں تھی۔ فوجی طاقت کے لحاظ سے بھی یہ چھوٹے چھوٹے دستے تھے، فوجیں نہ تھیں۔ ان میں سے بعض مہمیں جیسے ذات الاطلاح کی مہم فوجی نہ تھی بلکہ تبلیغ اسلام کرنے کی جماعت تھی۔

ان میں سے دوسرا یا اہم تھے: ایک غزوۂ موتہ کے نام سے مشہور ہے جو حضرت زید بن حارثہ کی کمان میں بھیجی گئی۔ ان کا میدان کار فلسطین کا ایک علاقہ تھا جہاں مسلمانوں کے تین ہزار کے لشکر نے رومیوں کے ایک بڑے لشکر سے مقابلہ کیا۔ مسلمانوں کے تین کماندار حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ اور بعض مسلمان سپاہی شہید ہوئے پھر حضرت خالد بن ولید مخزومی کی کمان میں وہ کامیابی کے ساتھ واپس مدینہ منورہ لوٹ آئی۔ دوسری مہم ذات السلاسل کے نام سے جانی جاتی ہے جو حضرت عمرو بن العاص کی قیادت میں شامی سرحد پر بسے دو قبیلوں بلی اور قضاء کے خلاف کامیاب رہی۔

ان تمام مہموں میں اسلامی ریاست کو کامیابی ملی۔ بہت سے قبیلے اور ان کے خاندان اسلام لائے، یا انہوں نے اسلامی ریاست کی سیاسی بالادستی تسلیم کی۔ شرپسندوں کی سرکوبی ہوئی۔ امن وامان قائم ہوا۔ اور اسلامی ریاست کی حدیں شامی سرحدوں کو چھونے لگیں۔

یہودیوں کے خلاف کارروائی:

مدینہ منورہ کے یہودی قبیلوں کی طاقت ٹوٹنے کے بعد خیبر کے یہودی مدت سے سازشیں کررہے تھے۔ انہوں نے قبلہ غطفان وغیرہ سے مل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ لیکن اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بروقت اقدام نے ان کی طاقت توڑ دی۔

صلح حدیبیہ کرنے کے ایک مہینہ کے بعد ۷ھ/۶۲۸ء میں آپؐ نے حدیبیہ والے اسلامی لشکر کے ساتھ خیبر کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا۔ وہاں یہودی قلعوں کے کئی گروہ تھے لیکن آپؐ نے کچھ اس طرح ان کا محاصرہ کیا کہ بقیہ قلعے کچھ نہ کرسکے۔ یہودی سپاہ کی تعداد دس ہزار سے اوپر تھی لیکن وہ کھلے میدان میں نہ اتر سکے۔ قلعہ بند ہوکر لڑتے رہے۔ جب آپؐ نے ایک ایک کرکے ان کے

Marfat.com

کئی قلعے فتح کر لئے تو انہوں نے اپنی سالانہ پیداوار نصف دینے کے وعدے پر صلح کر لی۔ آپؐ نے زمینیں ان کے قبضہ میں رہنے دیں اور ان سے سالانہ خراج وصول کرتے رہے۔

بعد میں انہی شرطوں پر خیبر کے قریب کی تین یہودی بستیوں .....فدک، تیماء اور وادی القریٰ ..... نے بھی آپؐ سے صلح کر لی۔ اس مہم سے مسلمانوں کی خاص کر مدینہ کے شریک مہم مجاہدوں کو سال بھر کی ضرورت کا اناج جو، جو اور کھجور وغیرہ پر مشتمل، ملتا رہا۔

قریشی طاقت کا خاتمہ:

صلح حدیبیہ کو مشکل سے دو سال گذرے تھے کہ قریش نے اپنے خاتمہ کے انتظامات کر لیے۔ انہوں نے اپنے حلیف قبیلہ بنو بکر بن مناۃ کو کھلی مدد دی اور دونوں نے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنو خزاء پر حملہ کر کے ان کے کئی لوگوں کو مار ڈالا اور ان کا مال لوٹ لیا۔ بنو خزاء کے وفد نے مدینہ خاصر ہو کر آپؐ سے معاہدہ حدیبیہ کی شرط کے مطابق قریش سے فصاص لینے کی درخواست کی۔ آپؐ نے قریش کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ روایت و دستور کے مطابق بنو خزاعہ کو دیت ادا کریں یا مجرموں کو قصاص کے لیے پیش کریں۔ قریش کے مغرور سرداروں نے دیت و قصاص دینے سے انکار کر کے صلح حدیبیہ ہی کے توڑ ڈالنے کا اعلان کر دیا۔ سفیر نبوی کے واپس آنے کے بعد تجربہ کار اور سمجھ دار قریشی سرداروں نے موقعہ کی نزاکت سمجھتے ہوئے ابوسفیان اموی کو مدینہ بھیجا تا کہ وہ صلح حدیبیہ کی پھر سے تجدید کر لیں۔ لیکن ابوسفیان کو آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا اور وہ مایوس مکہ لوٹ گئے۔

آپؐ نے بڑے زور و شور سے تیاریاں شروع کر دیں لیکن اپنا اصل منصوبہ پوشیدہ رکھا۔ تمام مسلم قبائل خاص کر اردگرد کے طاقتور قبیلوں کو فوجیں تیار کر کے متعین وقت اور متعین مقام پر آ ملنے کے احکام جاری کیے۔ جب تیاری مکمل ہو گئی تو آپؐ ایک دوسرے نسبتاً غیر معروف راستہ سے مکہ کی طرف دس ہزار مسلح لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے جس میں دو ہزار سے زیادہ شہسوار تھے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی اور آپؐ نے اچانک مکہ والوں کو جا لیا۔

آپؐ نے اپنی فوجوں کو چاروں طرف سے مکہ میں داخل ہونے کا حکم دیا اور مکہ والوں پر

Marfat.com

واضح کردیا کہ وہ اسلامی لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے لہٰذا ہتھیار ڈال دیں اور بلاوجہ خوں ریزی سے بچیں۔ان کے سامنے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔لہٰذا چند سر پھروں کے سوا اور کسی نے آپؐ کا مقابلہ نہ کیا۔اور ۲۰رمضان ۸ھ/11 جنوری ۶۳۰ء کو مکہ فتح ہوگیا اور مدینہ کو اسلامی ریاست کا ایک صوبہ بن گیا۔

آپؐ کا مقصد دشمن کو ختم کرنا نہیں تھا، صرف اس کی طاقت توڑنا تھا تا کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سرکشی نہ کر سکے۔وہ مقصد حاصل ہوا تو آپؐ نے سب مکہ والوں کو عام معافی دے دی۔حضرت ابوسفیان اموی جیسے کچھ بزرگ سردار پہلے ہی مسلمان ہوگئے تھے۔فتح کے بعد پورا مکہ اور قریش کے تمام قبیلے اسلام لے آئے اور اس طرح اسلامی ریاست مکہ کی حدود تک وسیع ہوگئی اور اسلام سب ادیان غالب ہوگیا۔(سورۂ نصر اور دوسری آیاتِ قرآنی)

ہوازن کا قبول اسلام

غزوۂ حنین:

مکہ مکرمہ کے پڑوس میں طائف اور اس کی بستیاں تھیں جہاں بہت ہی طاقتور قبیلہ ہوازن اپنے عظیم خاندانوں کے ساتھ بستا تھا۔ان میں سب سے اہم ثقیف کا قبیلہ تھا۔وہ قریش کے دشمن تو تھے لیکن اسلام کے بھی جانی دشمن تھے۔فتح مکہ کے بعد ان کو خوف ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب ان کے خلاف کارروائی کریں گے۔لہٰذا انہوں نے دس ہزار پر مشتمل فوج حنین کی وادی میں جمع کرلی اور مکہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ آپؐ کو خبر ہوئی تو آپؐ اپنے لشکر کے ساتھ ان کے خلاف بڑھے۔پہلی بار مسلمانوں کا لشکر بارہ ہزار تھا اور دشمن سے زیادہ تھا مسلمانوں کو کچھ غرور بھی ہو چلا تھا کہ وہ چھوٹے لشکروں کے ساتھ فتح پاتے چلے آرہے ہیں۔اب تو ان کی تعداد زیادہ ہے۔

مگر حنین کی وادی میں داخل ہونے کیلئے جوں ہی اسلامی لشکر کے شہسوار دستے، بنو سلیم کے قبلہ سے تھے، درہ سے اندر پہنچے ان پر ہوازن کی فوج نے سخت تیراندازی کی۔اچانک حملہ سے گھوڑے بدک کر بھاگے تو چند سو کے سوا پورا لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔پھر اللہ کی رحمت اور رسول

Marfat.com

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت قدمی سے اسلامی لشکر پلٹا اور اس نے ہوازن کو ایک کراری شکست دے کر جنگ حنین شوال ۸ھ فروری ۶۳۰ء میں جیت لی۔

ان کے چھ ہزار گھرانے اور بے شمار اونٹ، بھیڑ بکری اور مال دولت مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ چوں کہ ان قیدیوں میں آپؐ کے رضاعی قبیلہ بنوسعد بن بکر کے قیدی بھی تھے اسے لیے آپؐ نے ان کو ازراہ کرم آزاد کر دیا۔ آپؐ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے تمام مسلمانوں نے بھی اپنے قیدی آزاد کر دیئے۔ اس کا بہت اچھا اثر ہوا اور ان کے ہزار ہا لوگ مسلمان ہو گئے۔

غزوۂ طائف:

جنگ حنین کے بھاگے ہوئے سرداروں اور سپاہیوں نے شہر طائف میں پناہ لی اور محصور ہو کر بیٹھ گئے۔ آپؐ نے ایک ماہ تک ان کا محاصرہ جاری رکھا۔ پھر مسلمانوں کے مشورہ سے اٹھالیا اور واپس مکہ چلے آئے۔ آپؐ نے جعرانہ نامی مقام پر مال غنیمت تقسیم کیا۔ وہاں سے عمرے کیے اور پھر مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے۔ کچھ دونوں بعد طائف اور ہوازن کے لوگ خود مدینہ حاضر ہو کر اسلام لے آئے۔ اور پورے علاقے پر اسلام کی حکمرانی قائم ہو گئی۔

پورے عرب کی اطاعت:

سارا عرب اس بات کا منتظر تھا کہ قریش اور اسلام کی جنگ کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ جب انہوں نے دیکھا کہ مکہ مکرمہ ہی فتح ہو گیا اور عرب کی سب سے بڑی طاقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سرنگوں ہو گئی تو انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بالادستی اور مدینہ منورہ کی برتری قبول کر لی۔ اس مقصد کیلئے پورے عرب کے طول وعرض سے مشرق ومغرب اور جنوب وشمال سے تمام قبیلوں کے وفود اور نمائندے اس کثرت کے ساتھ مدینہ آئے کہ ۹ھ /۳۱ ۶۳۰ء عام الوفود (وفدوں کا سال) کہا جانے لگا۔ بہت سے قبیلوں نے پہلے برسوں میں بھی اپنے وفود بھیجے تھے مگر وہ اکا دکا آئے تھے۔ اس سال لگاتار بہت سے وفود آئے۔ یوں تو سارے قبیلوں کے وفود ان میں شامل تھے مگر اہم ترین قبیلے یہ ہیں:

ہوازن، ثقیف، عامر بن صعصعہ، عبدالقیس، طے، کندہ، ازد، ہمدان، اشعر مزینہ، جہینہ،

Marfat.com

دوس، اسد! خزیمہ، فزارہ، اشجع اور غطفان، تجیب، ہذیم، بہرہ، عذرہ، بلی، مرہ، غسان، سلامان، محارب، عبس وغیرہ۔

ان وفود میں سے اکثر نے اپنے اور اپنے قبیلوں کے اسلام لانے اور اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے کا اعلان کیا مگر بعض قبیلے ایسے بھی تھے جو اسلام نہیں لائے۔ انہوں نے اسلام ریاست کی ماتحتی اختیار کی اور جزیہ وخراج ادا کیا۔ اس طرح وہ اسلامی حکومت کے ذمی بن گئے۔

جزیرۃ العرب پر اسلام کی حکمرانی:

اکثر قبیلوں نے تو اسلام کی بالادستی قبول کر لی تھی لیکن بعض خاندانوں، علاقوں اور قبیلوں نے شورش وفتنہ جاری رکھا۔ ان کی سرکوبی کے لیے آپؐ نے چھوٹی بڑی کئی مہمیں بھیجیں۔ فتح مکہ اور آپؐ کی وفات کے درمیان دو سوا دو برسوں میں یعنی ۸ھ / ۶۳۰ء اور ۱۱ھ / ۶۳۲ء کے درمیان کل گیارہ سرایا وغزوات مختلف علاقوں میں بھیجے گئے۔ ان میں سے کئی تبلیغی اور اصلاح جماعتیں تھیں، فوجی نہ تھیں۔ ان میں سے بعض مشہور بت خانوں کو توڑنے کیلئے بھیجی گئی تھی۔ جیسے حضرت ابوسفیان اموی اور مغیرہ بن شعبہ کی مہم لات کا بت توڑنے کیلئے، حضرت علی ہاشمی کا سریہ فلس قبیلہ طے کے معبود باطل کی شکست کے لیے، حضرت خالد بن ولید کی مہم نخلہ عزیٰ شکنی کیلئے، حضرت عمرو بن عاص کی مہم سواع نامی بت توڑنے کے لئے اور ایسی ہی کئی مہمیں تھیں۔

غزوۂ تبوک:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی سب سے بڑی مہم یا غزوہ تبوک تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ رومی/بازنطینی سلطنت کا حکمران قیصر روم ہرقل HERACLEUS شامی سرحد پر بسے ہوئے عرب قبیلوں غسان، عذرہ، بلی اور قضاء کی مدد سے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ آپؐ کو جیسے ہی خبر ملی آپؐ نے مسلمانوں کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ اور خلاف معمول مہم کا نام بھی بتا دیا۔ آپؐ کے حکم پر بہت سے مسلمانوں نے مال دیا، جانور اور اسلحے دیئے اور خوب تیاری کی اور تیس ہزار لشکر جرار تیار ہو گیا جس میں دس ہزار شہسوار تھے۔ لیکن یہ

Marfat.com

سخت گرمی اور فصل پکنے کا زمانہ تھا۔ بہت سے مخلص مسلمان بھی اس میں شرکت کیلئے آمادہ نہ تھے لیکن وہ بادل نخواستہ چلے ہی گئے۔ کچھ البتہ شریک نہ ہوئے اس پر ان کی سخت تادیب ہوئی۔

آپؐ کوچ پر کوچ کرتے ہوئے شامی سرحد کے قریب تبوک نامی مقام تک پہنچے اور وہاں ایک ماہ تک دشمن کا انتظار کیا مگر وہ آپؐ کے اقدام سے گھبرا کر نہ آیا۔ آپؐ یہ غزوہ تبوک تھا جو ۹ ھ/۶۳۱ء میں بلا جنگ وجدل کامیاب رہا۔

اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ مدینہ کے شمال میں سرحد تک پھیلے ہوئے علاقے میں تمام قبیلوں نے یا تو اسلام قبول کرلیا یا اسلامی ریاست کو جزیہ ادا کرنے کا معاہدہ کر کے اس کے ذمی بن گئے۔ جزیہ ادا کرنے والی بستیوں میں دومتہ الجندل، ایلہ وغیرہ کی عیسائی بستیاں اور ان کے حکمراں شامل تھے اور جرباء مقنا اور ذات اذرح کی یہودی بستیاں اور ان کے شہری بھی۔ بعض عرب قبیلوں نے بھی جزیہ دینا شروع کیا۔

سریۂ اسامہ:

آپؐ کی حیات طیبہ کی آخری بڑی مہم حضرت اسامہ بن زید کا سریہ تھا جسے آپؐ فلسطین کے علاقے میں بھیجنا چاہتے تھے۔ اس کو روانہ بھی کر دیا تھا مگر اسی دوران آپؐ کی بیماری نے سختی پکڑ لی اور آپؐ کی وفات ہوگئی جس کے سبب وہ مہم آپؐ کی زندگی میں نہ جا سکی۔ آپؐ کی مدنی زندگی کے دس برسوں پر پھیلی ہوئی مہم جوئی اور سخت محنت کی وجہ سے اسلامی ریاست پورے جزیرۃ العرب پر قائم ہوگئی اور اس کی اکثریت اسلام کی حلقہ بگوش بن گئی۔

Marfat.com

اسلامی ریاست کا نظامِ حکومت

اسلامی ریاست کی بنیاد:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی دس سالہ زندگی میں جس اسلامی ریاست کی بنیاذ رکھی اور اسے مضبوطی عطا کر کے اسے پہلی ملک گیر ریاست بنادیا اس کی بنیاد دراصل اسلام پر تھی۔آپؐ کا اصل کام اللہ کے دین کو پھیلانا اور انسانوں کو اللہ کی حکمرانی میں داخل کرنا تھا۔سماج ومعاشرہ اور حکومت وریاست اس کا پھل تھے جو خود بخود اسلام کے قیام واشاعت کے ساتھ آتے ہیں۔جہاں جہاں اسلام پھیلتا وہاں وہاں اسلامی حکومت اور اسلامی ریاست خود بخود قائم ہوتی جاتی۔لہٰذا دین اصل ہے اور باقی چیزیں اس کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں لیکن ان کے لئے اصل دین کا قیام ضروری ہے۔

اسلامی ریاست کا مقصد:

اسلامی ریاست وحکومت کا مقصد یہ ہے کہ زمین میں اللہ کی حکمرانی اور فرمانروائی قائم کی جائے۔یہ حکمرانی اور فرماں روائی اللہ کے بتائے ہوئے تمام احکام پر سچے دل کے ساتھ عمل درآمد سے ہوتی ہے۔اللہ تعالےٰ کے احکام انسان کی زندگی کے ہر میدان کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اس کا کوئی کام ان کے دائرہ سے باہر نہیں چاہے زندگی مذہبی ہو یا تمدنی اور تہذیبی اس کا تعلق سیاست ہو یا انتظام سے۔اللہ کی اسی جامع وہمہ گیر حکمرانی کا نام دین وشریعت ہے۔ریاست

Marfat.com

وحکومت اس کا شعبہ ہے۔

دین کا سیاسی شعبہ یا اسلامی نظام حکومت قائم کرنا۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر انسانی سماج کو اجتماعی انصاف نہیں مل سکتا۔ صرف یہی وہ نظام حکومت ہے جو عالم الغیب والشہادۃ اور رحمٰن ورحیم اللہ تعالےٰ کا بنایا ہوا ہے جس میں اس کے تمام بندوں کی بھلائی موجود ہے۔ باقی تمام نظام انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں جس میں بعض خاص طبقوں کے فائدے ہی فائدے ہیں اور بقیہ کا نقصان ہی نقصان۔ قرآن مجید میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر اللہ والوں کو زمین میں حکومت واقتدار مل جائے تو نمازیں قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں (سورہ حج ۴۱)۔ یہ صرف مذہبی امور کو قائم کرنے کا معاملہ نہیں بلکہ تمام لوگوں کو شریعت کے مطابق ان کے حقوق اور دین کے مطابق تمام فرائض ادا کرنے کا معاملہ ہے۔ اسی سے اجتماعی انصاف پیدا ہوتا ہے اور سب کی زندگی اچھی گزرتی ہے۔ اس لحاظ سے اسلامی ریاست ایک فلاحی ریاست ہے۔

مدینہ کی اسلامی ریاست:

مدینہ منورہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دین وشریعت کی بنیادوں پر ریاست وحکومت قائم کی تو اسی مقصد ومقصود اور طریقہ کو سامنے رکھا۔ فکری اور نظریاتی طور پر اگاہ کیا کہ حکمرانی یا قتدار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس میں انسان کو کوئی حصہ حاصل نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور نمائندہ کی حیثیت سے اس کے احکام واوامر کے مطابق حکومت کرتے ہیں اور آپؐ کے بعد مسلمانوں کا جو بھی حکمراں ہوگا اس کو آپؐ کے جانشین یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کی حیثیت حاصل ہوگی اور وہ اللہ ورسول کے احکام کے مطابق مسلمانوں کے مشورہ سے سب کی بھلائی کے لیے حکومت کا کام چلائے گا۔

مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

آپؐ کو چونکہ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے ایک امتیازی وصف یہ حاصل تھا کہ آپؐ وحی کے ذریعہ اللہ کے احکام براہ راست حاصل کرتے تھے۔ اس لیے آپؐ

Marfat.com

کے اختیارات بہت وسیع تھے۔ان پر صرف قرآن مجید اور وحی کی پابندی عائد تھی۔ظاہر ہے کہ آپؐ کے اختیارات بہت وسیع تھے۔ان پر صرف قرآن مجید اور وحی کی پابندی عائد تھی۔ظاہر ہے کہ آپؐ فرمان الٰہی کے مطابق کام کرتے تھے اور اپنی خواہش نفس اور انسانی جذبات سے کوئی کام نہیں کرتے تھے۔(سورۂ نجم ۴۔۳)اس لیے آپؐ کو اسلامی ریاست وحکومت کے تمام اختیارات ومناصب حاصل تھے۔آپؐ سربراہ ریاست ہونے کے ساتھ سربراہ حکومت بھی تھے۔شہری نظم ونسق کے اعلیٰ ترین عہدے دار تھے،تو فوج کے سپہ سالار اعلیٰ تھے۔قانون سازی کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز تھے اور عدل وانصاف کے سب سے بڑے حاکم تھے۔ صرف آپؐ ہی مستقل حاکم وسردار،سپہ سالار وقاضی اور سربراہ تھے باقی آپؐ کے عطا کردہ اختیارات کے سبب منصب دار وعہدہ دار بنتے تھے اور عارضی ہوتے تھے۔بحیثیت انسان اور بحیثیت معلم آپؐ تنہا سارے کام نہیں انجام دے سکتے تھے۔اس لیے آپؐ نے اپنی مدد اور امت کی عملی رہنمائی کیلئے ریاست وحکومت کے مختلف شعبوں میں اپنے مددگار اور عہدہ دار مقرر کیے۔نظریاتی طور سے یہ تمام مددگار وعہدہ دار عارضی تھے اور آپؐ کی خوشنودی کے دوران ہی کام کرتے تھے۔ان کا کوئی حق منصبی نہ تھا۔آپؐ جب چاہتے اور جسے چاہتے کسی مصلحت وخیر سے مقرر کرسکتے تھے یا ہٹا سکتے تھے،کسی کو اس پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہ تھی۔تاہم آپؐ اکثر کام مسلمانوں کے اہل الرائے طبقہ کے مشورے ہی سے کرتے تھے۔

مجلس شوریٰ:

قرآن مجید کے حکم اور آپؐ کی سنت نے شوریٰ (مشورہ کرنے) کو اسلامی نظام حکومت کا دوسرا اہم ترین اصول بنادیا ہے۔اس کے بغیر صحیح اسلامی نظام حکومت قائم نہیں ہوسکتا اور نہ چل سکتا ہے۔ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں سے اور ہر کس وناکس سے مشورہ کرنا ضروری نہیں ہے اور نہ ممکن ہے،کیوں کہ تمام مسلمان یا تمام انسان ہر کام کے اہل نہیں ہوتے،اس لیے حکومت وحکمرانی کے کاروبار میں صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا ضروری ہے جو صاحب رائے ہوں اور حکومت کے معاملات کو سمجھتے بوجھتے ہوں۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوریٰ کے سلسلہ میں یہ سنت قائم کردی کہ صرف اصحاب رائے سے مشورہ کرتے۔ عام مسلمانوں یا مشیروں میں سے کوئی صحیح مشورہ دیتا تو اس کو خوشی سے مان لیتے۔ اجتماعی مشورے کو اکثر و بیشتر تسلیم کر لیتے خواہ آپؐ کی رائے کے خلاف ہو جیسا کہ جنگ احد کے موقعے پر ہوا تھا۔

نازک فیصلوں میں اپنا حق اختیار استعمال فرماتے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دیتے۔ بلکہ مشورہ تک نہ کرتے کہ اس میں بہتری کے بجائے نقصان کا خطرہ زیادہ تھا۔ آپؐ کے مشیر سب کے سب مدینہ منورہ کے باشندے تھے۔ یہ معمول نبوی تھا۔ دوسرا معمول یہ تھا کہ مشیروں کا انتخاب آپؐ خود فرماتے تھے۔ وقت ضرورت سب سے مشورہ کرتے مگر عام مشورہ لازمی نہ تھا۔

مشیران نبوی:

آپؐ کے خاص مشیروں میں اہم ترین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق تھے۔ ان سے ہر کام میں مشورہ کرتے اور ان کے مشوروں کو قبول کرتے تھے کہ وہ مزاج دانان شریعت و رسالت تھے۔ دونوں آپؐ کے ہمہ وقت صحابی اور ساتھی تھے۔

ان کے علاوہ دوسرے مشیروں میں یہ حضرات شامل تھے: حضرت سعد بن معاذ اوسی، حضرت سعد بن عبادہ خزرجی، حضرت اسید بن حضیری خزرجی، حضرت حباب بن منذر (جو آپؐ کے جنگی معاملات کے اہم ترین مشیر تھے)، حضرت سلمان فارسی، حضرت نوفل بن معاویہ دئلی، حضرت عثمان بن عفان اموی، حضرت علی ابن طالب ہاشمی، حضرت زید بن حارثہ کلبی، حضرت نعمان بن مالک اوسی، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی اور متعدد دوسرے حضرات۔ آپؐ کے کل مشیروں کی تعداد پچاس تک پہنچتی ہے۔

خلفاء یا نائبین نبوی:

آپؐ غزوات و سرایا اور حج عمرہ کے سلسلے میں مدینہ منورہ سے برابر باہر جاتے رہتے تھے چوں کہ مدینہ کو سربراہ حکومت کے بغیر نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ اس لیے آپؐ ہمیشہ اپنی غیر موجودگی کے زمانہ کیلئے ایک نائب چھوڑ جاتے تھے، بسا اوقات وہ ایک سے زیادہ بھی ہوتے

Marfat.com

تھے، یہ نائب رسول یا خلیفہ رسول کہلاتے تھے۔

جنگ بدر کے موقعہ پر آپؐ نے تین تین نائب چھوڑے تھے۔ حضرت ابولبابہ، حضرت عاصم بن عدی اور حضرت حارث بن حاطب آپؐ کے سب سے اہم خلیفہ آپؐ کے صحابی حضرت عمرو بن مکتوم تھے جن کو آپؐ نے کم از کم تیرہ مرتبہ اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا۔ باقی اہم خلفاء انائبین میں حضرات زید بن حارثہ کلبی، عثمان بن عفان اموی، ابوسلمہ، عبدالاسد مخزومی، سعد بن معاذ اوسی، سعد بن عبادہ خزرجی، عبداللہ بن رواحہ خزرجی، محمد بن مسلمہ اوسی اور سباع بن عرفطہ غفاری تھے۔ کل تیرہ، خلفاء کے نام ملتے ہیں۔

کاتبین نبوی:

حکومت کا کاروبار چلانے کے لئے آپؐ کو بہت سے احکام وفرامین لکھوانے ہوتے تھے اس لئے آپؐ نے کاتبوں کی ایک بڑی تعداد سے مختلف اوقات میں کام لیا۔ ایک انداز کے مطابق ان کی تعداد چالیس ہے۔ ان میں سے کچھ کاتب خاص قرآن مجید کی کتابت کیلئے تھے اور بعض قرآن مجید کے علاوہ دوسرے سرکاری امور کی کتابت کرتے تھے۔

قرآن مجید کے کاتبوں کا کام مکی عہد سے شروع ہوگیا تھا۔ ان میں حضرات ابوبکر، عمر عثمان اور علی کے علاوہ حضرات شرحبیل بن حسنہ کندی، ابی بن کعب خزرجی، زید بن ثابت خزرجی، معاذ بن جبل خزرجی، معاویہ بن ابی سفیان اموی وغیرہ اہم ترین تھے۔

دوسرے سرکاری امور وفرامین لکھنے والوں میں حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی حضرت زید بن ثابت خزرجی، حضرت عبداللہ بن ارقم مخزومی، حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی، حضرت خالد بن سعید اموی، حضرت حنظلہ بن ربیع تمیمی، حضرت یزید بن ابی سفیان اموی، حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفی وغیرہ ممتاز ہیں۔ ان میں سے اکثر مستقل کاتب تھے اور کچھ عارضی۔ مستقل کاتبوں میں حضرت ابی بن کعب خزرجی، حضرت زید بن ثابت خزرجی اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی تھے۔

سفراء نبوی:

Marfat.com

عرب قبیلوں کے سرداروں اور اسلامی ریاست کے پڑوسی حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دینے اور اسلامی ریاست کے ساتھ ان کا تعاون حاصل کرنے کیلئے بہت سے سفیروں کو بھی آپؐ نے وقتاً فوقتاً مقرر کیا تھا۔ یہ سب کے سب کسی خاص مہم کے لیے مقرر کیے جاتے تھے۔ ان کی کل تعداد چوالیس تک پہنچتی ہے۔ ذیل میں بعض اہم ترین سفیروں اور ان کی منزلوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ حضرت محمد بن مسلمہ اوسی، حضرت سعد بن معاذ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ یہود بنی نضیر اور بنی قریظہ کیلئے۔

۲۔ حضرت خزاش بن امیہ خزاعی، حضرت عثمان بن عفان اموی اور حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر قریش سے گفتگو کیلئے۔

۳۔ غیر ملکی حکمرانوں کے دربار میں سفراء نبوی: حضرت وحیہ بن خلیفہ کلبی، (قیصر روم)، حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی (کسرائے ایران) حضرت عمرو بن امیہ ضمری، (بخاشی حبشہ) حضرت حاطب ابی بلتعہ لخمی (مقوقس مصر)، حضرت شجاع بن وہب اموی (حاکم غسان) حضرت سلیط بن عمرو عامری (قبائل یمامہ) حضرت عمرو بن عاص سہمی (شاہ عمان)، حضرت علاء بن حضرمی (بادشاہ بحرین) حضرت مہاجر بن امیہ مخزومی (شاہ یمن)۔

قضاۃ:

اسلامی ریاست کے مرکزی نظام حکومت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مذکورہ بالا عہدیداروں کے علاوہ بعض اور عہدے بھی قائم کئے گئے تھے۔ ان میں ایک قاضی کا بھی تھا۔ آپؐ کے زمانے میں صحابہ کرام کی پوری ایک جماعت مقدمات کے فیصلے کیا کرتی تھی۔ ان میں حضرت عمر اور حضرت علی مستقل قاضی تھے۔ بعض مواقع پر آپؐ نے حضرت معقل بن یسار اور حضرت عقبہ سے اپنی موجودگی میں فیصلے کرائے تھے۔

مفتیان گرامی:

عہد نبوی میں اسلامی قانون شریعت کے کچھ ایسے ماہرین صحابہ کرام تھے جو فتوے دیا

Marfat.com

کرتے تھے۔ان میں سے آٹھ بہت اہم تھے: حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی عبدالرحمٰن بن عوف، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور زید بن ثابت۔

دوسرے افسران نبوی:

بعض مواقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرکز سے قانون اسلامی نافذ کرنے کیلئے افسر بھیجے تھے: مثلاً حضرت سعد بن معاذ اوسی کو بنو قریظہ کے معاملہ میں حکم بنایا۔ حضرت علی کے ذریعہ بنو جذام کے مقتولوں کا قصاص ادا کرایا، حضرت ابوامامہ نے خون کھانے کی تحریم کا اعلان کیا، حضرت علی نے سورۂ برأت /توبہ کا اعلان کیا حضرات مالک بن الدخشم، معن بن عدی اور عاصم بن عدی نے مسجد ضرار منہدم کی اور حضرت انیس بن ضحاک نے ایک زانیہ کو رجم کی سزا دی

آپؐ نے مدینہ منورہ کیلئے ایک بازار کا افسر بھی مقرر کیا تھا جو حضرت عمر تھے۔ فتح مکہ کے بعد حضرت سعید بن سعید اموی کو مکہ کے بازار کا افسر بنایا۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے بازاروں کے افسر بھی تھے۔ آپؐ خود براہ راست اکثر بازار مدینہ کا دورہ کر کے اس کے انتظام ونگرانی کا کام کیا کرتے تھے۔

شعراء وخطباء نبوی:

عرب معاشرہ میں شاعر اور خطیب رائے عامہ بنانے، بیدار کرنے یا بگاڑنے میں بڑا کردار ادا کرتے تھے کہ شاعری عربوں کی زبان اور خطابت اس کی جان تھی۔ آپؐ نے اسلام کے دفاع اور اسلامی ریاست کی حفاظت کیلئے شاعروں اور خطیبوں کی خدمات سے بھی فائدہ اٹھایا تھا۔ آپؐ کے تین مستقل شاعر تھے، حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن مالک اور حضرت عبداللہ بن رواحہ اور آپؐ کے سب سے بڑے خطیب حضرت ثابت بن قیس تھے۔ ان سب کا تعلق مدینہ اور قبیلہ خزرج سے تھا۔ یہ شعراء وخطباء اسلام کی حفاظت کرتے اور اسلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہونے والے حملوں کا جواب دیتے تھے۔

متفرق ماتحت کارکن:

بعض چھوٹے کارکنوں کا ذکر بھی ملتا ہے جیسے آذن (اجازت دینے والا) جس کا کام تھا

Marfat.com

کہ آپؐ کی اجازت کے بغیر کسی کو آپؐ سے بعض خاص حالات میں نہ ملنے دے۔ اسی کا دوسرا نام بواب (چوکیدار۔ وہلیز /دروازہ کا نگراں) بھی آیا ہے۔ بسا اوقات وہ صاحب بھی کہلاتا ہے جو بعد میں بڑا عہدہ بن گیا۔ حضرت بلال بن رباح نے واقعہ ایلا کے زمانے میں آپؐ سے لوگوں کو نہیں ملنے دیا۔ حضرت عبداللہ بن زمعہ اسدی آپؐ کے مستقبل دربان تھے۔ ان میں حضرت بلال حبشی بہت اہم تھے کہ وہ آپؐ کے خازن سکریٹری اور مستقل خادم تھے۔

صوبائی نظام حکومت:

والی: اسلامی ریاست ایک مرکزی حکومت تھی جس کو بہت سے صوبوں (ولایات) میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ یہ صوبے مرکز حکومت.....مدینہ.....کی مانند اپنا نظام رکھتے تھے۔ ہر صوبہ کا سب سے بڑا افسر والی (گورنر) ہوتا تھا جس کا تقرر آپؐ براہ راست کرتے تھے۔ والی یا گورنر فوجی، عدالتی، مالی اور مذہبی ہر طرح کے ملکی امور کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ وہ اپنے صوبہ کا قاضی اور جج، مفتی امام، سپہ سالار، صدقات کا افسر وغیرہ سبھی کچھ ہوتا تھا۔ وہ مستقل افسر ہوتا تھا اور اپنی خدمات کے عوض تنخواہ پاتا تھا۔ اہم گورنر اور ان کے صوبوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ حضرت یزید بن ابی سفیان اموی (تیماء) ۲۔ حضرت عبداللہ بن سعید اموی (قریٰ عریبہ) ۳۔ حضرت عمرو بن سعید اموی (وادی القریٰ) ۴۔ حضرت سواد بن غزیہ خزرجی (خیبر) ۵۔ حضرت عتاب بن اسید اموی (مکہ مکرمہ) ۶۔ حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی (طائف) ۷۔ حضرت حارث بن نوفل ہاشمی (جدہ) ۸۔ حضرت شرجیل بن حسنہ کندی (ایلہ وشمالی علاقے) ۹۔ حضرت علاء بن الحضرمی (بحرین) ۱۰۔ حضرت ابان بن سعید اموی (بحرین۔ حضرت علاء کے بعد) ۱۱۔ حضرت عمرو بن العاص (عمان) اور ۱۲۔ حضرت معاذ جبل خزرجی (جنوبی عرب کے گورنر جنرل)۔ ان کے ماتحت گورنر تھے۔ حضرت خالد بن سعید اموی (صنعاء) حضرت عمرو بن حزم خزرجی (نجران)، حضرت ابوسفیان بن حرب اموی (جرش) حضرت ابوموسیٰ اشعری (جنوبی مغربی ساحل)۔

ان کے علاوہ بھی کچھ اور والی گورنر ہوئے تھے جن کو مختلف علاقوں کی فتح یا موجودہ گورنر کی

Marfat.com

مغزولی کے بعد مقرر کیا گیا تھا۔ سوائے ایک دو کے باقی تمام گورنر مستقل رہے کہ وہ آپؐ کی حیات مبارکہ کے آخر تک اپنے عہدوں پر برقرار رہے ان گورنروں یا والیوں کو اختیار تھا کہ وہ انتظامی امور کو انجام دینے کے لئے بعض ماتحت افراد رکھ سکتے تھے۔ ان میں قاضی، مفتی، خراج کے وصول کرنے کے افسر اور مقامی منتظم وغیرہ شامل تھے۔

مقامی انتظامیہ:

عرب کے قبائلی نظام کے پیش نظر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلوں، خانوادوں اور خاندانوں کے سرداروں کو ان کے اپنے اپنے علاقوں کا انتظار وانصرام سونپ دیا تھا۔ ان میں سے اکثر مسلمان قبیلوں کے سرداروں کو آپؐ نے ان کے عہدوں پر برقرار رکھا تھا مگر بعض نئے سردار بھی مقرر کئے تھے۔ وہ امن وامان، فوجی انتظامات، مذہبی امور، عدل وانصاف اور مرکزی حکومت کے احکام کے نفاذ کے ذمہ دار تھے۔ وہ اپنے اپنے صوبوں کے حکام کی مدد کرنے اور مرکزی حکومت کے وفادار رہنے کے پابند تھے۔ ایک طرح سے وہ مرکزی اور صوبائی حکومت کے مقامی ذمہ دار تھے۔

دوسری بیعت عقبہ میں آپؐ نے اسی غرض سے مدینہ شہر کے لیے بارہ نقیب مقرر کیے تھے جن کے سردار حضرت اسعد زرارہ خزرجی تھے۔ اسلامی ریاست کے قیام کے بعد بھی آپؐ نے ان کو برقرار رکھا تھا۔ حضرت اسعد کے انتقال کے بعد آپؐ نے بنفس نفیس نقیب النقباء کا عہدہ سنبھال لیا کہ اب مدینہ شہر کے آپؐ ہی سب سے بڑے حاکم تھے۔

Marfat.com

فوجی اور مالی تنظیم

فوجی تنظیم

تعبیہ نظام:

جاہلی عرب میں بعثت نبوی سے پہلے تقریباً ایک صدی قبل متمدن اور شہری عربوں خاص کر قریش مکہ نے پرانے عرب طریقہ جنگ ''الکرّ والفرّ'' (حملہ کرنا اور بھاگ جانا) کو چھوڑ کر عجمی طریقہ جنگ .....تَعْبِیَہ.....اختیار کرلیا تھا۔ اس تنظیم میں فوج پانچ حصوں مقدمہ (VANGUARD) قلب (CENTRE) میمنہ (RIGHT WING) میسرہ (LEFT WING) اور موخرہ یا ساقہ (REAR GUARD) میں منقسم ہوتی تھی۔ اسی بنا پر فوج کا نام ہی ''الخمیس'' پڑ گیا کہ وہ پانچ بازوؤں والی ہوتی تھی۔ طریقہ جنگ ''زحف'' اور ''صف'' تھا کہ قطاروں میں منظم ہو کر لڑتی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نظام جنگ کو اتنا مضبوط و مستحکم کیا کہ وہ چند برسوں میں عرب کی بہترین فوج بن گئی۔

اسلامی فوج:

اسلامی آبادی کا کوئی خاص حصہ فوج کیلئے مخصوص نہیں تھا بلکہ پوری بالغ مرد آبادی اسلامی فوج تھی۔ وقت ضرورت آپؐ کے حکم پر ہر قبیلہ اپنا اپنا مقررہ حصہ اسلامی فوج کی تشکیل کرنے کیلئے

Marfat.com

بھیج دیتا تھا اور مہم کے خاتمہ کے بعد ہر قبائلی دستہ اپنے علاقہ کو واپس ہو جاتا تھا اور امن وامان کا کام کرتا تھا۔ شروع میں اسلامی فوج کی تعداد بہت کم تھی اور جنگ بدر میں صرف سوا تین سو پیدل سپاہی تھے اور شہسوار تو کل دو تھے لیکن اللہ کے حکم سے آپؐ نے اسلامی فوج کی طاقت بڑھانی شروع کی اور جنگ تبوک تک اس کی تعداد تیس ہزار سپاہی اور دس ہزار گھوڑوں تک پہنچ گئی۔

عرب جاہلی فوج کی مانند اسلامی فوج کے تین اہم ڈویژن ہوتے تھے، ا۔ پیدل (مشاہ) فوج۔ ان کو رجال بھی کہا جاتا تھا اور یہ میدان جنگ میں پیدل لڑتی تھی۔ ۲۔ شہسوار (فرسان الخلیل) جو گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھ کر لڑتے تھے۔ ۳۔ تیر انداز دستہ (رماۃ) جو خاص دستہ ہوتا تھا اور تیر و کمان سے مسلح ہو کر دشمن پر حملہ کرتا تھا۔ ۴۔ بعد میں آپؐ نے دبابہ اور منجنیق جیسے قلعہ شکن آلات استعمال کیے تو ان پر بھی ایک دستہ مشتمل ہوتا تھا۔ عام طور پر ہتھیاروں میں تلوار، ڈھال تیر کمان، نیزے، حربے اور خنجر وغیرہ تھے۔

امرائے افواج: امرائے سرایا:

ان تمام دستوں کے اپنے اپنے امیر یا کماندار ہوتے تھے جو ایک خاص مہم کے لیے ہی مقرر کیے جاتے تھے اور مہم کے خاتمہ کے بعد ان کا تقرر ختم ہو جاتا تھا۔ دوسری مہم میں دوسرے امیر یا کماندار مقرر ہوتے تھے۔ خمیس لشکر کے چاروں، بازوؤں ..... میمنہ میسرہ، مقدمہ اور موخرہ ..... کے امیر اور سردار پوری فوج کے امیر الجیش یا سپہ سالار کے ماتحت ہوتے تھے جو قلب میں رہتا تھا غزوہ میں امیر الجیش خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تھے اور سریہ میں آپؐ کا نائب کوئی صحابی۔

امرائے سرایا یا دشمنوں کے کمانداروں کا تقرر صرف فوجی لیاقت اور صلاحیت کی بنیاد پر ہوتا تھا۔ تمام فوجیوں پر ان کی اطاعت فرض تھی۔ جنگ کی تمام تدابیر وہ اپنے مشیروں کے مشورے کے بعد اختیار کرتا تھا۔ وہ مہم کے دوران نماز اور دوسرے دینی معاملات کے بھی امیر ہوتے تھے۔ ان کو اور فوجیوں کو کوئی تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے تھے۔

اگر کچھ مال غنیمت ملتا تو اس میں ان کو فوجیوں کے برابر حصہ ملتا تھا۔ مال غنیمت کے

Marfat.com

پانچ حصہ کیے جاتے تھے: چاراس مہم کے فوجیوں میں تقسیم ہوتے اور پانچوں (خمس) ریاست اسلامی کا حصہ ہوتا تھا جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صوابدید اور مسلمانوں کی ضرورت کے مطابق خرچ کرتے تھے۔ اسلحہ کے افسر اور گھوڑوں کے افسر الگ مقرر کیے جاتے تھے۔

حفاظتی فوج کے افسر:

اسلامی فوج کی حفاظت اور نگرانی کیلئے ایک محافظ دستہ مقرر کیا جاتا جس کو "الحرس" کہتے تھے اور اس کا ایک افسر ہوتا تھا جو الحارس یا صاحب الحرس کہلاتا تھا۔ فوج جب قیام کرتی تھی تو اس کا ایک سالار خیمہ گاہ (امیر لعکر) ہوتا تھا جو عام طور سے امیر الجیش یا سپہ سالار ہی ہوتا تھا۔ وہ کبھی کبھی اپنا نائب بھی مقرر کرتا تھا۔

علمبردار

اسلامی فوج مختلف قبیلوں کے دستوں پر مشتمل ہوتی تھی اور ہر قبائلی دستہ کا ایک پرچم بردار / علمبردار (صاحب الرایۃ) ہوتا تھا۔ عام طور سے مہاجرین کا ایک علمبردار ہوتا تھا۔ اور خزرج واوس کا بھی ایک ایک۔ اسلامی فوج میں شامل ہر قبائلی دستہ کا ایک علمبردار ہوتا تھا کبھی کبھی بڑے دستوں کے کئی کئی علمبردار ہوتے تھے جن کا تقرر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ ان سب سے بڑا پوری اسلامی فوج کا ایک علمبردار (صاحب اللواء) ہوتا تھا جو قلب جیش میں رہتا تھا۔

فوجی جاسوسی نظام:

فوجی نظام میں جاسوسی اور خبر گیری کا عمدہ انتظام ضروری تھی۔ اس کیلئے جاسوس (عیون) اور معلومات حاصل کرنے کے دستے (طلیعہ اطلائع) مقرر کیے جاتے تھے جو دشمن کا پتہ لگانے، ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے علاوہ پانی، خیمہ گاہ وغیرہ کا انتظام کرتے تھے۔ جاسوس اور طلیعہ کیلئے ایک شخص سے لے کر پورے دستہ اور غیر معروف لوگوں کو مقرر کیا جاتا تھا۔

Marfat.com

راہبر یا دلیل:

چونکہ عرب میں راستے اور شاہراہیں نہ تھیں اور جو تھیں وہ اتنی مشکل اور پر پیچ تھیں کہ ان پر بلا معلومات کے سفر کرنا خطرناک تھا۔ اس لیے ہر سفر کے لئے رہبر یا گائڈ (دلیل) کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ اسلامی فوج ہمیشہ کسی رہبر و دلیل کی رہنمائی میں سفر کرتی تھی۔

مال غنیمت کا افسر:

دشمن پر فتح حاصل کرنے کے بعد اگر مال غنیمت ملتا تھا تو اس کی نگرانی کیلئے ایک مال غنیمت کا افسر بھی مقرر کیا جاتا تھا۔ اسی طرح قیدیوں کیلئے بھی ایک افسر ہوتا تھا۔ غزوات میں مال غنیمت کی تقسیم اور خمس کی تعیین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے تھے۔ مال غنیمت کا افسر صرف نگرانی کرتا تھا۔ سرایا میں فیصلہ اور تقسیم کا کام امیر سریہ کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔

حارس:

جنگ و امن دونوں زمانوں میں اسلامی فوج کے سالار اعظم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی حفاظت کیلئے ایک شخص پر مشتمل یا کئی اشخاص اور دستہ پر مشتمل ایک محافظ جسم دستہ (BODY GUARD) ہوتا تھا۔ آپؐ نے خود اس کا تقرر کیا، آپؐ کے جاں نثار خاص کر انصاری قبیلوں اوس و خزرج کے افراد زیادہ تر یہ فرض اپنی تمام طرف سے انجام دیتے تھے۔

کل غزوات و سرایا:

عہد نبوی میں ایک اندازے کے مطابق کل نوے مہمیں واقع ہوئیں جن میں سے صرف ۲۷ غزوات تھے اور ۶۳ سرایا۔ دس سال پر پھیلے ان غزوات و سرایا میں ایک مطالعہ کے مطابق کل نو غزوات میں جنگ و جدال کی نوبت آئی۔ ان میں دشمنوں کے کل دو سو سولہ افراد مارے گئے اور صرف ۱۳۸ مسلم شہید ہوئے۔ سرایا میں سے اکثر میں جنگ و جدال نہیں ہوا۔ صرف چند میں ہوا۔ اسی طرح ہر مہم میں مال غنیمت نہیں ملا۔ بہت کم مہموں میں ملا۔ دس سال کی جنگی کارروائیوں میں زیادہ سے زیادہ ایک ہزار افراد مارے گئے۔

Marfat.com

اس کا سبب یہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبوراً ہتھیار اٹھائے تھے۔آپؐ کا مقصد دشمن کو مارنا، قتل کرنا یا جھکانا نہ تھا بلکہ اسلام میں محبت ورحمت کے ساتھ داخل کرنا تھا کہ آپؐ سراپا رحمت تھے۔یہی وجہ ہے کہ کم سے کم خوں ریزی ہوئی جس دشمن نے بھی ہاتھ روک لیا آپؐ نے اس کو معاف کردیا۔اسلام لے آیا تو سارے جرائم اور گناہ بخش کر سینے سے لگالیا۔آپؐ کی فوج تنظیم امن وامان قائم کرنے کیلئے تھی، ظلم وزیادتی کے خاتمہ کیلئے تھی۔ اسلام پھیلانے یا خوں ریزی کرنے کیلئے نہ تھی۔اسلام تو اپنی سچائی، مسلمانوں کے کردار اور آپ آپؐ کی رحمت سے پھیلا۔

مالی نظام

بنیادی فکر:

ہر نظام حکومت اور معاشرہ کو چلانے کیلئے مالی وسائل کی ضرورت ہوتی ہے اسلامی معاشرہ کا مالی نظام بنیادی طور سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دونوں میں ہی باہمی تعاون یا چندے پر قائم تھا۔اسی کو اللہ تعالی نے قرآن مجید میں انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے)!اللہ کو قرض دینے، اللہ کے ہاتھ تجارت کرنے اور مالی جہاد وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

اس کا سادہ طریقہ یہ تھا کہ ضرورت کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے صدقات وخیرات دینے کو فرماتے اور ہر شخص اپنی بساط بھر بلکہ اکثر حالات میں اس سے زیادہ اسلامی فنڈ میں عطیہ دیتا اور ضروری کام نکل جاتا۔اسلام نے اخوت وبھائی چارے اور ہمدردی کے جو جذبات پیدا کئے تھے وہ ازخود لوگوں کو اپنے بھائیوں کو مدد کرنے پر اکساتے تھے۔

عطیات:

مکہ مکرمہ میں حضرت ابوبکر، حضرت خدیجہ، حضرت عثمان، حضرت عمر اور بہت سے دوسرے حضرات وخواتین نے باہمی تعاون وامداد کے ذریعہ اسلامی معاشرہ کے مالی معاملات چلانے میں تعاون کیا تھا۔مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد انصار کے دونوں قبیلوں اوس وخزرج نے بے مثال قربانی، اخلاص اور اخوت کا مظاہرہ کر کے اپنے مہاجر بھائی بہنوں کو اپنی زمینوں، باغوں اور مالوں

Marfat.com

میں حصہ دار بنایا تھا ان کو رہنے کیلئے گھر یا آراضی دی تھی، کاروبار کے لئے آراضی اور مال دیا تھا اور پیدوار میں شریک کیا تھا۔ غرضیکہ بے مثال فیاضی وسخاوت کا نمونہ پیش کیا تھا۔

دوسری طرف مہاجرین نے اپنے انصاری بھائیوں کا ان کے کاروبار میں ہر طرح ساتھ دیا اور اسے بڑھایا تھا اور بعد میں جوں جوں ان کو موقعہ ملا وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہوتے گئے اور اپنے انصاری بھائیوں پر بوجھ نہیں بنے رہے۔

اسلامی ریاست اور مسلمانوں کی مدد کیلئے جب بھی مطالبہ کیا گیا، انصار اور مہاجرین دونوں نے عطیات دیئے یہ عطیات نقد وجنس پر بھی مشتمل ہوتے تھے اور جائداد وآراضی پر بھی غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضرت ابوبکر نے اپنی پوری دولت اور حضرت عمر نے آدھی دولت دیدی تھی۔ جب کہ حضرت عثمان نے تیس ہزار کی اسلامی فوج کے ایک تہائی حصہ کا خرچ تنہا اٹھایا تھا۔ دوسرے مہاجروں کے علاوہ مدنی اور انصاری مسلمانوں نے بھی اس موقعہ پر دل کھول کر حصہ لیا تھا۔

اس کے علاوہ حضرت کلثوم بن الہدم، حضرت حارثہ بن نعمان، حضرت سعد بن معاذ، حضرت سعد بن عبادہ خزرجی، حضرت مخریق وغیرہ باغات وجائدادیں اور نقد مال اسلامی حکومت کی زندگی بھر دیتے رہے تھے۔ یہی اصل ذریعہ آمدنی تھا۔ باقی سب ہنگامی اور وقتی تھے اور جو مستقل تھے وہ کافی دیر سے حاصل ہوئے تھے۔

مال غنیمت:

عطیات کے بعد مال غنیمت پہلا ہنگامی ذریعہ آمدنی تھا۔ اس کے چار حصے اس مہم کے شریک مسلم فوجیوں میں تقسیم ہوجاتے اور اس کا صرف پانچواں حصہ (خمس) اسلامی ریاست کو ملتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تین مصارف میں خرچ کرتے تھے۔ ایک حصہ اپنے اہل و عیال پر دوسرا خاندان بنو ہاشم پر اور تیسرا مسلمانوں کے دوسرے غریبوں پر، آپؐ کا اپنا حصہ بھی اکثر و بیشتر غریب مسلمانوں پر ہی خرچ ہوتا تھا کہ آپؐ اور آپؐ کی ازواج مطہرات سخاوت وفیاضی کا پیکر تھی۔

Marfat.com

ایک تخمینہ کے مطابق دس سال کی مہم جوئی کے نتیجہ میں صرف باسٹھ لاکھ درہم کی مالیت مسلمانوں کو ملی تھی۔ جب کہ کل سپاہیوں کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچتی ہے۔ گویا فی کس طرف باسٹھ درہم دس سال میں ملے تھے۔ یعنی ہر سال سوا چھ درہم کے قریب اگر اس رقم سے اخراجات نکال دیئے جائیں تو مال غنیمت خسارے کا سودا تھا۔ مجموعی طور سے مسلمانوں کی کل آمدنی کا صرف دو فیصد حصہ مال غنیمت سے آیا تھا اور ۹۸ فیصد ان کی تجارت زراعت، صنعت وحرفت اور مزدوری سے مال غنیمت میں سے خاص کر جائداد نے اسلمی ریاست کو کچھ استحکام دیا تھا۔

خراج:

مدینہ منورہ میں یہودی آراضی یعنی بنوقینقاع، بنو النضیر اور بنو قریظہ کی مفتوحہ بستیاں اسلامی ریاست کی ملکیت میں پوری طرح سے آگئی تھیں۔ اس لیے ان کی پیداوار سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ پوری کی پوری اسلامی ریاست کی تھی۔ ۷ھ / ۶۲۹ء میں خیبر، فدک، وادی القری اور تیماء کی فتح کے بعد ان کی زمینوں کی پیداوار کا نصف پچاس فیصد۔ اسلامی ریاست اور مسلم فوجیوں کو مشترکہ طور پر ملتا تھا جس کا خمس (پانچواں) اسلامی ریاست کا حصہ ہوتا تھا۔

دوسری بستیوں کی پیداوار کا تخمینہ نہیں ملا ہے۔ صرف خیبر کی کل پیداوار چالیس ہزار وسق کھجور، پندرہ ہزار صاع جو اور پانچ ہزار صاع نوئی پر مشتمل تھی اور اس کا آدھا مسلمانوں کو ملتا تھا، اور مسلمانوں کے حصہ کا پانچواں حصہ اسلامی ریاست کو اصطلاح میں اسی کو خراج کہتے ہیں۔

جزیہ:

اسی زمانے کے لگ بھگ بعض غیر مسلم قبیلوں جیسے دومتہ الجندل کے قبیلہ بنو کلب کے ایک حصہ نے اسلامی ریاست کو جزیہ شروع کیا جس کی مقدار تین سو درہم سالانہ کے قریب تھی۔ بعد میں دوسرے غیر مسلم قبائل اور گاؤں نے بھی جزیہ دینا شروع کیا ان میں شمال کی عیسائی بستیاں ایلہ، دومہ وغیرہ اور یہودی گاؤں مقنا، جرباء، اذرح وغیرہ شامل تھے۔

جنوبی عرب کی بستیوں امیں نجران کے عیسائی دو ہزار حلے (لبادے) سالانہ دیتے تھے جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک اوقیہ (چالیس درہم) ہوتی تھی۔ یعنی کل اسی ہزار درہم

Marfat.com

سالانہ یمن کے دوسرے غیر مسلم بھی سالانہ ایک دینار معافری (چالیس درہم) دیتے تھے۔

بحرین عمان وغیرہ کے مجوسی اور عیسائی اور بنو تغلب (یمامہ) کے عیسائی بھی جزیہ دیتے تھے۔ عہد نبوی میں جزیہ کی مقدار ہر علاقہ اور قبیلہ کیلئے ان سے معاہدے کے مطابق طے کی گئی تھی مگر عام شروع ایک دینار سالانہ (بارہ درہم) تھی۔

غیر مسلم لوگوں سے جزیہ اس لیے لیا جاتا تھا کہ اسلامی حکومت ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی ضمانت لیتی تھی۔ ان کو ہر طرح کی مذہبی، سماجی اور تہذیبی آزادی دیتی تھی۔ ان کو جنگ سے مستثنیٰ رکھتی تھی۔ ان کی وقت ضرورت مدد کرتی تھی۔ اگر وہ ان کی حفاظت نہ کر سکے تو جزیہ نہیں لیتی تھی یا واپس کر دیتی تھی۔ اسی لیے ان کو اہل ذمہ یا ذمی کہا جاتا تھا یعنی وہ لوگ جن کا ذمہ اسلامی حکومت نے لے لیا ہے۔

زکوۃ وصدقات:

مسلمانوں سے عام نفلی صدقات کے علاوہ بعض مالی حقوق وصول کیے جاتے تھے۔ یہ موجودہ قسم کے ٹیکس یا محصول نہ تھے بلکہ وہ ان کے مذہبی فرائض تھے جو اللہ تعالی نے نماز کی طرح فرض کیے تھے۔ ان کا عام نام تو صدقات ہے مگر اصطلاحی نام زکوۃ ہے۔

یہ کئی قسم کی ہوتی تھی۔ ا۔ ایک نقد مال اور سونے چاندی پر لگتی تھی۔ ہر عاقل و بالغ مسلمان کو صاحب نصاب ہونے پر سال بھر کی بچت پر ڈھائی فیصد یا ۱/۴ زکوۃ زکوۃ میں دینا ہوتا تھا۔ سونے کی کم سے کم ساڑھے سات تولے کی مالیت نصاب بنتی تھی اور چاندی میں باون تولہ۔ ان پر سال گذر جائے تو زکوۃ دینی پڑتی تھی۔ نقد رقم میں سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر مالیت پر زکوۃ لی جاتی تھی۔

چونکہ عربوں کی ایک دولت جانوروں پر مشتمل ہوتی تھی اس لیے ان پر بھی زکوۃ مقرر کی گئی تھی۔ شرط یہی تھی کہ سال گذر جائے اور ان کا نصاب پورا ہو۔ اونٹ کا کم سے کم نصاب پانچ تھا۔ ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری یا اس کی قیمت دینی ہوتی تھی۔ جب اونٹوں کی تعداد پچیس ہو جاتی تو ایک ششماہ اونٹ یا اونٹنی لی جاتی تھی۔ یہی حساب آخر تک چلتا تھا۔ گائے بیل وغیرہ

Marfat.com

جانوروں پر ہر تیس پر ایک راس لی جاتی تھی۔ جب کہ بکری اور بھیڑ میں چالیس کا نصاب تھا اور ہر چالیس پر ایک بکری یا بھیڑ یا اس کی قیمت۔ پھر ہر سیکڑے پر ایک بکری۔

عہد نبوی میں دوسرے جانوروں جیسے گھوڑوں وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں لی جاتی تھی، یہ بعد میں اسلامی حکومت نے لینی شروع کی۔

العشر اور نصف العشر:

جس طرح غیر مسلموں سے ان کی زمینوں کی پیداوار پر خراج لیا جاتا تھا۔ اس طرح مسلم زمین داروں اور کاشتکاروں سے ان کی زمینی پیداوار پر زکوٰۃ لی جاتی تھی۔ اس کی شرح زمین کی قسم اور سینچائی کی محنت کے حساب سے ہوتی تھی۔

اگر وہ اپنی زمینوں کی سینچائی قدرتی ..... بارش، دریا، چشمے، نہر وغیرہ..... سے کرتے تھے تو پیداوار کا دسواں حصہ دینا پڑتا تھا جو العشر کہلاتا تھا بشرطیکہ پیداوار پانچ وسق ہو (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا تھا اور ہر صاع ہندوستانی سیر کے حساب سے ساڑھے تین سیر کا)۔ اگر سینچائی کے لیے کاشت کار کو محنت کرنی پڑتی تھی، وہ کنواں کھودتا تھا، یا ڈولوں کے ذریعہ دور سے پانی لاتا تھا تو اسے پیداوار کا بیسواں حصہ اسلامی ریاست کو دینا پڑتا تھا اور یہ نصف العشر کہلاتا تھا۔

مال تجارت پر زکوٰۃ:

تجارت پیشہ زمینوں سے ان کے مال تجارت پر دس فیصد لیا جاتا تھا اور مسلمانوں سے زکوٰۃ کے مطابق شرح عائد ہوتی تھی۔ حضرموت کے بعض اقبال (شہزادے) اپنی دس فیصد پیداوار زکوۃ میں دیتے تھے۔ بعض اور قبیلوں سے بھی دس فیصد وصول کیا جاتا تھا۔

افسران صدقات:

دوسرے انتظامی افسروں اور عہدیداروں کی مانند اسلامی حکومت نے مالی نظام کے افسر بھی مقرر کیے تھے جو عمال یا عمال الصدقات کہلاتے تھے (عمال جمع ہے عامل کی)۔

Marfat.com

خصوصی افسران:

مال غنیمت کے عام افسروں کے علاوہ اس کے خمس کے افسر الگ ہوتے تھے۔اس کے مستقل افسر حضرت محمیہ بن جزءزبیدی تھے۔خیبر وغیرہ کے خراج کے مستقل افسر حضر عبداللہ بن رواحہ خزرجی تھے۔ان کے بعد عہد نبوی مین تین اور افسر مقرر ہوئے۔بعد میں یہ ذمہ داری علاقہ کے والی یا گورنر کو دے دی گئی تھی۔وہ مقامی سرداروں کی مدد سے اپنے علاقائی افسروں کے ذریعہ صدقات وخراج اور جزیہ وصول کر کے مرکزی حکومت کے مقرر کردہ مرکزی عاملین صدقات کے حوالے کر دیتے تھے۔

اس طرح صدقات کے افسروں کے تین درجے ہوتے تھے۔ا۔مقامی سردار۲۔ان کے اوپر علاقائی گورنر کے مقرر کردہ صدقات کے عمال اور۳۔ان کے اوپر مرکزی عاملین صدقات۔ان افسروں کو صدقات کا ایک حصہ یا مقررہ رقم بطور تنخواہ یا معاوضہ ملتی تھی۔عہد نبوی میں ایسے مرکزی عمال صدقات کے کم از کم تیس نام ملتے ہیں۔

حمیٰ یا چراگاہوں کا نظام:

صدقات میں جو جانور اسلامی ریاست کو ملتے تھے ان کو اسلامی حکومت کی مخصوص چراگاہوں میں رکھا جاتا تھا۔یہ چراگاہیں ''حمیٰ'' کہلاتی تھیں اور مدینہ منورہ کے علاوہ مختلف جگہوں پر تھیں۔ان چراگاہوں کے نگراں افسر ہوتے تھے۔جو معاوضہ پاتے تھے۔بعض فی سبیل اللہ کرتے تھے۔

قطیعہ نظام:

اسلامی مالی نظام کا ایک حصہ قطیعہ کہلاتا تھا۔وہ زمین باغ، یا آراضی کا ایک حصہ ہوتا تھا جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مستقل طور سے کسی صحابی یا قبیلہ کو عطا کر دیتے تھے۔وہ اس علاقہ یا قطیعہ پر مالکانہ حقوق رکھتا تھا۔وہ اسے بیچ سکتا تھا، وراثت میں دے سکتا اور منتقل کر سکتا تھا۔اس کی آمدنی پر زکوٰۃ لگتی تھی۔مفاد عام کی چیزیں جیسے نمک، پانی گھاس وغیرہ ہر مسلمان کیلئے ہوتی تھی۔یعنی وہ صاحب قطیعہ کی ملکیت سے خارج اور مفاد عام کیلئے وقف ہوتی تھیں۔

Marfat.com

مذہبی نظام

بعثت نبوی کا اصل مقصد:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اصل مقصد دین اسلام کی تبلیغ واشاعت تھی اور اسلامی ریاست وحکومت کا اصل مقصود دین کی اشاعت اور شریعت کا نفاذ تھا۔ اسی میں تمام مسلمانوں کی بالخصوص اور تمام انسانوں کی بالعموم دنیا وآخرت کی فلاح وسعادت پوشیدہ تھی۔ دنیاوی بہتری یوں کہ صرف اسلامی نظام ہی انسانی سماج کو ظلم واستحصال سے بچاتا اور عدل وانصاف اور مساوات وفلاح سے نوازتا ہے۔ اخروی سعادت یوں کہ اسی کے نتیجہ میں انسان کو اللہ کے غضب سے نجات، جہنم سے چھٹکارا اور اس کی خوشنودی کے نتیجہ میں جنت کی ابدی کامیابی ملتی ہے۔ اس لیے آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کام، اسلامی ریاست کا ہر شعبہ اور اس کے ہر شعبہ کا ہر فرد اسلام ودین کی نشر واشاعت اور شریعت کے نفاذ کیلئے وقف تھا۔ اسلامی معاشرہ، اسلامی ریاست کا انتظامیہ، اس کا فوجی وسیاسی نظام، اس کا معاشی اور مالی نظم ونسق، غرضکہ ہر محکمہ اور ہر شعبہ اور اس کے کارکن اپنی اپنی جگہ اسلام کا کام کررہے تھے۔ اس اعتبار سے وہ بھی اس کے مذہبی نظام کا جزو تھے۔ تاہم خالص دینی اہمیت کا ایک نظام بھی آپؐ نے قائم کیا تاکہ اصل کام اوجھل نہ ہونے پائے۔

نظام تبلیغ وتعلیم:

ان میں سب سے اہم اسلام کے مبلغین ومعلمین کا تقرر تھا۔ ہر مقامی علاقہ، صوبہ اور شہر کے گورنروں، سرداروں، مالی افسروں، عاملوں اور دوسرے تمام ریاستی کارکنوں کے فرائض میں تبلیغ

Marfat.com

وتعلیم کا فرض شامل تو تھا ہی آپؐ نے خالص مبلغوں اور معلموں کو صرف اسی کام سے مقرر کیا۔

سب سے پہلے تو آپؐ خود تبلیغ وتعلیم کا کام کرتے تھے اور آپؐ کے صحابہ بھی ہر علاقہ میں جہاں ہوتے یہ کام انجام دیتے۔ چنانچہ تمام غزوات وسرایا، اور سفروں میں تبلیغ وتعلیم کا عام انتظام کیا گیا۔

مبلغین:

خاص مدینہ منورہ میں مسجد نبوی اور صفہ میں آپؐ تعلیم وتبلیغ کرتے، حضرت ابوبکر وعمر، ابوعبیدہ، عبادہ بن صامت اور دوسرے صحابہ یہ کام انجام دیتے۔ آپؐ نے مختلف علاقوں میں خاص طور سے مبلغین بھیجے جو تبلیغ کے بعد تعلیم بھی دیتے تھے۔ ان میں حضرت خالد بن ولید مخزومی (نجران ابنوکعب) حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی (بنو ہمدان) حضرت خالد بن سعید اموی (صنعاء) حضرت جریر بن عبداللہ بجلی (حمیر) حضرت عمرو بن العاص سہمی (عمان) اور بہت سے دوسرے مبلغین مختلف علاقوں میں بھیجے گئے۔

بہت سے مبلغوں نے اس راہ میں جان تک دے دی جیسے رجیع اور بئر معونہ کے شہداء جو اصل میں تبلیغ وتعلیم کے لئے بھیجے گئے۔ اسلامی ریاست کے پڑوسی ملکوں کے بادشاہوں جیسے ایران کے کسریٰ، روم کے قیصر، مصر کے مقوقس، بصری کے والی، حبشہ کے بخاشی وغیرہ کے پاس بھی بطور خاص مبلغین دفرامین بھیجے گئے۔ ان مبلغین کے نام تھے: حضرات دحیہ کلبی، عبداللہ حذافہ سہمی، عمرو بن امیہ ضمری، سلیط بن عمرو، شجاع بن وہب اور حارث بن عمیر وغیرہ۔ ان کے علاوہ عرب کے متعدد حکمرانوں کے پاس بھی بھیجے گئے۔

معلمین:

اسلام کی تعلیم دینے والے بھی مقرر کئے گئے۔ اصل معلم تو آپؐ اور آپؐ کے تمام صحابہ تھے خواہ ان کو مقرر کیا جاتا یا نہ کیا جاتا ہے۔ مگر آپؐ نے خاص طور سے بہت سے معلمین کا تقرر کیا۔

مدینہ منورہ میں اکابر صحابہ کے علاوہ حضرت معاذ بن جبل خزرجی، حضرت مصعب بن عمیر

Marfat.com

عبدری، حضرت اسعد بن زراہ خزرجی، حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلی، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ عبد شمسی اور حضرت ابی بن کعب خزرجی وغیرہ معلمین خاص تھے۔

بدوی قبیلوں اور دوسرے علاقوں کے مسلمان مدینہ آتے اور آپؐ سے اور آپؐ کے صحابہ سے اسلام کی تعلیم حاصل کر کے جاتے اور اپنے علاقوں میں معلمین کا کام کرتے بعض علاقوں میں آپؐ نے خاص طور سے معلم مقرر کیے جیسے مکہ مکرمہ کی فتح کے بعد حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کو مکہ والوں کا معلم بنایا پھر طائف کے لئے موخر الذکر کو بھیجا۔ ایسے ہی اور بہت سے معلم مقرر کیے۔

ان مبلغین میں قرآن مجید پڑھانے والے (قراء/مقری) دینی مسائل سے آگاہ کرنے والے (مفتی) اور فیصلے کرنے والے (قاضی) بھی شامل تھے۔ صحابہ کرام میں ایک خاص طبقہ اصحاب صفہ کہلاتا تھا کیوں کہ وہ مسجد نبوی کے شمال میں بنے ہوئے ایک چبوترہ (صفہ) پر رہتے تھے ار مستقل طور سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ یہ ہمہ وقتی طلبائے علم تھے اور اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد بطور معلم کام کرتے تھے۔ وہ سب مدینہ شہر کے باشندوں کے علاوہ باہر کے علاقوں کے مسلمانوں کو بھی تعلیم دیا کرتا تھے۔ بئر معونہ اور رجیع کے علاوہ باہر کے علاقوں کے مسلمانوں کو بھی تعلیم دیا کرتے تھے۔ بئر معونہ اور رجیع کے تمام شہداء اصحاب صفہ میں سے تھے۔ اسلامی معلموں اور مبلغوں کا یہ سب سے بڑا طبقہ تھا۔

امامانِ نماز:

دوسرے مذہبی افسروں میں نماز کے امام اور موذن اہم درجہ رکھتے ہیں۔ مسجد نبوی کے اصل امام تو آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم خود تھے مگر آپؐ اپنی عدم موجودگی میں مدینہ منورہ کیلئے خاص امام نماز مقرر فرماتے جو اسلامی ریاست کا سربراہ بھی ہوتا تھا۔

مدینہ منورہ میں آپؐ کی مسجد کے علاوہ اور بہت سی محلّہ وار مسجدیں تھیں۔ ان کے امام آپؐ ہی نے مقرر کیے تھے۔ جیسے حضرت معاذ بن جبل، حضرت عتبان بن مالک، حضرت عبداللہ عمیر خطمی اور حضرت اسید بن حضیر وغیرہ اپنے اپنے قبیلوں اور محلوں کے امام تھے۔ اسی طرح مکہ

Marfat.com

مکرمہ، طائف اور دوسرے تمام شہروں اور گاؤں کی مسجدوں کے امام مقرر کیے گئے تھے۔ عام طور سے ان علاقوں کے گورنر اور مقامی سردار اپنے اپنے علاقوں کے امام ہوتے تھے جیسے سرایا کے امیر اپنے لشکروں کے امام ہوتے تھے۔

موذنین:

حضرت بلال بن رباح حبشی اسلام کے پہلے موذن تھے جن کو مدینہ منورہ کی مسجد نبوی کے لئے آپؐ نے مقرر کیا تھا۔ وہ تا زندگی اس کے موذن رہے۔ ان کے علاوہ مسجد نبوی میں خاص اوقات اور مواقع پر حضرت عمرو ابن مکتوم عامری اور حضرت عثمان بن عفان اموی نے بھی بالترتیب رمضان اور جمعہ کے دن یہ خدمت انجام دیں تھی۔

قباء کی مسجد کے موذن حضرت سعد بن عائذ القرظ مقرر کیے گئے تھے جیسے مسجد حرام یا خانہ کعبہ کے موذن حضرت ابو محذورہ جمحی بنائے گئے تھے۔ عام طور سے ہر قبیلہ اور علاقہ والے اپنے موذن مقرر کرتے تھے لیکن بعض کے آپؐ نے بھی مقرر فرمائے تھے جیسے قبیلہ کندہ کے لئے موذن اس کے ایک فرد حضرت سفیان بن قیس کندی کو بنایا تھا۔ امام و موذن دونوں عہد نبوی میں فی سبیل اللہ خدمت انجام دیتے تھے۔

مناصب کعبہ و حج:

کعبہ کے تمام پرانے مناصب اسلام لانے کے بعد ختم ہو گئے کہ ساری ذمہ داری اسلامی ریاست نے لے لی تھی لیکن بعض عہدے باقی رکھے گئے تھے۔ ان میں سے سقایہ حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمی کے پاس اور حجابہ یا تولیت حضرت عثمان بن طلحہ عبدری کے پاس پہلے کی طرح باقی رکھا گیا تھا۔

کعبہ کے اردگرد حرم کے علاقے کی حد بندی جب آپؐ نے کرائی تو اس کیلئے خاص افسر مقرر کیے جو اس کے معاملات کے ماہر تھے۔ عہد نبوی میں حضرت تمیم بن اسید خزاعی حرم مقدس کی حد بندی کے افسر تھے۔

Marfat.com

امیر حج:

حج اسلام کا چوتھا بڑا رکن ہے اور وہ اسلامی ریاست کے سربراہ یا اس کے نائب کی سربراہی میں انجام دیا جاسکتا ہے۔ فتح مکہ کے بعد آپؐ چوں کہ دوسال حج کیلئے نہیں جاسکے اس لیے ۸ھ میں مکہ کے گورنر حضرت عتاب بن اسید اموی کو امیر حج مقرر کیا۔ دوسرے سال حضرت ابوبکر صدیق کو مدینہ منورہ سے امیر حج بنا کر بھیجا۔

بعض دوسرے مذہبی اور حج کے امور کے لیے بھی آپؐ نے افسر بنا کر بھیجے جیسے حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی کو سورۂ برائت کا اعلان کرنے کیلئے حضرت ابوبکر کے ساتھ بھیجا یا حضرت ناجیہ بن جندب اسلمی کے ہاتھوں ہدی (قربانی کے جانور) بھیجے۔ ایسے ہی بعض اور مذہبی افسر مقرر کئے تھے۔ ۱۰ھ / ۶۳۲ء میں آپؐ نے جو آخری حج کیا اس کے امیر حج آپؐ خود تھے۔ یہ حجتہ الوداع یا حجتہ الاسلام کے نام سے مشہور ہے۔

Marfat.com

اسلامی معاشرہ اور سماجی اصلاحات

اسلامی معاشرہ کی بنیادیں:

اسلام نے جو معاشرہ اور سماج پہلے مدینے منورہ میں اور پھر پورے عرب میں قائم کیا وہ اخوت ومساوات اور عدل وانصاف کی بنیادوں پر قائم کیا تھا۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی محبت وخشیت اس کی بنیاد تھی اور دوسری طرف تمام مسلمانوں کی مساوات وبرابری اور تیسری طرف تمام انسانوں کی فلاح وبہبود۔

اسلامی سماج بنیادی طور پر عربوں کے قبائلی نظام پر صرف شکل وصورت کی حد تک قائم رہا۔ قرآن مجید کے حکم کے مطابق قبیلہ، گروہ، خاندان اور علاقہ وغیرہ صرف تعارف وشناخت کے نشان تھے۔ ورنہ عام تقسیم کے لحاظ سے دو قسمیں تھیں۔ مسلم اور غیر مسلم۔ عہد نبوی میں علاقائی اور قبائلی تعصبات کو ختم کر دیا گیا۔ اسی بنا پر تمام مسلمان بھائی بھائی تھے خواہ وہ کسی گروہ، قبیلہ یا علاقہ کے ہوں۔ صرف وہ امتیازات باقی رہ گئے تھے جو شناخت کے لئے ضروری اور اسلامی روح کے مطابق تھے۔

البتہ کبھی کبھی قبائلی عصبیت یا گروہی تعصب بھڑک اٹھتا تھا جسے آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حسن تدبیر سے دبا دیتے یا ختم کر دیتے تھے۔ یہ وہ صالح معاشرہ تھا جس میں نیکی بدی پر، اچھائی برائی پر اور خیر شر پر غالب ہو گیا تھا۔ وہاں گناہ اور جرم ہوتے تھے مگر کبھی کبھی کہ وہ سب انسان بھی تھے اور انسان غلطی اور گناہ کا پتلا ہے۔ مگر اسلام نے یہ معاشرتی اصلاع کی تھی کہ

Marfat.com

گناہگار اور مجرم خود شرمندہ ہوتے۔ توبہ کرتے اور خوشی سے اپنی سزا اپناتے تھے تاکہ پاک وصاف ہوجائیں۔

اسلامی سماج کے طبقات

مہاجرین وانصار:

مدینہ میں اسلامی سماج دو بڑے طبقات پر مشتمل تھا: مہاجرین اور انصار: مہاجرین میں زیادہ تر لوگ قریش کے خاندانوں کے افراد یا ان کے طبقات تھے اور کچھ قریبی اور دور کے قبیلوں کے لوگ بھی تھے۔ لیکن وہ سب ایک طبقہ مہاجرین میں شمار کیے جاتے تھے۔ صلح حدیبیہ تک ان کی تعداد اچھی خاصی ہونے کے باوجود زیادہ نہ تھی لیکن اس کے بعد ان کی تعداد کئی گنا بڑھ گئی اور آٹھ دس ہزار تک جا پہنچی۔ انصار میں قبیلہ خزرج کی تعداد زیادہ تھی اور قبیلہ اوس کی ان سے کم۔ یہ دونوں مل کر انصار کہلاتے تھے۔ مدینہ کی آبادی تیس ہزار سے زائد تھی۔

بدوی قبائل:

مدینہ منورہ کے اصل طبقات کے علاوہ قرب وجوار کے قبیلہ کے لوگ بھی وہاں آکر بس گئے تھے۔ ان میں اسلم، غفار، مدلج، ضمرہ، مزینہ ارجہینہ اور شمال وجنوب کے بعض اور قبیلوں کے لوگ بھی تھے جیسے ازد، شنورہ وغیرہ مگر ان کی تعداد کافی کم تھی۔

مراتب:

بحیثیت مسلم ان میں سے ہر فرد طبقہ کو یکساں حقوق حاصل تھے لیکن اسلام کی خدمات اور اسلام قبول کرنے کے لحاظ سے ان کے دینی مرتبہ اور سماجی مقام میں فرق تھا۔ پہلے اسلام لانے والے مہاجرین کو سابقین اولین کہا جاتا تھا اور وہ سب سے افضل تھے۔

ہجرت نبوی کے عبد غزوۂ بدر تک مہاجر وانصار مسلمانوں کا مقام ان کے بعد تھا۔ پھر سب سے افضل بدری صحابہ تھے۔ جنہوں نے جنگ بدر میں حصہ لیا تھا۔ ان کے بعد وہ صحابہ کرام تھے جو صلح حدیبیہ یا فتح مکہ تک اسلام لائے تھے اور فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والے آخری درجہ میں تھے۔ بڑی عمر کے لوگوں کو بچوں پر فوقیت حاصل تھی۔ عورتوں کو مردوں کی مانند یکساں مقام

Marfat.com

ومرتبہ حاصل تھا بلکہ ازواج مطہرات کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ سلم کے بعد خاص مقام ومرتبہ دیا جاتا تھا کہ وہ مسلمانوں کی مائیں تھیں اوران کے برابر کوئی نہ تھا (سورۂ احزاب ۶ اور ۵۳)

دوسرے شہروں، قصبوں، گاوؤں اور صحراؤں کے مسلمانوں کو ان کے زمانہ قبول اسلام کے لئے ان کی خدمات اورعلوم وفنون میں امتیاز کے مطابق سماجی دینی مقام دیا جاتا تھا۔

منافقین

مدینہ منورہ میں ہجرت نبوی کی کچھ مدت بعد ہی منافقین کا طبقہ بھی وجود میں آیا جودل سے کافراور بظاہر مسلمان تھے۔ان کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول خزرجی تھا۔آپؐ کے آنے سے قبل وہ مدینہ کا بادشاہ بننے والا تھا مگر اس کی تمنا پوری نہ ہوئی، لہذا وہ اوراس کے کچھ ساتھی نفرت حسد اور دنیاوی فائدوں کیلئے اسلام کے مخالف بن گئے اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔بالآخر ۹ھ/۶۳۱ء میں غزوۂ تبوک کے بعدان کی طاقت بالکل ختم ہوگئی۔

غیر مسلم طبقات:

مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے علاوہ کچھ غیر مسلم طبقات تھے۔جن میں سب سے بڑی تعداد یہود کی تھی۔عیسائی وغیرہ بہت کم بلکہ چند افراد ہی تھے۔یہودیوں کے تقریباً درجن قبیلے تھے جن میں سے تین .....بنو قینقاع، بنو النضیر اور بنو قریظہ .....اسلام کی مخالفت اور اسلامی ریاست سے غداری کرنے کے سبب زیادہ مشہور ہوئے۔ان کی تعداد بھی کئی ہزار تھی اور دولت وطاقت کے حساب سے بھی وہ ممتاز تھے۔عیسائی اور پارسی وغیرہ دوچار تھے اور زیادہ تر غلام ومزدور۔ جب کہ یہودی تاجر، زراعت پیشہ اور حرفت والے تھے۔وہ سب کے سب اسلامی ریاست کے ذمی یا اہل الذمہ تھے۔

اقتصادی طبقات:

پیشہ کے اعتبار سے مسلم آبادی چار طبقوں میں بٹی ہوئی تھی:

ا۔تاجر.....مہاجرین میں اکثر مقامی اور بین الاقوامی تجارت میں شریک تاجر تھے۔اور شام ویمن وغیرہ متعدد علاقوں اور ملکوں سے تجارت کرتے تھے۔مہاجرین میں سے مالدار لوگوں

Marfat.com

نے زرعی جائداد دیں بھی بنالی تھیں۔ خاص کر خیبر کی فتح کے بعد بہت سے لوگوں کے پاس کھیت، باغات اور مکانات ہو گئے تھے۔

۲.....انصار میں سے زیادہ تر لوگ زراعت پیشہ تھے اور مدینہ میں اور اس کے اردگرد ان کے کھجوروں اور پھلوں کے باغات اور اناج میں جو، گیہوں اور سبزی وغیرہ کے کھیت تھے۔ ان میں کافی لوگ تجارت بھی کرتے تھے لیکن وہ زیادہ تر مقامی تجارت میں مصروف رہتے تھے۔

۳.....مسلمانوں کے دونوں طبقات کی اکثریت اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھی۔ وہ یا تو چھوٹے چھوٹے دستکار یا حرفہ والے تھے جیسے لوہار، بڑھئی سنار چمڑے کا کام کرنے والے وغیرہ۔

۴.....یا مزدور تھے اور کھیتوں اور باغوں میں اجرت پر کام کرتے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگ خوشحال اور مالدار طبقات کے گھروں میں خانگی نوکروں کا کام کرتے تھے یا چرواہے وغیرہ تھے۔

عجمی طبقات:

عہد نبوی میں مسلمانوں کی غالب اکثریت عربوں پر مشتمل تھی۔ لیکن کچھ عرب اور عجمی موالی بھی رہتے تھے۔ یعنی وہ عجمی لوگ یا عرب قبیلوں کے افراد جو اپنے علاقوں اور خاندانوں کو غلامی وغیرہ کے اسباب کی بنا پر چھوڑ کر مدینہ یا دوسرے علاقوں میں بس گئے تھے۔ عجمی موالی میں حضرت بلال حبشی اور حضرت سلمان فارسی بہت اہم افراد تھے۔ اسی طرح بہت سے عرب موالی بھی تھے جیسے حضرت زید بن حارثہ کلبی وغیرہ۔ موالی ہونے کے باوجود ان کو اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست میں یکساں سماجی، دینی، معاشی اور سیاسی حقوق حاصل تھے۔ چوں کہ ان کی تعداد بہت کم تھی۔ اس لیے ان کو عہدے اور مناصب نسبتاً کم ملے مگر ان میں سے جو صاحب لیاقت تھے ان کو عہدے بھی خوب ملے۔

اسلامی معاشرہ:

عہد نبوی کا اسلامی معاشرہ اسلامی اخوت و مساوات کے اصولوں اور عدل و انصاف کی بنیادوں پر قائم تھا۔ اس میں لیاقت و صلاحیت اور تقویٰ کی بنیاد پر امتیاز ملتا تھا۔ بحیثیت

Marfat.com

مجموعی وہ بہترین انسانی معاشرہ تھا جس میں شر پر خیر پوری طرح غالب تھا۔ یہ آدرش معاشرہ تھا۔ ایسا معاشرہ پھر کبھی وجود میں نہیں آیا اور نہ آسکتا ہے کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تربیت یافتہ اصحاب کرام کا معاشرہ تھا۔ نہ اب نبی ہوں گے نہ ان کے اصحاب جیسا معاشرہ ہوگا۔

اسلامی معاشرہ کی خصوصیات یہ تھیں:۔

۱۔وہ قرآن وحدیث کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔

۲۔انسانی جذبات وخیالات اللہ ورسول کے احکام کے تابع تھے۔

۳۔ان میں اتحاد، یگانگت، خیر سگالی، محبت اور ایثار بے پناہ تھا۔

۴۔وہ اسلام اور اسلامی ریاست کے لئے سب کچھ تج دیتے تھے۔

۵۔تقویٰ اور خشیت الٰہی کے سبب شر کم تھا۔

۶۔اگر ان کو اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا تو فوراً اس کی اصلاح کر لیتے۔

۷۔وہ مجموعی خیر پر مبنی معاشرہ تھا۔

سماجی اصلاحات

سماجی تحفظ کا نظام:

اسلامی نظام معاشرت نے تمام انسانوں کی جان ومال اور آبرو کے تحفظ کا نظام قبائلی روایات اور اسلامی قوانین کی بنیاد پر قائم کیا۔ پہلے کسی کی جان محفوظ تھی نہ مال اور نہ آبرو۔ قصاص اور دیت کے اصولوں کے ذریعہ افراد کو بھی اور پورے طبقات کو بھی یہ تحفظ فراہم کیا گیا۔

قتل کی سزا قتل یا خون بہا کے طور پر سو اونٹ کی رقم مقرر کی گئی اور ہر قبیلہ کو پابند کیا گیا کہ وہ قاتل ومجرم کی حرکتوں کا ذمہ دار ہوگا۔ اور دیت وقصاص کے نفاذ کا بھی ذمہ دار ہوگا۔ وہ مجرم کو پناہ نہ دے گا بلکہ اس کو پکڑ کر سزا دلوائے گا۔

اسی طرح چوری، ڈکیتی وغیرہ دوسرے جرموں کی سزا مقرر کی گئی، بدکاری کی سزا موت یا سو کوڑے طے کی گئی۔ نیک لوگوں پر جھوٹی تہمت لگانے اور دوسروں کی آبروں سے کھیلنے کی سزا

Marfat.com

اسی کوڑے تھی۔شراب نوشی کی سزا بھی چالیس یا اسی کوڑے اور قید و بند مقرر کی گئی۔

قوانین اور سزاؤں سے زیادہ لوگوں کے اخلاق کو سنوارا گیا اور ان میں فسق و فجور اور گناہ و سرکشی سے نفرت اور ایمان و اخلاق سے محبت پیدا کی گئی۔ ان دونوں نے مل کر پورے معاشرے کو محفوظ و مامون بنا دیا۔

اس کے نتیجے میں قتل، چوری ڈکیتی، بدکاری، شراب نوشی اور جوابازی جیسے بہت سے جرائم ختم ہو گئے، جنگوں کا سلسلہ جو انتقام کا چکر تھا ختم ہوا اور امن و امان ..... بے مثل امن و امان ..... کا دور دورہ ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہوئی کہ اکیلی عورت سونا اچھالتی ایک کونے سے دوسرے کونے تک جائے گی اور اسے اللہ تعالےٰ کے سوا کسی اور کا خوف نہ ہوگا۔

نکاح و طلاق کی اہمیت:

عربوں میں رواج تھا کہ مرد بہت سی عورتوں سے شادی کر لیتے تھے۔ (POLYGAMY) ان کی تعداد پر کوئی پابندی نہ تھی۔ اسی طرح عورتیں بھی بیک وقت کئی کئی مردوں کے نکاح میں رہتی تھی POLYANDRY اگرچہ ایسا کم تھا۔ نکاح میں رشتوں کا احترام بھی نہیں رکھا جاتا تھا۔ سوتیلی ماں تک سے شادی کر لی جاتی تھی۔ اسلام نے ان سب خرابیوں کی اصلاح کی۔

نکاح:

سب سے پہلے تو یہ پابندی لگائی کہ مرد صرف ایک سے شادی کرے اور اگر اسے ضرورت ہے تو عدل کے ساتھ وہ زیادہ سے زیادہ ایک وقت میں چار بیویاں رکھ سکتا ہے۔ نکاح کیلئے مہر کی رقم اور بیوی کا نان نفقہ یعنی کھانا کپڑا اور مکان ضروری حق قرار دیا۔ اسی طرح بیوی کے ساتھ حسن سلوک بھی ضروری بتایا اور بیویوں پر شوہروں کے حقوق بھی واضح کیے۔

دوسری پابندی یہ لگائی کہ بعض رشتوں کو حرام کر دیا چنانچہ ماں، خالہ، دادی، نانی، بہن بیٹی، بھانجی، بھتیجی، پھوپھی، رضاعی ماں اور ساس اور ان جیسے دوسرے رشتوں اور بہو وغیرہ سے شادی حرام قرار دی۔ دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنے کی بھی ممانعت کر دی۔ کئی مردوں

Marfat.com

سے ایک عورت کا نکاح ایک وقت میں قطعی حرام کردیا کہ وہ ایک وقت میں صرف ایک مرد کی بیوی بن سکتی ہے۔ اسی طرح کافر و مشرک عورتوں اور مردوں سے شادی حرام قرار دی۔ مسلمان مردوں کو البتہ اجازت دی کہ وہ اہل کتاب عورتوں میں سے نیک و پاکدامن بیبیوں سے نکاح کرسکتے ہیں۔ (سورۂ نساء ۲۴۔۲۲، سورۂ ممتحنہ ۱۰ وغیرہ)

طلاق:

اگر چہ طلاق دینے کا حق اسلام نے مردوں یعنی شوہروں کو دیا ہے تاہم اس کو حلال چیزوں میں سے سب سے ناپسندیدہ بھی قرار دیا کہ اللہ تعالےٰ کو سخت ناپسند ہے۔ صرف اللہ کے حدود قائم نہ رہنے کی صورت میں طلاق کی اجازت دی ہے۔ اور وہ بھی صرف دو طلاقوں کی تا کہ اگر پچھتاوا ہو تو رجعت کر کے بیوی کو واپس لے لے۔

تین طلاقیں دینے کو منع کیا ہے لیکن اگر وہ تین طلاقیں دے کر بالکل قطع تعلق کرنا چاہے تو یہ پابندی لگائی کہ ہر طلاق ہر ماہ میں بیوی کی پاکی کے زمانے میں، جب اس سے قربت و مباشرت نہ کی ہو، دے۔ اس طرح تین ماہ میں تین طلاقیں دے اس کے بعد واپسی کا راستہ بند کردیا۔ صرف حلالہ کی صورت میں واپسی ہوسکتی ہے اور حلالہ پر اللہ کی لعنت ہے۔

نکاح کا مقصد:

نکاح کا مقصد یہ ہے کہ مرد و عورت دونوں پاکی کے ساتھ زندگی بسر کریں اور اس رشتہ کے بغیر کسی سے تعلق مباشرت نہ رکھیں کہ انسانی معاشرہ گندگی سے پاک رہے اور انسانی نسل میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا رہے جس طرح اسلام نے انسان کی بھوک پیاس اور دوسری ضرورتوں کو پورا کرنے کے جائز و پسندیدہ طریقے بتائے ہیں اسی طرح اس کی جنسی خواہش کی صحیح اور پاکیزہ تکمیل کا ذریعہ نکاح کے ذریعہ نکالا ہے۔

حدّ زنا:

لیکن اگر انسان اسلامی شریعت کی مقرر کردہ حدوں کو پھلانگ کر اپنی جنس خواہش پوری

Marfat.com

کرنی چاہے تو اس کو بدکاری اور زنا قرار دے کر اس کو گناہ کبیرہ بتایا ہے اور اس کی مرتکب کے لیے سزا مقرر کی ہے۔ اگر غیر شادی شدہ شخص یہ حرکت کرے تو اس پر سو کرڑوں کی سزا عائد کی جائے گی۔ اگر شادی شدہ مرد عورت اپنی پسند وارادہ سے زنا کا ارتکارب کرے تو اس کو رجم یا سنگسار (پتھر مار مار کر ہلاک) کر دیا جائے کیوں دو شخصوں کی زندگی سے پورا معاشرہ گندا ہو جاتا ہے اور دوسروں کے حقوق تلف ہو جاتے ہیں۔ اگر زنا کار کا جرم چھپ جائے اور وہ نادم ہو کر توبہ کرے تو امید ہے کہ اللہ تعالے اسے معاف کر دے۔

احساس گناہ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاشرہ تعمیر کیا تھا اس میں ایک خاص بات یہ تھی کہ اکثر لوگ گناہ سے بچتے تھے لیکن اگر ان میں سے کسی سے زنا کا جرم جذبات کے غلبہ سے ہو جاتا تھا تو وا پنی مرضی اور خوشی سے اپنی سزا بھگتتے تھے۔ حضرت ماعز اور ایک صحابیہ حضرت غامدیہ سے یہ جرم سرزد ہوا تو دونوں نے الگ الگ آ کر آپؐ کی مجلس میں اپنے خلاف گواہی دی اور اپنی جان دے کر پاکی حاصل کر لی۔ آپؐ نے ان کے پاک ہونے کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ انہوں نے ایسی توبہ کی ہے۔ اگر مدینہ والوں پر تقسیم کر دی جائے تو سب کی مغفرت ہو جائے۔

جوا: (قمار بازی)

دوسری سیاسی خرابیوں کی اصلاحات میں جوئے کی ہر قسم کو حرام قرار دیا کہ اس میں ایک فائدہ اور دوسرے کا نقصان ہے۔ کیوں کہ جوا فریب پر مبنی ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرہ فریب اور دھوکہ دہی کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔

شراب نوشی:

اسی طرح شراب نوشی حرام قرار دی گئی۔ وہ مدت سے عربوں کی گھٹی میں پڑی تھی اور یکلخت اس کا چھوڑنا مشکل تھا۔ لہٰذا پہلے نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا۔ لوگ اس پر عمل کرنے لگے تو پھر شراب کی تجارت حرام کی گئی۔ لوگوں نے اس پر بھی عمل کیا اور آخر میں

Marfat.com

شراب پینے کے قطعی حرام ہونے کا حکم آیا تو سب مسلمانوں نے ایک دم چھوڑی۔ روایت ہے کہ مدینہ میں اس دن اتنے شراب کے مٹکے توڑے گئے اور اتنی شراب بہائی گئی کہ گلیوں اور سڑکوں پر کیچڑ ہوگئی۔

شراب کے قطعی حرام قرار دینے کے بعد اسلامی شریعت نے قانون بنایا کہ اگر اب کوئی جان کر شراب پیے تو اس کو کوڑوں کی سزا دی جائے۔ عہد نبوی میں اس سزا کی حد نہ تھی۔ اسی یا چالیس کوڑوں اور جوتوں چپل سے مرمت کرنے کی روایات آتی ہیں۔ بعد میں اسی کوڑے کی سزا مقرر ہوگئی۔

چوری اور ڈکیتی:

چوری کی سزا زیادہ سے زیادہ ہاتھ کاٹنا مقرر ہوئی۔ کم سے کم تنبیہہ، قید یا جلا وطنی تھی۔ دراصل سزامالیت پر منحصر تھی۔ عہد نبوی میں چوری کے صرف اکا دکا واقعات ہوئے۔ اسی طرح ڈکیتی کی سزا موت مقرر کی گئی۔ اس کے بھی دو چار واقعات مذکور ہوئے ہیں۔ ورنہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں خاص کر اور دوسروں میں بھی وہ بلند اخلاق پیدا کر دیتے تھے کہ وہ ان گناہوں سے دور رہتے تھے۔

غلامی:

عربوں کے سماجی ڈھانچے میں غلامی کی قبیح لعنت موجود تھی۔ اسلام اس بری چیز کو پسند نہیں کرتا اور نہ اجازت دیتا ہے لیکن وہ اس کو یک لخت ختم بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس سے عربوں کا سماجی، اقتصادی اور فوجی نظام درہم برہم ہو جاتا۔ اس لیے اس نے غلامی کی ایک طرف تو حالت بہتر بنائی، ان کو حقوق دیئے اور ان کے فرائض مقرر کیے۔ دوسری طرف آہستہ آہستہ غلامی کا نظام ختم کرنے کے طریقے بتائے۔

بحیثیت مسلمان غلاموں کو برابر کے دینی حقوق دیئے۔ وہ مذہبی لحاظ سے آزادوں کے برابر تھے، جیسے ان کے فرائض ویسے ان کے حقوق۔ سماجی اور اقتصادی لحاظ سے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا ان کے آقاؤں پر فرض قرار دیا۔ ان کو مالک کی حیثیت کے مطابق کھانے،

Marfat.com

کپڑے اور رہنے کی جگہ ضروری بتائی۔ان کی تعلیم وتربیت بھی ضروری قرار دی۔ان کے دکھ سکھ کا خیال فرض بتایا۔ان کی آزادی کو سب سے بڑے اجروثواب کا کام قرار دیا۔

غلاموں کی آزادی کیلئے دینی فرائض میں بھی گنجائش نکالی۔مثلاً روزہ توڑنے، ظہار کا جرم کرنے (بیوی سے الگ رہنے کی قسم توڑنے) قتل کرنے وغیرہ کا کفارہ یہ بتایا کہ مسلمان مجرم اگر صاحب غلام ہو تو غلام آزاد کرے۔پھر غلاموں کو مکاتبت (رقم ادا کرنے) کے ذریعہ آزادی حاصل کرنے کا طریقہ بتایا۔مالک کی باندی کو جو بیوی کی مانند رہے ام الاقرار دے کر مالک کی موت کے بعد از خود آزاد ہونے کا حق دیا۔

غرضیکہ ان کی آزادی کے اتنے طریقے نکالے اور ان کی آزادی کو اتنا بڑا کام بتایا کہ سب غلام آزاد ہو گئے۔اور جو غلام رہ گئے ان کی حالت اتنی بہتر کر دی کہ وہ اسلامی حکومت کے افسر بنے، عالم ومحدث اور مفسر بنے۔عہد نبوی کے غلاموں پر تو ہم آزاد رشک کر سکتے ہیں۔

مجبور طبقات کی بہتری:

سماج میں عورتوں خاص کر بیواؤں اور یتیم بچوں کی حالت بہتر بنائی۔ان کو بہت سارے حقوق دیئے جو اسلام سے پہلے کے نظام نے غصب کر لیے تھے۔ان کو سماجی عزت دی۔ اقتصادی آزادی دی۔ دینی اور مذہبی مساوات دی اور ضرورت بھر سیاسی اور فوجی حقوق بھی دیئے۔چوں کہ ان کا دائرہ کار الگ ہے، اس لیے ان کے دائرے میں ان کی عزت قائم کی۔ اسی طرح بیواؤں اور یتیموں کے حقوق مقرر کیے اور ان کا سماجی رتبہ بلند کیا۔

نظام وراثت:

اقتصادی نظام میں دو اہم اصلاحات کیں :اول وراثت کا نظام جاری کیا۔ پہلے مرنے والے کی ساری جائداد اس کا فرزند یا بھائی یا کوئی دوسرا مرد لے لیتا تھا اور دوسرے حقداروں کو کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔اسلام نے بیٹے کے ساتھ بیٹی، بیوی اور ماں باپ کا حصہ بھی مقرر کیا۔ عورتوں کو ان کے ہم پلہ مردوں کے مقابلے میں آدھا حصہ وراثت میں دیا گیا کہ عورت اپنے باپ کے علاوہ اپنے شوہر کی وراثت میں بھی حصہ پاتی ہے۔اس کے علاوہ اس پر کوئی اقتصادی

Marfat.com

بوجھ نہیں رکھا بلکہ شادی سے پہلے اس کے ماں باپ بھائی وغیرہ دوسرے والی پر اس کی ذمہ داری عائد کی اور شادی کے بعد اس کے شوہر پر۔ مرد اپنے اور اپنے اہل وعیال کا پورا مالی بوجھ اٹھاتا ہے۔ اس لیے اسے عورت کا دوگنا حصہ میراث میں دیا گیا۔ وراثت کے مقررہ حصے قرآن مجید کی سورۂ نساء کی ابتدائی آیات میں بیان کیے گئے ہیں۔

تجارتی اصلاحات:

اقتصادی اصلاحات میں اسلامی نظام تجارت وزراعت کی اصلاحات بھی آتی ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کی وہ تمام قسمیں حرام قرار دیں جن میں کسی قسم کا دھوکہ یا فریب یا اس کا شائبہ بھی تھا اور جس کے سبب فریقین میں سے کسی ایک کو فائدہ اور دوسرے کو نقصان ہوتا تھا۔ ان میں سے ہم جنس چیزوں کی کمی بیشی کے ساتھ تجارت بھی شامل تھی مثلاً سونے کے سونے سے، چاندی کی چاندی سے، نقد رقم کی نقد رقم سے، گیہوں کی گیہوں سے یا اسی طرح ایک جنس کی اس جنس میں گھٹا بڑھا کر خرید وفروخت حرام قرار پائی۔ برابر کی تجارت جائز قرار دی۔

سود کی تحریم:

اسی میں سودی کاروبار بھی آتا ہے۔ مکہ، طائف، مدینہ اور خیبر وغیرہ کے تمام مالدار تاجر اور کاشتکار سودی کاروبار کرتے تھے۔ وہ سود پر روپیہ قرض دیتے یا تجارتی سود لیتے تھے۔ ان میں عرب وغیر عرب، مسلمان اور یہودی سبھی ملوث تھے۔ سود کی شرح معمولی بھی تھی اور بھاری بھی۔ وہ سود در سود یا مرکب سود پر مبنی کاروبار کرتے تھے۔ اسلام نے رفتہ رفتہ سود کی تجارت اور سودی کاروبار حرام قرار دیا۔ پہلے مرکب سود یا چند در چند سود لینا حرام قرار پایا، پھر معمولی سود بھی حرام ہوا۔ فتح مکہ کے بعد ہر قسم کا سود ممنوع ہوگیا۔ اور سود لینے کو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے مترادف قرار دیا گیا۔ (سورۂ بقرہ ۲۷۸۔۲۷۵، آل عمران ۱۳۰، نساء ۱۶۱ اور سورۂ الروم ۳۹)۔

سودی کاروبار چوں کہ سارے انسانوں کا استحصال کرتا ہے اس لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے علاوہ اسلامی ریاست کی ذمیوں کو بھی سود لینے دینے سے منع کر دیا۔

Marfat.com

چنانچہ بحران کے عیسائیوں وغیرہ سے جو معاہدہ کیا تھا اس کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ سودی کاروبار نہ کریں گے۔

صحیح اوزان وناپ:

تجارتی کاروبار میں ترازو صحیح رکھنے اور صحیح وزن کے بانٹ رکھنے ضروری قرار پائے اور کم ناپ تول کو حرام قرار دیا۔ اسی طرح بہت سے زرعی یعنی کھیتی باڑی کے معاملات ناجائز قرار دیئے جن میں کسی ایک فریق کا نقصان تھا۔ مثلاً پھلوں کے درختوں پر آکر مضبوط ہو جانے سے قبل پیداوار کی خرید وفروخت حرام قرار دی۔ مختلف جنس کی چیزوں کی کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ صحیح بتایا تو ہم جنس چیزوں کا حرام۔

کھانے پینے کی اصلاحات:

سماجی اصلاحات کے سلسلہ میں اسلام نے کھانے پینے کی چیزوں (ماکولات ومشروبات) میں بھی حلال وحرام کا اصول نافذ کیا۔ اسلام سے پہلے ایسا کوئی معیار نہ تھا۔ لوگ جو چاہتے کھاتے پیتے تھے۔ اسلامی اصول یہ مقرر کیا کہ پاکیزہ چیزیں (طیبات) حلال اور تمام گندی چیزیں (خبیثات) حرام قرار دیں۔ گوشت میں سوروں، مردار جانوروں، درندوں اور پنجہ دار پرندوں، کیڑے مکوڑوں، سانپ بچوؤں وغیرہ کو حرام کیا۔ خون اور تبوں کے چڑھاوے کے جانور بھی حرام بتائے۔ صرف حلال اور ذبیحہ جانوروں کا گوشت ہی جائز بتایا۔ مشروبات میں تمام نشہ آور چیزیں جیسے شراب، بھنگ، اور افیون وغیرہ حرام قرار دیں۔

دراصل خبیث اور گندی چیزوں کا انسان کے اخلاق وکردار پر اثر پڑتا ہے۔ اور ماکولات ومشروبات میں اسلام نے یہ اصول اپنایا کہ پاک چیزیں حلال رکھی جائیں اور گندی چیزیں حرام کردی جائیں تاکہ انسان میں پاکیزہ صفات پیدا ہوں۔

Marfat.com

اسلام اور اسلامی شریعت کی تکمیل

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو دین اسلام لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا، اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں پر رکھی تھی: اول: عقائد..... دوم: ارکان..... سوم: قوانین..... چہارم: اخلاق۔

الف۔ عقائد

ا۔ توحید:

اسلام کا بنیادی عقیدہ تو توحید ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک اکیلا معبود، مالک و آقا ماننا اور اسی کی عبادت کرنا۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، نہ اس کی ذات میں اور نہ اس کی صفات میں۔ اس کے علاوہ اور سب خداؤں کا انکار کرنا۔ اسی سے تقدیر کا عقیدہ وابستہ ہے کہ وہی عالم الغیب والشہادہ اور مالک کل ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۲۔ رسالت:

دوسرے سارے عقیدے اسی بنیادی عقیدے سے وابستہ ہیں یا اس کی لازمی شاخیں ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہے اور اپنے بندوں کی دینادی اور مادّی ضرورتیں پوری کرتا ہے اس لیے وہ ان کی اخروی اور دینی فلاح و بہبود کا بھی انتظام کرتا ہے۔ اسی سے اسلام کا دوسرا عقیدہ وجود میں آیا یعنی رسالت۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت

Marfat.com

کیلئے ہر زمانے میں نبی اور رسول بھیجے حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ وسلم تک۔ آپؐ اس کے آخری رسول ہیں اور آپؐ پر رسالت ختم ہوگئی۔ لہٰذا تمام رسولوں پر اور آپؐ کے خاتم النبیین ہونے پر ایمان رکھنا دوسرا عقیدہ ہے۔ آپؐ ختم المرسلین اس لیے ہیں کہ آپؐ سارے انسانوں کیلئے قیامت تک کیلئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جب کہ دوسرے محدود وقت اور مخصوص لوگوں کے لئے مبعوث کیے گئے تھے۔

کتابوں اور فرشتوں کا عقیدہ:

رسالت کے عقیدے کے ساتھ اللہ کی تمام کتابوں، صحیفوں اور فرشتوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کہ وہ اس سے وابستہ عقیدے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ اپنے رسولوں پر کتابیں نازل کرتا رہا ہے جو اس کا کلام ہوتا ہے۔ اس کا آخری کلام قرآن مجید ہے جو باقی اور محفوظ ہے۔ باقی کتابیں اور صحیفے محرف یا فنا ہوگئے۔ اس لیے قرآن مجید ہی کو صرف صحیح کلام الٰہی ماننا ضروری ہے۔

۳۔ آخرت:

چونکہ انسان کی تخلیق اور دینا کی پیدائش انسان کی آزمائش کیلئے کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔ یا نافرمانی۔ اس لیے تیسرا لازمی اور بنیادی عقیدہ یہ قرار پایا کہ ایک دن یہ دنیا فنا ہو جائے گی اور انسان موت کے بعد پھر اٹھایا جائے گا کہ وہ اپنے اعمال کے مطابق جزا یا سزا پائے۔ اس سے آخرت و معاد کا عقیدہ پیدا ہوا۔ اسی میں قیامت، حساب کتاب، موت کے بعد زندہ ہونا، اجر و سزا پانا اور جنت و جہنم اور ان سے متعلق عقیدے پیدا ہوئے۔

ان تمام عقیدوں پر سچے دل سے ایمان لانا اور زبان سے ان کا پکا اقرار کرنا مسلمان ہونے کیلئے ضروری ہے۔

(ب) ارکان اسلام:

اسلامی عقائد کا عملی اظہار اسلامی ارکان میں ہوتا ہے۔ بنیادی ارکان چار ہیں: صلوٰۃ (نماز) صوم (روزہ) زکوٰۃ وصدقہ (خیرات) اور حج (مکہ مکرمہ اور خانہ کعبہ کی زیارت اور بعض

Marfat.com

رسوم وعبادات)ہر مسلمان پر یہ چاروں فرض ہیں۔ زکوٰۃ وحج کیلئے صاب مال واستطاعت ہونے کی شرط ہے۔ صلوٰۃ وصوم کیلئے صرف بالغ وصتمند ہونے کی۔

اسلام ایک دین فطرت ہے اوراس بناپراس نے تمام عقائدوارکان وعبادات میں تدریجی ارتقاء کااصول اپنایا ہے۔ اسی وجہ سے وہ پہلے اللہ کی توحید اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار کامطالبہ کرتا ہے اور پھر دوسرے عقائد کا۔ اس اقرارویقین کے بعد وہ آہستہ آہستہ ارکان وعبادات کی ادائیگی کا مطالبہ کرتا ہے اوروہ بھی یکے بعد دیگرے۔

(ا) صلوٰۃ :(نماز)

تمام عبادات میں صلوٰۃ (نماز) سب سے اہم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایمان کی علامت قراردیا ہے۔ اوراس کی ترک کوکفر کی۔ قرآن کریم میں اس کی سب سے زیادہ تاکید آئی ہے۔ پھر عقائد کے بعد یہی سب سے پہلی عبادت ہے جو آپ آپؐ کو سکھائی اور مسلمانوں پر فرض کی گئی۔ سورۂ اقراء کی پہلی آیات کریمہ جس رات نازل ہوئیں اس کی دوسری صبح کو حضرت جبریل علیہ اسلام نازل ہوئے اور آپؐ کو وضواور طہارت کا طریقہ سکھایا اور پھر دورکعت نماز سکھائی۔ بعدمیں آپؐ نے حضرت خدیجہ کو طہارت ونماز کی تعلیم دی اور دوسرے مسلمانوں کو بھی آپؐ نے ان کے اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے نماز سکھائی۔

نماز کاارتقاء:

پہلے دن بھر میں صرف دورکعت نماز دوپہر میں فرض تھی۔ پھر دورکعت عصر کی فرض ہوئی اورقرآن مجید کے نزول کے کئی برس بعد معراج میں دن رات کی پنجگانہ نمازیں فرض کی گئیں۔ یعنی فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء حضرت جبرائیل نے دوبارہ آپؐ کو یہ ساری نمازیں ان کے اوقات میں سکھا کر پوری امت کوان کے طریقہ وقت اور کیفیت کی تعلیم دی۔

فرض:

پنجگانہ نمازوں میں تین طرح کی رکعات ہیں اول فرض دوم سنت سوم نفل فجر کی دوظہر اور عصراورعشاء کی چارچاراورمغرب کی تین رکعتیں فرض ہیں اور کسی حال میں معاف نہیں ہوتیں۔

Marfat.com

چھوڑنے والا سخت گنہگار رہوتا ہے پہلے تمام فرض نمازیں دو دو رکعات تھیں پھر مقیم کے لئے چار کر دی گئیں اور مسافر کے لئے دو ہی رکھی گئیں۔ مغرب کی تین ہی فرض رکعتیں ہیں، عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نماز میں دو دو رکعت چاشت کے وقت واجب ہیں۔

سنت:

دن بھر میں بارہ رکعات سنتیں ہیں، فرض فجر سے پہلے دو ظہر کے فرض سے پہلے چار اور بعد میں دو، مغرب اور عشاء کے فرضوں کے بعد دو دو۔ ان کے پڑھنے سے جنت میں گھر ملنے کا وعدۂ نبوی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہیں مگر پڑھنا چاہئے۔ عشاء کی دو سنتوں کے بعد تین رکعتیں وتر کی ہیں۔ بعض علماء ان کو سنت اور احناف واجب کہتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کبھی نہیں چھوڑا۔

نفل:

باقی نمازیں نفلی ہیں۔ ان کی کوئی تعداد مقرر نہیں۔ ہر فرض کے ساتھ نفل رکتیں پڑھی جاتی ہیں۔ پھر تہجد کی نماز آدھی رات میں (آٹھ یا بارہ رکعات) سب سے افضل ہے۔ چاشت یا اشراق کی نمازیں نفل و مستحب ہیں۔ پڑھے تو ثواب نہ پڑھے تو گناہ نہیں۔ پھر دن رات میں ممنوع اوقات کے علاوہ چاہے جتنی رکعات پڑھے۔

(۲) صیام رمضان:

اسلام کا دوسرا رکن روزہ (صوم) ہے۔ مکہ مکرمہ میں قریش کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عاشوراء (دسویں محرم) کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ وہ غالباً سنت ابراہمی تھی۔ بعد میں مدینہ تشریف لائے تو یہودیوں کو عاشوریٰ کا روزہ رکھتے دیکھا۔ معلوم ہوا کہ سنت موسوی بھی ہے۔ آپؐ نے خود بھی اور مسلمانوں کو بھی رکھنے کا حکم دیا اور یہود سے فرق کرنے کیلئے نویں محرم کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

۲ھ / ۶۲۴ء میں غزوۂ بدر کے بعد رمضان کے پورے ماہ کے روزے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض کیے، جس طرح پہلی قوموں پر فرض کیے گئے۔ اسی سال پہلی شوال کو عیدالفط

Marfat.com

کی نماز پڑھی گئی۔ (سورۂ بقرہ ۱۸۳)

رمضان المبارک کے ماہ بھر کے روزوں کے بعد تمام روزے نفل ہو گئے۔ جی چاہے رکھے جی چاہے نہ رکھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر روزے رکھا کرتے تھے رمضان کے علاوہ شعبان میں سب سے زیادہ، محرم کی نویں دسویں کو، چاندنی راتوں میں یعنی ہر ماہ کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کو۔ ان کے علاوہ دوسرے دنوں میں بھی رکھا کرتے تھے۔ شوال میں کسی وقت بھی آپؐ نے چھ روزوں کو سال بھر روزے رکھنے کے برابر قرار دیا۔ سوائے پانچ دنوں یعنی عیدالفطر اور ذوالحجہ کی دس تا تیرہ تاریخوں کے مسلمان کسی دن بھی روزہ رکھ سکتے ہے۔

(۳) زکوٰۃ:

نماز کے ساتھ ساتھ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں زکوٰۃ اور فی سبیل اللہ انفاق اور صدقہ کا حکم شروع ہی سے دیا تھا۔ مکہ مکرمہ میں زکوٰۃ صدقہ کی رقم مقرر نہ تھی۔ مدینہ منورہ میں ۹ھ ۶۳۱ء میں باقاعدہ سالانہ زکوٰۃ مقررہ شرح سے ہر صاحب نصاب عاقل بالغ مسلمان پر ادا کرنی فرض قرار دی گئی۔ اس کا ذکر اوپر محاصل اور نظام مالیات کے ضمن میں آچکا ہے۔

زکوٰۃ تو اللہ کا فرض وحق ہے اور صرف یہی مال مسلم میں الٰہی حق نہیں بلکہ اس کے علاوہ دوسرے صدقات وخیرات بھی ضروری حق ہیں، اگرچہ وہ اصطلاح میں سنت ہیں۔ جیسے عیدالفطر کے دن صدقہ فطر، محتاج، محروم اور سائل کے لئے صدقات، بیواؤں، یتیموں اور دوسرے کمزوروں اور خاص کر رشتہ داروں میں غریب لوگوں کی مدد، پڑوسی کی مالی مدد وغیرہ۔ یہ بھی ضروری حقوق وفرائض ہیں۔

حج بیت اللہ:

اسلام کا چوتھا رکن حج ہے جو ۸ھ ۶۳۰ء میں فتح مکہ کے بعد فرض ہوا۔ ہر مسلمان پر جو مکہ مکرمہ جانے آنے اور گھر سے اپنی غیر حاضری کے دوران گھر والوں کے ضروری اخراجات کی رقم رکھتا ہو اور راستے بھی پرامن ہوں اور صحت ٹھیک ہو تو زندگی بھر میں ایک بار حج کرنا فرض ہے۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے بعد صرف ایک حج کیا تھا جو ۱۰ھ ۶۳۲ء

Marfat.com

میں ادا کیا گیا، اور جو حجتہ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔

حج ۸/تا۱۲ ذوالحجہ کے پانچ دنوں میں ہوتا ہے۔اس کے دو اہم رکن ہیں :اول طواف زیارت جو خانہ کعبہ کے گرد سات چکروں کی صورت میں دس تا بارہ تاریخ کو کسی وقت کیا جا سکتا ہے اور دوسرا ۹ تاریخ کو عرفات میں زوال کے بعد کسی وقت قیام۔حج میں قربانی بھی کی جاتی ہے اور جو لوگ حج کو نہیں جاتے وہ دس کو عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ کر قربانی کرتے ہیں وہ صاحب نصاب لوگوں پر واجب ہے۔

سال بھر میں حج کے پانچ دنوں کو چھوڑ کر کسی وقت عمرہ کیا جا سکتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے آنے کے بعد چار عمرے کئے۔احرام باندھ کر خانہ کعبہ کا طواف اور مروہ وصفا کے درمیان سعی (دوڑنے) کے دو کام عمرہ کے رکن ہیں۔عمرہ سنت ہے۔

اگر چہ اسلام کے ارکان میں جہاد کو عام طور سے شامل نہیں کیا جاتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ جہاد ہر حال میں ضروری ہے۔اس کا مطلب صرف تلوار اور جنگ وجدال تک محدود نہیں۔وہ تو جہاد کی ایک قسم ہے۔مال دولت، قلم، کتاب، سعی وکوشش غرض کہ ہر ذریعہ سے اسلام کی سربلندی، دین کے غلبہ اور شریعت کے نفاذ کی کوشش کرنا جہاد میں شامل ہے۔

شریعت اسلامی:

شریعت اسلامی میں عام طور سے پورا اسلام داخل ہے۔لیکن کبھی کبھی فرق کرنے کیلئے قوانین کے حصے کو شریعت سے تعبیر کر دیتے ہیں۔فقہاء نے شریعت میں عبادات، معاملات اور عقوبات وجنایات (سزاؤں) کو شامل کیا ہے۔

قوانین:

اسلام نے انسانی زندگی کے ہر گوشہ اور اس کا ہر کام کیلئے قانون بنائے ہیں جن کا ماننا عبادات کی طرح ضروری ہے۔ان پر عمل کیے بغیر مسلمان کا اسلام ادھورا رہتا ہے۔شادی، طلاق، رضاعت، موت، تجارت، زراعت، صنعت، مزدوری سیاست، سماج اور اقتصاد، غرضیکہ ہر میدان اور شعبہ حیات سے اس کا تعلق ہے۔

Marfat.com

قوانین میں کچھ کا تعلق حلال وحرام سے ہے یعنی کچھ کام جائز ہیں اور کچھ ناجائز۔ بعض قوانین کچھ کاموں کو مکروہ یا ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں اور بعض کو مباح وجائز۔ بعض کو پسندیدہ اور بہتر بتاتے ہیں۔

اخلاق ومعاملات:

انسان کے انسان سے معاملات وتعلقات کو عام طور سے معاملات یا اخلاق کے عام لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عقائد وعبادات کا تعلق انسان اور اس کے خالق ومالک کے درمیان ہوتا ہے۔ جب کہ شریعت دونوں تعلقات یعنی بندہ اور اللہ تعالیٰ اور بندہ اور بندہ کے تعلقات کی جامع ہے۔ معاملات میں انسان کا اپنے جیسے انسانوں سے ہی واسطہ ہوتا ہے اور یہ اسلام کا بہت ہی حسین اور جامع پہلو ہے جو فرد وسماج کی صحت کی ضمانت فراہم کرتا ہے اور دنیا میں انسان کی فلاح وسعادت بھی قائم کرتا ہے۔

اسلام کا یہ باب کئی اہم حقوق وفرائض پر مشتمل ہے۔ ان میں والدین، اولاد، میاں بیوی، رشتہ داروں، پڑوسیوں، بیواؤں، یتیموں، حاجتمندوں، مہمانوں، بیماروں اور جانوروں وغیرہ کے حقوق وفرائض بھی شامل ہیں۔ ایک کا حق دوسرے کا فرض اور دوسرے کا فرض پہلے کا حق ہے۔ ان کو ادا کیے بغیر اسلام کامل نہیں ہوسکتا۔

ان حقوق وفرائض کا احساس اور ان کو ادا کرنے کا فریضہ اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا جب تک مسلمان اللہ تعالےٰ اور انسان سے محبت وتعلق نہ پیدا کرے۔ عبادات وعقائد کے علاوہ بعض فضائل اخلاق اس کیلئے ضروری ہیں۔

ان میں صبر وتوکل شکر وقناعت، صدق وسچائی، سخاوت وفیاضی عفت وپاک بازی، امانت ودیانت، شرم وحیا، رحم وکرم، عدل وانصاف، عہد وعدہ کی پابندی، حلم وبردباری، احسان واکرام، عفوودرگذر، نرمی ولطف، تواضع وخاکساری، ایثار واظہار، اعتدال ومیانہ روی، عزت نفس وخودداری، شجاعت وبہادری، استقامت وحق گوئی، استغنا وبے پرواہی اور خوش کلامی وخندہ روی جیسے اخلاق پیدا کرنے ضروری ہیں۔

Marfat.com

ان کے مخالف یا متضاد رذائل یا برے کاموں اور بداخلاقی سے بچنا بھی ضروری ہے۔ جیسے جھوٹ، مکروفریب، خیانت ودغابازی، وعدہ خلافی وبدعہدی، بہتان والزام تراشی، غیبت وبدگوئی، بدگمانی، وظن وگمان، چغل خوری مداحی وخوشامد۔ حرص وطمع، بخل وکنجوسی، بے ایمانی اور چوری، رشوت وحرام خوری، غصہ، گرمی، بغض وکینہ، ظلم وزیادتی، فخروغرور، خودبینی وخودنمائی، ریاکاری وبناوٹ، حسدوجلن، بدکلامی وفحش گوئی، فضول خرچی واسراف وغیرہ۔ اخلاق کے ان دونوں مثبت ومنفی پہلوؤں سے ہی ایمان کامل ہوتا ہے۔

Marfat.com

حیات طیبہ کے آخری برس

فتح مکہ کے بعد اسلامی ریاست ومعاشرہ کی تعمیر، شریعت ودین کی تکمیل اور دین ودنیا کی جامعیت پیدا کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا وقت گذرا۔

غزوۂ کے بعد جب سارے عرب نے آپؐ کا دین اور اسلامی ریاست کا سیاسی اور مذہبی بالادستی قبول کرلی تو آپؐ نے مسلمانوں کو ان کے اصل مرکز .....خانہ کعبہ ..... پر جمع کرنے کی غرض سے اللہ کے حکم سے حج اکبر کا اعلان کیا۔ ذوالحجہ ۹ ھ/۶۳۱ء میں آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیق کو امیر حج بنا کر بھیجا اور تمام مسلمانوں نے ان کی امارت میں حج کیا۔ اسی موقعہ پر حضرت علی ابن ابی طالب نے آپؐ کے نمائندے کی حیثیت سے سورۂ توبہ کے احکام لوگوں کے سامنے پیش کیے۔

ان میں سب سے اہم یہ تھا کہ کافروں اور مشرکوں کو ہمیشہ کیلئے بیت اللہ کے قریب آنے سے روک دیا گیا اور ان کو اپنے کفر وشرک کی گندگی دور کر کے اسلام میں داخل ہونے کی چار ماہ کی مہلت دی اور اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں مکہ مکرمہ چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

حجتہ الوداع:

اگلے سال ۱۰ ھ/۶۳۲ء میں آپؐ نے اپنا اسلام کا پہلا اور آخری حج کیا جو حجتہ الوداع کے نام سے مشہور ہے مگر اس کا اصل نام حجتہ الاسلام ہے۔ آپؐ کے ساتھ ایک اندازے کے مطابق ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں نے حج کیا۔ ان کے علاوہ بہت سے مسلمان اپنے گھروں میں

Marfat.com

رہے اور حاضر نہیں ہو سکے اندازہ ہے کہ پانچ اور دس لاکھ کے بیچ مسلمانوں کی کل آبادی اس وقت تک ہو گئی تھی آپؐ کی تمام ازواج مطہرات نے بھی آپؐ کے ساتھ یہ آخری حج کیا۔

خطبہ حجتہ الوداع:

اس حج اکبر کے دوران آپؐ نے مختلف مقامات پر کئی خطبے دیئے جن میں مسلمانوں کو بہت اچھی اچھی نصیحتیں کیں۔ یہ نصیحتیں ایسے شخص کی تھیں جو اب رخصت ہونے والا تھا۔

خطبہ حجتہ الوداع میں آپؐ نے اللہ تعالےٰ کی توحید، مسلمانوں کی بلا امتیاز رنگ وعلاقہ مساوات تقویٰ کی فضلیت، جاہلیت اور جاہلی رسوم اور فخر ومباہات سے اجتناب مسلمانوں کی اخوت غلاموں اور عورتوں کے ساتھ حسن سلوک، خون جاہلیت کے خاتمہ، اور ربا وسود کی حرمت، خون ومال مسلم کی عزت وحرمت، مکہ مکرمہ کی فضلیت وتقدس، کتاب الٰہی اور سنت نبوی سے تمسک، وراثت کے احکام، عورت ومرد کے حقوق، اپنی رسالت اور تبلیغ اسلام کے فریضہ کی ادائیگی پر زور دیا۔ یہ سارے خطبات پڑھنے کی چیزیں ہیں اور ہر مسلمان کیلئے ضروری لائحہ عمل بتاتے ہیں۔

اسی وقت دین مکمل ہوا اللہ تعالیٰ کا حکم آیا کہ جب اللہ کی فتح ونصرت آجائے اور لوگ دین میں داخل ہونے لگیں تو اللہ کی جناب میں توبہ واستغفار کرو۔ یہ آپؐ کی وفات کے قریب آنے کا اعلان تھا۔ (سورۂ نصر)

بیماری اور وفات:

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ واپس آنے کے دو ماہ بعد آپؐ بیمار ہوئے۔ سارے رخصتی کے کام کیے۔ طاقت رہی تو مسجد جا کر نماز پڑھاتے رہے۔ جمعرات ۸ ربیع الاول ۱۱ھ کی نماز مغرب مسجد میں آپؐ کی آخری نماز تھی۔ آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیق کو نماز پڑھانے کا حکم دیا جنہوں نے آپؐ کی زندگی میں سترہ نمازیں پڑھائیں۔ آپؐ کی بیماری بڑھتی ہی گئی۔ دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو دن چڑھے آپؐ اپنے اللہ سے جا ملے۔ اللھم بالرفیق الاعلےٰ. مسلمانوں کو شدید غم ہوا۔ دوسرے دن منگل ۱۳ ربیع الاول ۱۱ھ کو آپؐ کو حضرت عائشہ کے حجرہ میں جہاں آپؐ کی وفات ہوئی تھی، دفن کیا گیا۔ آپ آپؐ کا روضہ مبارک مسجد نبوی کے درمیان مشرقی سمت میں واقع ہے۔

Marfat.com

ازواج مطہرات

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال کی عمر شریف سے لے کر پچاس برس کے سن تک صرف ایک بیوی حضرت خدیجہ کے ساتھ زندگی انتہائی خوشی ومسرت کے ساتھ بسر کی۔ انھیں سے آپؐ کی تمام اولادیں ہوئیں، سوائے حضرت ابراہیم کے۔ حضرت خدیجہ کی مکہ مکرمہ میں وفات کے بعد مختلف اسباب سے کئی شادیاں کرنی پڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپؐ کو چار سے زیادہ شادیاں کرنے کی خصوصی اجازت دی ہے۔ جو دوسرے مسلمانوں کو حاصل نہیں۔ (سورۂ احزاب ۵)

۱۔ حضرت سودہ عامری:

ہجرت سے تین سال قبل پہلے آپؐ نے حضرت سودہ بنت زمعہ عامری سے شادی کی تاکہ گھر کی اور بچوں کی دیکھ بھال ہو سکے اور حضرت سودہ کی دلجمعی ہو جائے کیوں کہ ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کے بچوں کو بھی دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ اس شادی سے قریش کے خاندان بنو عامر بن لوی سے آپؐ کا رشتہ استوار و مضبوط ہو گیا۔ حضرت سودہ کا حضرت عمر کی خلافت میں انتقال ہوا۔ (ذوالحجہ ۲۳ھ / اکتوبر۔نومبر ۶۴۳ء)

۲۔ حضرت عائشہ تیمی:

اسی برس حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق تیمی سے آپؐ نے نکاح کیا۔ رخصتی ہجرت کے بعد شوال ۱ھ میں ہوئی جب عائشہ کی عمر نو سال تھی۔ وہ آپؐ کے ساتھ نو سال رہیں اور پینتالس سال بیوگی کے گذارے۔ ۵۷ھ / ۶۷۶ء میں حضرت معاویہ کی خلافت میں ان کی وفات ہوئی۔ اس شادی میں دین و دنیا کی بہت سی مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔ اپنے خلیل و دوست

Marfat.com

حضرت ابوبکر صدیق سے دوستی اور تعلق کی مضبوطی اور ان کے اعزاز واکرام کے علاوہ دین وشریعت کی تبلیغ حضرت عائشہ کے ہی علم وفضل کے سبب زیادہ تر ہوئی کہ وہ نہ صرف ذہین وفطین تھیں بلکہ ان کی عمر سچی تعلیم کی اصل زندگی تھی۔ باقی ازواج مطہرات پکی عمر میں آئی تھیں۔

۳۔ حضرت حفصہ عدوی:

جس طرح ابوبکر صدیق سے آپؐ نے تعلقات مستحکم کئے تھے۔ اسی طرح آپؐ نے اپنے دوست حبیب حضرت عمر سے روابط کی مضبوطی اور ان کے اعزاز واکرام کیلئے آپؐ نے ان کی بیوہ صاحبزادی حضرت حفصہ سے ۳ھ/۶۲۵ء میں شادی کی۔ وہ انتہائی نیک، پرہیزگار اور عبادت گزار ہونے کے علاوہ علم والی تھیں ۴۵ھ/۶۶۵ء میں انتقال کیا۔

۴۔ حضرت زینب ہلالی:

حضرت زینب بنت خزیمہ ہلالی سے ان کے شوہر حضرت عبداللہ بن جحش کی وفات کے بعد ۴ھ میں نکاح کیا۔ وہ فقراء ومساکین کی ماں (ام المساکین) کہلاتی تھیں کہ بہت خیرات کرتی تھیں مگر دو تین ماہ کے بعد ہی ان کی وفات ۴ھ/۶۲۶ء میں ہوگئی۔

۵۔ حضرت ام سلمہ مخزومی:

حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ مخزومی سے آپؐ نے ان کے شوہر کے انتقال کے بعد ۴ھ میں نکاح کیا۔ اس نکاح کے ذریعہ آپؐ نے اپنے رضاعی بھائی عبدالاسد مخزومی کے بیوی بچوں کی دیکھ بھال کی اور قریش کے ایک اہم خاندان اور اس کے ایک اہم سردار سے تعلق مضبوط کیا۔ ان سے بھی بڑا علم وفضل پھیلا کہ وہ بڑی عالمہ تھیں۔ ان کی وفات سب سے آخر میں یعنی خلافت یزید بن معاویہ میں ۶۱ھ/۶۸۰ء یا اس کے دو تین سال بعد ہوئی۔

۶۔ حضرت زینب اسدی:

۵ھ/۶۲۷ء میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی شادی حضرت زینب بنت جحش اسدی سے کردی۔ وہ آپؐ کی پھوپھی زاد بہن ہونے کے علاوہ آپؐ کے لے پالک حضرت زید بن حارثہ کی بیوی رہ چکی تھیں۔ اس شادی سے لے پالک بنانے اور اس کی متعلقہ رسوم کی کاٹ کی گئی۔ وہ

Marfat.com

انتہائی سخی، فیاض، عابدہ، زاہدہ اور نیک تھیں۔ ان کی وفات ۲۰ ھ/۶۴۱ء میں ہوئی۔

۷۔ حضرت جویریہ خزاعی:

اسی برس آپؐ نے حضرت جویریہ بنت حارث خزاعی سے بنوالمصطلق کی جنگ کے بعد شادی کی۔ اس شادی سے پورا قبیلہ بنوالمصطلق مسلمان ہوگیا اور ان کے تمام قیدیوں کو آزادی ملی۔ وہ بہت عابد و نیک اور بزرگ خاتون تھیں ۵۰ ھ/۶۷۰ء میں خلافت معاویہ میں ان کی وفات ہوئی۔

۸۔ حضرت ام حبیبہ اموی:

۷ ھ/۶۲۹ء میں آپؐ نے مکہ مکرمہ کے عظیم ترین شیخ و سردار حضرت ابوسفیان بن حرب اموی کی دختر حضرت ام حبیبہ سے ان کے شوہر عبیداللہ بن جحش کے حبشہ میں نصرانی ہونے کے بعد شادی کی۔ آپؐ کا غائبانہ نکاح نجاشی حبشہ نے پڑھایا اور مہر کی رقم ادا کی۔ پھر وہ مدینہ آکر آپؐ کے ساتھ تین چار برس رہیں۔ اس شادی سے بنوامیہ اور مکہ کے اہم سردار سے تعلقات استوار ہوئے۔ ۴۴ ھ/۶۶۴ء میں انہوں نے اپنے بھائی حضرت معاویہ کی خلافت کے زمانے میں وفات پائی۔

۹۔ حضرت صفیہ نضری:

غزوۂ خیبر کے بعد ۷ ھ میں ہی آپؐ نے اس کے ختم ہونے کے فوراً بعد حضرت صفیہ بنت حی نضری سے شادی کی۔ وہ یہودی تھیں لیکن اسلام لے آئیں۔ آپؐ نے ان کو آزاد کر کے نکاح کرلیا۔ اس طرح یہودی قبائل سے آپؐ کے تعلقات استوار ہوئے۔ حضرت صفیہ نے ۵۰ ھ/۶۷۰ء میں وفات پائی۔

۱۰۔ حضرت میمونہ:

آپؐ کی آخری اہلیہ حضرت میمونہ بنت حارث ثقفی ہیں جن سے آپؐ نے فتح مکہ کے بعد ۸ ھ/۶۳۰ء میں نکاح کیا۔ قبیلہ ثقیف سے تعلقات سدھارنے میں اس نکاح نے کافی اہم کردار ادا کیا۔ ۵۱ ھ/۶۷۱ء میں آپؐ کی وفات مقام سرف میں ہوئی اور

Marfat.com

مکہ میں دفن کیا گیا۔باقی ازواج مطہرات مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

۱۱۔حضرت خدیجہ

گیارہ ازواج مطہرات بشمول حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپؐ کے نکاح میں تاعمر رہیں۔ ان میں سے حضرت خدیجہ کی وفات ہجرت کے قبل مکہ میں ہی ہوگئی اور ہجرت کے بعد حضرت زینب ہلالی (ام المساکین) اپنی شادی کے صرف دو تین ماہ بعد وفات پاگئیں۔باقی نو ازواج مطہرات آپؐ سے بعد بھی کافی دنوں زندہ رہیں اور امت کی ماؤں کی حیثیت سے اسلام کی خدمت کرتی رہیں۔آپؐ کی سب سے آخر میں وفات پانے والی زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمہ مخزومی ہیں۔ جو خلافت یزید بن معاویہ میں واصل بحق ہوئیں۔ان تمام ازواج مطہرات میں سے صرف حضرت خدیجہ سے آپؐ کی اولادیں ہوئی، باقی تمام ازواج لاولد رہیں۔رسول اکرم کی ایک باندی ماریہ قبطیہ تھیں جن سے آپؐ کے ایک فرزند حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔اس طرح وہ بھی آپؐ کی ایک بیوی تھیں۔روایات کے مطابق آپؐ نے بعض اور خواتین سے بھی نکاح کیا مگر وہ مکمل نہیں ہوا۔اس لیے آپؐ کی ازواج مطہرات کی کل تعداد گیارہ اور حضرت ماریہ سمیت بارہ ہے۔

اولاد:

مکی دور حیات میں آپؐ کی اولاد کا ذکر آچکا ہے۔علماء کا اتفاق ہے کہ آپؐ کے دو صاحبزادے حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم تھے۔ان میں سے حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے جو آپؐ کی باندی تھیں اور تحفہ وہدیہ میں مقوقس مصر کی طرف سے آئی تھیں۔ان کے سوا تمام اولادیں حضرت خدیجہ کے بطن سے تھے۔حضرت ابراہیم ۸ھ ۶۳۰ء میں پیدا ہوئے اور سوا دو ماہ کے بعد انتقال کر گئے۔

آپؐ کے فرزند اکبر حضرت قاسم بھی بچپن میں انتقال کر گئے تھے۔باقی فرزندوں کے بارے میں اختلافات ہے۔لیکن بیٹا کوئی زندہ نہیں رہا کیوں کہ اللہ تعالےٰ کا فیصلہ یہی تھا کہ آپؐ کسی مرد کے باپ نہ رہیں۔اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں۔(سورۂ احزاب ۴۰)

آپؐ کی چار بیٹیاں تھیں جن کی پیدائش کا اوپر ذکر آچکا ہے۔بعد کی زندگی کیلئے مختصر

Marfat.com

تفصیلات یہ ہیں۔

ا۔حضرت زینب:

آپ ؐ کی بڑی بیٹی حضرت زینب تھیں۔ ان کی شادی حضرت خدیجہ نے اپنی زندگی ہی میں اپنی بہن حضرت ہالہ کے فرزند ابوالعاص بن ربیع عبد شمسی کے ساتھ کی تھی۔ ان سے دو اولادیں ایک لڑکا حضرت علی اور ایک لڑکی حضرت امامہ پیدا ہوئیں۔ ان سے آپ ؐ کو بہت محبت تھی۔ حضرت زینب کا انتقال ۸ھ/۶۳۰ء میں آپ ؐ ہی کی زندگی میں ہوگیا۔

۲۔حضرت رقیہ:

دوسری دختر حضرت رقیہ کی شادی آپ ؐ نے حضرت عثمان بن عفان اموی سے ہجرت حبشہ سے پہلے کی۔ دونوں میاں بیوی نے حبشہ اور مدینہ کی دونوں ہجرتیں کیں۔ غزوۂ بدر کے دوران ۲ھ/۶۲۴ء میں حضرت رقیہ کی اچانک وفات ہوگئی۔ حضرت عثمان کے ان سے ایک فرزند حضرت عبداللہ تھے۔

۳۔حضرت ام کلثوم:

حضرت رقیہ کے بعد آپ ؐ نے اپنی تیسری دختر حضرت ام کلثوم کی شادی حضرت عثمان اموی سے کردی۔ چھ سال شوہر کے ساتھ رہیں۔ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ۹ھ/۶۳۱ء میں آپ ؐ کی زندگی ہی میں ان کی وفات ہوگئی۔ حضرت عثمان کو اسی بنا پر ذوالنورین (دونوروں والا) کہا جاتا ہے۔

۴۔حضرت فاطمہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیٹی حضرت فاطمہ کی شادی حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی سے ۲ھ/۶۲۴ء میں ہوئی۔ ان سے حضرت علی کے تین فرزند حضرت حسن (۳ھ/۶۲۵ء)، حضرت حسین (۴ھ/۶۲۶ء) اور حضرت محسن (۶ھ/۶۲۸ء) اور دو دختر حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ ان سے حضرت علی کی نسل خوب چلی۔ حضرت فاطمہ کی وفات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد ہوگئی (رمضان ۱۱ھ/دسمبر ۶۳۲ء)

Marfat.com

سیرت طیبہ پر ایک مجموعی نظر

یہ حقیقت ہے کہ انسانوں کی سیرت وکردار کی تعمیر وترقی انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں اوران کے لائے ہوئے پیغامات کے ذریعہ ہی ہوسکتی ہے۔تمام انبیاء کرام چونکہ ایک محدود قوم، علاقے اور زمانہ کی ہدایت ورہنمائی کیلئے مبعوث ہوئے تھے، اس لیے ان کا اثر بھی وقتی، عارضی اور محدود رہا۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے تمام انسانوں کیلئے نبوت کے بعد سے قیامت تک کیلئے تمام زمانوں کے لیے مبعوث کیا۔اس لیے صرف آپؐ کو سیرت اور آپؐ کا لایا ہوا پیغام عالمگیر اور دائمی ہے۔اس کا ایک تاریخی ثبوت یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ہر اہم اور ضروری جزئیہ محفوظ ہے اور آپؐ کا لایا ہوا سلام پوری طرح سے محفوظ وموجود ہے۔

دوسرے انبیاء کرام کی سیرتوں کے صرف بعض پہلو معلوم ہیں۔بہت سوں کے صرف نام ہی معلوم ہیں اور کچھ پتہ نہیں اور نہ جانے کتنے انبیاء کرام ایسے ہیں جن کے نام تک ہی معلوم ہیں۔اسی طرح ان کی لائی ہوئی کتابیں، ان کے قوانین، ان کے عبادات واحکام بھی یا تو معلوم نہیں یا ان کے صرف چند پہلوؤں کا ذکر پایا جاتا ہے۔پھر دوسرے انبیاء کرام کسی ایک اخلاق عالی یا مجموعہ اوصاف کے پیکر تھے۔ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام فضائل اخلاق کے پیکر اور مجسم رحمت تھے۔آپؐ کی تاریخیت، آپؐ کی جامعیت، آپؐ کی دین ودنیا اور جسم وروح کی ہمہ گیر اور آدرش وعمل کی امتزاجیت ہی آپؐ کا عالمگیر اور دائمی اسوہ اور نمونہ بناتی ہے

Marfat.com

اسی لیے آپؐ ختم المرسلین ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دینی اور مادی انقلاب برپا کیا تھا اس کے اثرات آج تک باقی ہیں اور قیامت تک باقی رہیں گے۔ مکہ مکرمہ کے تیرہ سالہ نبوی قیام کے دوران آپؐ نے اسلام کی فکری اور عقائدی بنیادیں رکھیں اور مضبوط کیں۔ اسی کے ساتھ عملی زندگی کے اہم اصولوں اور عبادات کی تکمیل کی۔ بعد میں مدنی زندگی کے دس سالہ دور میں عبادات واخلاق اور شریعت کی تکمیل کی اور ایسی تکمیل کہ اب انسانیت کی تعمیر وتشکیل اور ترقی کیلئے کسی اور پیغام اور فکر ونظام کی ضرورت نہیں۔ باقی سارے فکر اور عملی نظام کھوٹے ہیں اور صرف اسلام کا فکری اور عملی نظام کھرا ہے۔

تئیس برس کی قلیل مدت میں آپؐ نے جو انقلاب برپا کیا اس کے بعض اہم پہلو حسب ذیل ہیں۔

ا۔ آپؐ نے دین کا وہ نظام پیش کیا جو انسان کے جسم وروح اور دینا وآخرت کی ہر ضرورت پورا کرتا ہے۔ وہ ایسا دین فطرت ہے جو بشریت کے تقاضوں سے ہم آہنگ اور فطری ہے۔ اس لیے ہر سچے دل اور ہر سوچنے والے دماغ کی واحد پناہ گاہ ہے۔

۲۔ آپؐ نے ایک ایسا سماجی انقلاب برپا کیا اور ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جس میں انسانی سطح پر کوئی اونچ نیچ نہیں۔ مسلم اخوت اور انسانی احترام کی بنیادوں پر اسے استوار کیا۔ انسانوں کو ہر طرح کے استحصال وظلم اور جبر سے نجات دلائی جس میں سب کے مساوی اور انصاف پر مبنی حقوق وفرائض ہیں۔ پیدائش، خاندان، علاقہ، رنگ ونسل اور زبان وغیرہ جیسی چیزوں کی بنیاد پر انسانوں کے درمیان فرق نہیں روا رکھا۔ افضلیت اور برتری کا معیار تقویٰ، خشیت الٰہی اور نیک اعمال کو بنایا۔ اولین مسلمانوں میں آپؐ نے قوت، اتحاد، اخوت، مساوات، تنظیم اور مرکزیت پیدا کی۔ بکھرے شیرازہ کو جمع کر کے ان کو عظیم سماجی قوت بنا دیا۔

۳۔ اسلام نے وہ معاشی اور اقتصادی نظام قائم کیا جس کا بنیادی اصول ہے کہ کسی کو نقصان نہ پہنچے بلکہ سب کو فائدہ ہو۔ معاشی مساوات کا اصول وتصور نہیں پیش کیا۔ بلکہ عدل وانصاف پر مبنی نظام قائم کیا کیوں کہ رزق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ ساتھ ہی دولت کے ایک جگہ جمع ہونے کو روکا اور اس کو مسلسل گردش میں رکھا۔

Marfat.com

مالداروں کے مال میں محتاجوں محروموں اور بہت سے لوگوں کا حق رکھا۔ دولت کے لالچ اور حرص کے راستے بند کیے اور ہمدرد اور غمگساری کے طریقے ضروری قرار دیئے۔ اس سے معاشی خوشحالی اور انصاف وامان پیدا ہوا۔

۴۔ چوتھائی صدی سے کم مدت میں آپؐ نے جو فکری نظام قائم کیا تھا، اس کی بنیاد پر دس سال سے کم مدت میں وہ سیاسی نظام قائم کیا جس نے پورے جزیرہ نمائے عرب کے ہزاروں مربع میل پر وسیع اسلامی ریاست قائم کی۔ وہ بھی ایسے قبائلی عربوں کے ذریعہ جو مرکزیت، تنظیم اور اتحاد کے تصورات سے نآشنا تھے۔

یہی وہ مرکزیت، تنظیم اور اتحاد تھا جس نے اسلامی ریاست کو ایسی سیاسی قوت بنادیا جس کا مدمقابل پورے عرب میں نہ تھا جس میں اتنی سیاسی طاقت تھی کہ اس نے عہد نبوی میں اپنے وقت کی سب سے بڑی سلطنت روم کو لکارا اور چند برسوں بعد دو میں سے ایک عظیم ترین سلطنت .....ساسانی سلطنت ایران ..... کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور دوسری عظیم ترین سیاسی قوت .....سلطنت روم یا بزنطین ..... کا شیرازہ منتشر کردیا کہ وہ آہستہ آہستہ زوال پذیر ہوگئی اور بالآخر وہ ایک مسلمان فاتح کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچی۔

۵۔ اگرچہ فوجی نظام کے بیان میں ضروری نکات آچکے ہیں۔ تاہم یہاں یہ نکتے بیان کرنا ضروری ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر کہ جہاد کیلئے ہر طرح کی قوت اور خاص کر شہسواروں کی طاقت جمع کی جائے پر پوری طرح عمل کیا تھا۔ آپؐ نے شروع سے محسوس کرلیا تھا کہ جلد یا بدیر قبائل عرب بالخصوص قریش مکہ اور یہودیوں سے طاقت آزمائی ضرور ہوگئی۔ اس لیے آپؐ نے افرادی اور اسلحہ جاتی طاقت مجتمع کرنی شروع کردی اور شہ سواری کے فروغ اور گھوڑوں کو جمع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ پہلی جنگ اسلام یعنی غزوۂ بدر میں تین سو تیرہ سپاہیوں، ناکامی اور ٹوٹے پھوٹے اسلحوں اور دو گھوڑوں سے بڑھ کر آخری غزوۂ نبوی .....تبوک ..... میں تیس ہزار کا لشکر جرار، کافی اور عمدہ اسلحے اور دس ہزار گھوڑے جمع کرلیے۔ یہی فوجی طاقت تھی جس نے دشمنان اسلام کے دلوں میں بقول الٰہی خوف ودہشت پیدا کی اور جس نے بعد میں ممالک اور سلطنتیں فتح کیں۔

Marfat.com

۶۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم، عالمگیر اور ابدی کارنامہ تہذیبی میدان خاص کر علوم وفنون کے میدان میں ہوا تھا۔ یہ بہت اہم بحث ہے۔اس لیے اس کو مختلف عنادنین کے تحت الگ الگ بیان کیا جاتا ہے۔

(ا)تعلیم وتعلم:

اسلام سے پہلے عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا۔وہ ان پڑھ اور ان گڑھ لوگ تھے۔اسی بنار پر اللہ تعالیٰ نے ان کو''امیین'' کہا ہے۔مکہ مکرمہ جیسے عظیم ترین مرکز دین محور تہذیب میں چند لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔یہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان ہے کہ پورے عرب میں خواہ وہ شہری قبیلے ہوں یا بدوی لوگ لکھنے پڑھنے کا عام رجحان پیدا ہوا اور عام مسلمانوں نے بھی ضروری لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔قرائت اور کتابت کے فنون کے ارتقاء کے ساتھ علوم وفنون کی ترقی شروع ہوئی جو دن رات بڑھتی ہی گئی۔

(ب)تدوین قرآن مجید کریم:

عام تعلیم کے فروغ میں سب زیادہ حصہ قرآن مجید نے لیا۔جس کی پہلی نازل ہونے والی آیت'اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ'' نے قرائت (پڑھنے) قلم (لکھنے) اور علم پر زور دیا تھا۔قرآن مجید کی بہت سی آیات کریمہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان گنت احادیث مقدمہ میں علم سیکھنے پر زور دیا گیا ہے۔مسلمانوں نے ان دونوں ارشادات پر پوری طرح عمل کیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کے لئے پہلے خود قرآن مجید کی ایک ایک آیت یاد کر کے سینے میں محفوظ کرتے اور مسلمانوں کو حفظ کراتے۔اس طرح جتنا قرآن مجید نازل ہوتا وہ سینوں میں محفوظ ہو جاتا۔نمازوں میں اس کی قرائت نماز کے باہر تلاوت اور حضرت جبریل کے ساتھ قرآن منزل کا دورہ اس کی حفاظت وحفظ کی پکی ضمانت بن گیا۔

پھر آپؐ نے ساتھ ہی ساتھ قرآن مجید کی کتاب اور لکھنے کا اہتمام بھی کیا مکہ مکرمہ کے ابتدائی دور سے ہی آپؐ قرآن شریف کے نازل شدہ حصے مختلف صحابہ کرام کے ذریعہ مختلف چیزوں پر لکھوا دیتے تھے۔اس طرح پورا نازل شدہ قرآن کریم برابر کم وکاست لکھا بھی جاتا

Marfat.com

رہا۔مدینہ منورہ میں بھی یہی سلسلہ چلتا رہا اور قرآن کی ہر آیت وسورت لکھی گئی۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت پورا قرآن مجید تحریری شکل میں محفوظ اور موجود تھا۔البتہ آپؐ نے ایک مصحف یا کتاب کی شکل میں ایک جمع نہیں کراوایا تھا۔

لیکن آپؐ کے متعدد صحابہ کرام کے اس نے نسخے یا مصاحف اپنے آپؐ جمع کر لیے تھے۔ایسے صحابہ کرام کو"جماع القرآن" کہا جاتا ہے۔عہد نبوی میں مدینہ میں چھ حضرات زیادہ مشہور ومعروف تھے۔ان کے علاوہ اور بہت سے جامع قرآن تھے جن کے اپنے نسخے اور مصاحف تھے۔مثال کے طور پر حضرت عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں ستر سورتیں ایسی تھیں جن کو انہوں نے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھ کر لکھا تھا۔

(ج)تفسیر وعلوم قرآن:

اگرچہ عہد نبوی میں باقاعدہ تفسیر یا علوم قرآن کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی لیکن ان علوم وفنون کی ابتداء آپؐ ہی سے ہوئی۔تفسیر وعلوم قرآن پر مشتمل بہت سی روایات احادیث نبوی کی زبانی ترسیل میں شامل تھیں۔متعدد قرآن آیات کی تفسیر اور علوم قرآن پر مشتمل چیزیں آپؐ نے ازخود اپنی زبان مبارک سے لوگوں کو بتائی تھیں۔اور بہت سے صحابہ کرام نے آپؐ سے پوچھ کر لوگوں تک پہنچائی تھیں۔

پھر صحابہ کرام نے آپس میں ایک دوسرے سے تفسیری استفادہ کیا اور علوم قرآنی پر بحث کی اور بعد میں دوسری نسل تک ان کو پہنچایا۔بعض صحابہ کرام جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرات ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت وغیرہ کے بارے میں ذکر آتا ہے کہ انہوں نے اپنے قرآن مصاحف میں تفسیری اور علمی نکات بھی لکھ لیے تھے۔ان میں قرأت وتجوید ونسخ وغیرہ کے نکات تھے۔

(د)علوم حدیث:

قرآن مجید کی افہاد وتفہیم اور دین اسلام کی شروح وتعبیر کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث وسنت ضروری تھی۔حدیث میں چار چیزیں شامل کی جاتی ہیں۔(ا)قول (بات)

Marfat.com

(۲)عمل وفعل (کام)(۳)تقریر (کسی بات یا کام پر آپؐ کی خاموشی جو رضامندی کے مترادف تھی)اور(۴) آپؐ کے شمائل یا حلیہ وغیرہ۔

قرآن کریم، حدیث نبوی اور تاریخ اسلامی کی ان گنت روایات سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی الہ علیہ وسلم نے ہزار باتیں بیان کیں، اوران گنت کام کئے۔آپؐ کی حدیث وسنت بھی اللہ کے یہاں سے آتی تھی۔ کیوں کہ جو کچھ آپؐ فرماتے تھے وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں فرماتے یا کرتے تھے۔ بلکہ اللہ تعالی کے حکم وارشاد سے کرتے تھے۔اسی بناپر آپؐ کی احادیث کو غیرہ متلووحی یا قرآن (بلا تلاوت والی وحی یا قرآن) کہا جاتا ہے کہ آپؐ معصوم تھے اور گناہ وغلطی سے محفوظ۔

احادیث نبوی قرآن مجید کی تشریح وتعبیر کرتی ہیں۔ وہ دین اسلام کا دوسرا اہم ترین ذریعہ علم ہیں۔ احادیث نبوی کو مانے بغیر اسلام ادھورا اور نامکمل رہ جاتا ہے احادیث کی روایت وترسیل اسی مذہبی اور علمی غرض سے پہلے پہل ہوئی۔

رسول اکرم صلی اللہ عیلہ وسلم نے مجلسوں، گھروں، راستوں اور ہر مقام وجگہ پر صحابہ کرام سے کچھ نہ کچھ ارشاد فرمایا یا کوئی نہ کوئی کام کیا بلکہ لوگوں کو تاکید کی کہ آپؐ کی خلوت وجلوت کے ہر کام کو آپؐ کی ہر بات کو بیان کیا جائے اور لوگوں تک بلا کتر بیونت پہنچایا جائے۔ چنانچہ اس ارشاد کی بناپر بھی لوگوں نے آپؐ کی احادیث دوسروں تک پہنچایا جائے۔

پھر لوگوں کو آپؐ سے حد درجہ محبت تھی۔ اس لیے وہ آپؐ کی ہر بات اور ہر کام کو جاننا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے خود بھی ان کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور احادیث کی ترسیل وابلاغ کا کام ہوتا رہا۔آپؐ کی شکل وصورت، شمائل وخصائل اور عادات واطوار سے بھی لوگوں کو دلچسپی تھی اور نہ صرف صحابہ کرام بلکہ غیر مسلموں کو بھی۔اس شمائل اور حلیہ وغیرہ کا علم اور روایت پھیلی۔

عہد نبوی کے زمانے میں زیادہ تر حدیث وسنت زبانی بیان کی گئی مگر تحریری مجموعے بالکل عنقانہ تھے۔آپؐ نے خود بھی بہت سی چیزیں لکھوائیں جیسے خطبہ فتح مکہ اور خطبہ الوداع کے بعض حصے لوگوں کو لکھو کر دیئے۔ بہت سے احکام وفرامین گورنروں اور والیوں کو لکھوائے۔قریش سے

Marfat.com

معاہدہ صلح حدیبیہ اور دوسرے لوگوں سے کے گئے معاہدے لکھوائے۔ سلاطین عرب وعجم کو اسلام کی دعوت دینے کیلئے نامے لکھوائے ان کے علاوہ اور بھی بہت سی تحریریں آپؐ نے لکھوائیں..... یہ سب حدیث کا حصہ ہیں۔

آپؐ کے متعدد صحابہ کرام جیسے عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علیؓ وغیرہ نے اپنے حدیث کے مجموعے تحریری شکل میں تیار کر لیے تھے اور بعض نے ان کو آپؐ کے سامنے پڑھ کر ان کے مضامین کی تصدیق بھی کرالی تھی۔ ان مجموعوں کو صحیفے کہا جاتا ہے۔ ایک جدید تحقیق کے مطابق کم از کم پچاس صحابہ کرام نے ایسے حدیثی صحیفے لکھ کر رکھے تھے۔

(س) فقہ:

عہد نبوی میں قرآن مجید اور حدیث نبوی دینی مسائل کے حل کیلئے کافی تھے اور انھیں دونوں پر فقہ اسلامی مبنی تھی لیکن بحیثیت ایک فن کے اس کا ارتقاء یا کم از کم اس کا آغاز اسی زمانہ میں ہوا۔ صحابہ کرام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہر نئے مسئلہ اور ہر نئی صورت حال میں اسلامی تعلیم آپؐ سے پوچھ کر جان لیتے تھے مگر آپؐ کی غیر موجودگی میں ان کو قرآن وسنت پر مبنی اپنی رائے وفکر سے بھی کام لینا ہوتا تھا مگر آپؐ کی غیر موجودگی میں ان کو قرآن وسنت پر مبنی اپنی رائے وفکر سے بھی کام لینا ہوتا تھا۔ مثلاً حضرت معاذ بن جبل خزرجی کو جب آپؐ نے یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا: تم اہل کتاب لوگوں کے پاس جارہے ہو وہ اگر کوئی مسئلہ پوچھیں تو کیسے فیصلہ کروگے۔ انہوں نے عرض کیا کہ قرآن کریم کی روشنی میں فرمایا اگر تمہیں قرآن سے وہ حل نہ ملے تو؟ عرض کیا آپؐ کی سنت سے۔ فرمایا اگر اس میں بھی وہ حل نہ ہو تو؟ عرض کیا پھر میں اپنی رائے اور اجتہاد سے کام لوں گا۔ آپؐ نے ان کے فیصلے اور رائے کو پسند فرمایا اور اس طرح فقہ اسلامی کا تیسرا اصول قیاس وجود میں آیا۔

فقہ اسلامی کا چوتھا اصول .....اجماع .....بھی برتا گیا کہ آپؐ نے مسلمانوں کے مشورہ سے اذان کی صورت اور الفاظ متعین فرمائے۔

Marfat.com

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے بعض صحابہ کرام کو خاص طور سے فتویٰ دینے پر مامور فرمایا اور ان کی خاص تربیت کی۔ چنانچہ حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، معاذ بن جبل اور زید بن ثابت وغیرہ ایسے صحابہ مفتیوں میں شامل تھے۔

(ص) سیرت وتاریخ:

ان دونوں علوم کا آپس میں گہرا تعلق ہے، اسلامی تاریخ کا آغاز سیرت نبوی سے ہوا اور سیرت عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے ابتدائی دور میں حدیث کا حصہ رہی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہر قسم کی معلومات حاصل اور جمع کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ اس میں اسلامی تاریخ بھی تھی اور سیرت بھی۔ پھر آن مجید کتاب ہدایت ہونے کے باوجود معاصر عہد نبوی کا بہت سا تاریخی مواد رکھتا ہے۔ وہ بھی اسلامی تاریخ کا ایک اہم بلکہ اہم ترین ماخذ ہے۔

عہد نبوی میں سیرت وتاریخ کی کوئی کتاب مرتب نہیں کی گئی کیوں کہ ایک تو یہ دونوں علوم قرآن وحدیث سے الگ نہ ہوئے تھے۔ دوسرے قرآن کے مصاحف اور حدیث کے صحیفے سیرت وتاریخ کے کام سمجھے جاتے تھے۔ تیسرے اس زمانے میں سیرت وتاریخ کی روایتیں زبانی ہی ایک دوسرے سے نقل کی جاتی تھیں۔

(ط) دوسرے علوم وفنون:

عہدی نبوی کے بنیادی علوم تو صرف دو قرآن وحدیث تھے۔ انھیں سے فقہ، سیرت اور تاریخ نکلے اور بعد میں علیٰحدہ علوم کی شکل میں ارتقاء پذیر ہوئے۔ لیکن بعض دوسرے علوم وفنون بھی اس دور میں شروع ہوئے اگر چہ وہ ابتدائی دور کے اور ثانوی اہمیت کے تھے مثلاً ریاضی اور حساب کا فن پہلے سے عرب میں موجود تھے۔ حضرت زید بن ثابت وغیرہ نے علم الفرائض (میراث کے حصوں کے علم) کے ذریعے اس کو ترقی اور رواج دیا۔

حضرت زید بن ثابت نے آپؐ کے حکم واجازت سے سیریانی اور عبرانی زبانیں سیکھیں بعض اور زبانیں بھی وہ جانتے تھے۔ حضرت عمر فاروق نے تورات کا علم حاصل کیا اور اس کو پڑھا سیکھا۔ بعض دوسرے صحابہ بھی سابقہ کتب سماوی کے عالم تھے۔ یہودی ونصرانی علماء جیسے حضرت

Marfat.com

عبداللہ بن سلام وغیرہ نے اس فن اور اس کی زبان کو مسلمانوں میں مزید رواج دیا۔

اس دور میں فن تعمیر کا بھی ارتقاء ہوا۔ وہ سادہ اور معمولی تھا۔ مدینہ منورہ میں مکانات نبوی اور مسجد نبوی جیسی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ بعض صحابہ کرام کے مکانات دو منزلہ تھے۔ ایک صحابی نے اپنا مکان قبہ نما بنایا تھا۔ مدینہ منورہ کے لوگ موسیقی اور گانے کے بھی شوقین تھے۔ اس فن نے اسلامی حدود میں کافی ترقی کی۔ غرض کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی تہذیب وتمدن کی اصل داغ بیل ڈالی اور اس کو قبائلی سطح سے اٹھا کر شہری اور سکونتی سطح تک بلند کیا۔ آپؐ کی قائم کردہ بنیادوں ہی پر بعد میں اسلامی تہذیب نے اپنی شناخت بنائی۔

Marfat.com

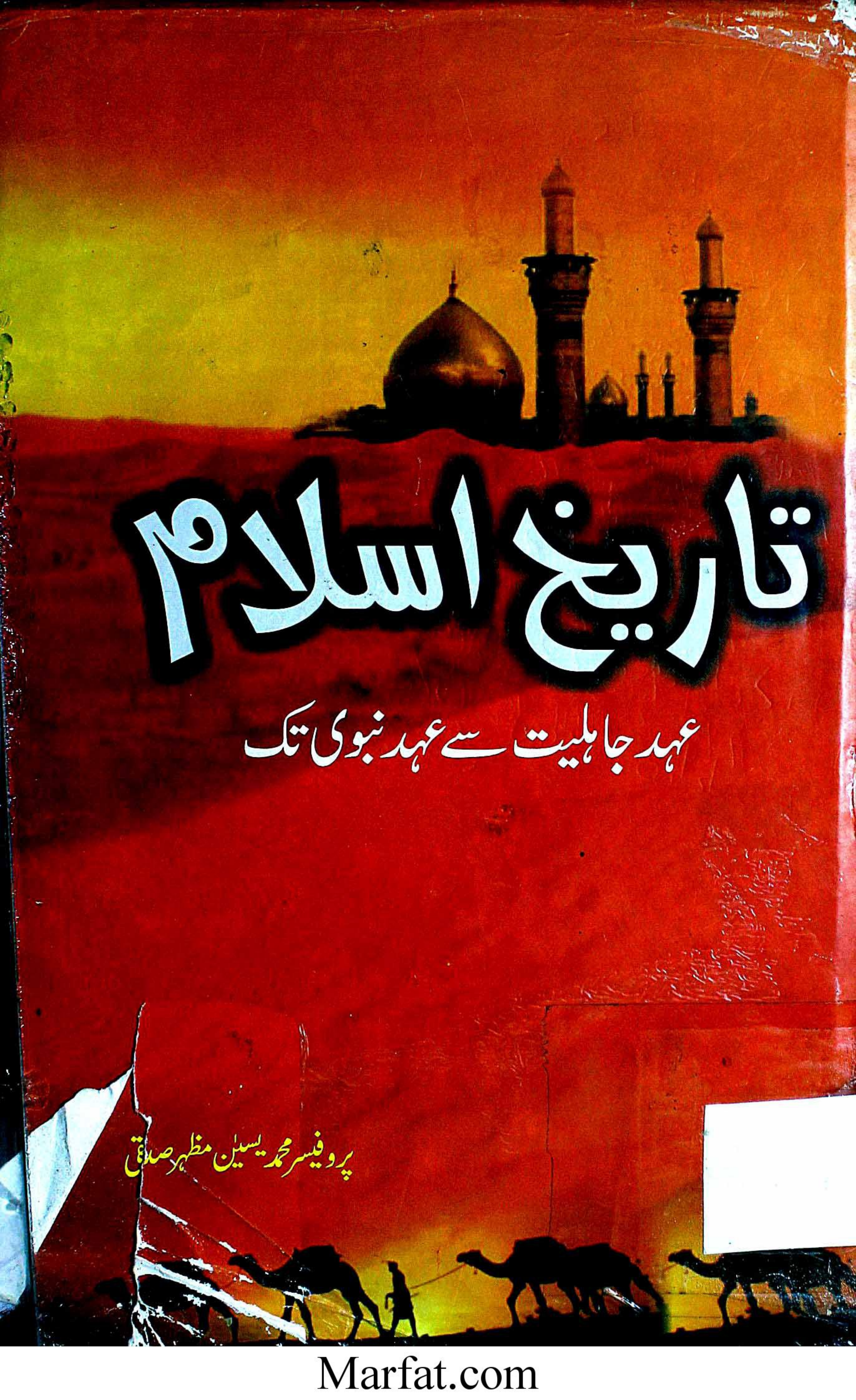

تاریخ اسلام

عہد جاہلیت سے عہد نبوی تک

پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی

Marfat.com